بدعت کی حقیقت
ابو الاعجاز محمد صدیق ضیاء
قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نِعمتِ البِدعۃُ ھٰذہٖ۔ (مشکوٰۃ)

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
(اقبال)

بفیضانِ کرم —

قطب الاقطاب، غوث الاغیاث، خازن رشد وہدایت، شہنشاہ ولایت،

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت جناب پیر سید علی حسین شاہ صاحبؒ

نقشِ لاثانی قدس سرہم النورانی علی پوری

بِدعت کی حقیقت

حسب الارشاد —

رأس المفکرین

پروفیسر محمد حسین صاحب آسی

تالیفِ لطیف:

ابو الاعجاز محمد صدیق ضیاء نقشبندی حسینی

ناشر:

قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	...------... بدعت کی حقیقت
مؤلف	...------... ابوالاعجاز محمد صدیق ضیاء نقشبندی حسینی
مقدمہ	...------... حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی مدظلہ العالی
تقدیم	...------... جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ
کتابت	...------... محمد ابراہیم بلال تربیلہ ڈیم
اشاعت سوم	...------... دسمبر 2005
صفحات	...------... 304
تحریک	...------... چوہدری محمد ممتاز احمد قادری
ناشر	...------... چوہدری عبدالمجید قادری
قیمت	...------... [illegible]/= روپے

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور

☆ مکتبہ جمال کرم مستا ہوٹل لاہور

☆ اسلامی کتب خانہ اُردو بازار لاہور

☆ شبیر برادرز اُردو بازار لاہور

☆ روحانی پبلشرز ظہور ہوٹل گنج بخش روڈ دربار مارکیٹ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور

Hello.042-7213575--0333-4383766

ترتیبِ مضامین

مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

نذرِ انتساب

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں پیش کرنے کیلئے (بتصرف)

شاہانِ بندہ نواز کے حضور نذریں پیش کرنا غلامانِ وفا پیشہ کے آدابِ سعادت میں داخل رہا ہے، لیکن اِس فقیر تہی دامن کے پاس کون سا سرمایہ ہے جو اپنے کریمانِ بندہ پرور کے حضور پیش کرے۔ ہاں یہی گلدستۂ اوراق ہے جو اُنھی کے حسنِ تصرف سے تیار ہوا ہے۔ کیوں نہ نذرِ غلامانہ کے طور پر، اسی کو پیش کردوں اس شفیق و رحیم، رفیع و عظیم اُس خواجہ و مولا کی بارگاہِ چرخ اشتباہ میں

جو اپنے جدِ امجد حضور شاہِ لاثانی کی طرح اپنے دَور میں فقر و ورع کا امام لاثانی ہوا (رحمۃ اللہ علیہما)۔

جس نے ہزاروں دلوں میں توحیدِ خداوندی اور عشقِ رسول (جل وعلا فصلی المولیٰ علیہ وسلم) کے نہ بجھنے والے چراغ روشن کئے اور لاکھوں کے سفینہ ہائے ایمان کو حسنِ خاتمہ کے ساحلِ عافیت تک پہنچایا۔

جس کی یادِ دامن سے امیدوں کی کلیاں شگفتہ ہوتی رہیں اور جس کا حسنِ دلنواز ارمانوں کے لالہ و گل میں رنگ بھرتا رہا۔

جس کے فیضِ نظر نے مجھ ایسے ہیمدان کو بھی حمایتِ حق کے شعور اور ابطالِ باطل کے جذبے سے سرشار کیا ــــــــــــــ

وہ کون ـــــــ یعنی

مرشدِ عالی وقار، خواجۂ کرم شعار، غوث اغیاث وقطب مدار، وارثِ رسولِ مختار نورِ حیدرِ کرار، اعلیحضرت عظیم البرکت الحاج پیر سید **علی حسین** شاہ صاحب نقش لاثانی (نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی) قدس سرہ النورانی بانی بزمِ لاثانی پاکستان

اور پھر اس کی بارگاہِ بیکس پناہ میں

جو میرے شیخ کامل کا لختِ جگر اور فرزندِ اکبر ہے

جو مسندِ لاثانی کی زینت، فیضِ لاثانی کا قاسم اور نقشِ لاثانی کا مظہر ہے

جو صورت وسیرت اور عادات واطوار میں اپنے والدِ گرامی کی نشانی ہے

جو عالمِ اجل، فاضلِ بے بدل اور عارفِ معارفِ حقانی ہے

جو صبر وشکر کا پیکر اور تسلیم ورضا کا مجسمہ ہے ـــــــ

یعنی

صدر العلماء الراسخین، فخر الاولیاء الکاملین، سیدی وسندی ومستندی ـــــــ

حضرۃ الحاج پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشہ نقش لاثانی

مدظلہ النورانی۔ سرپرستِ اعلیٰ بزمِ لاثانی

ع صد شکر کہ ہستیم بظل دو ولی

نیاز کیش

سگِ بارگاہِ نقشِ لاثانی

ضیاء

ربیع الاول ۱۳۹۰ھ

تحدیثِ نعمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رحمت و برکت سے کتاب مستطاب بدعت کی حقیقت کا تیسرا ایڈیشن پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ربیع الاول ۱۴۱۰ھ میں منظر عام پر آیا تو دوسرا ربیع الاول ۱۴۱۵ھ میں طبع ہوا اور پھر جلد ہی کتاب مارکیٹ میں نایاب ہو گئی۔

تیسرا ایڈیشن بھی سرعت کا متقاضی تھا لیکن بعض نامعلوم وجوہات کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔ اب خدا بھلا کرے جناب چوہدی عبدالمجید قادری مالک قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور کا کہ انہوں نے دست تعاون بڑھایا اور اشاعت سوم کا بیڑہ اٹھایا۔ ایک دو مقامات کی معمولی اصلاح کے علاوہ اس کے بے ترتیب صفحات کو باقاعدہ ترتیب دے کر کتاب کا مسودہ ان کے حوالے کر دیا ہے امید کرتا ہوں اب یہ پہلے سے زیادہ آب و تاب کے ساتھ شائع ہو گی۔

میں حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رافت و رحمت کو وسیلہ بنا کر منعم حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتا ہوں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ کتاب کو پہلے سے بھی زیادہ نافع بنائے۔ میرے لئے کفارۂ سیئات بنائے اور حضور شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔

سگ بارگاہ مرشد

محمد صدیق ضیاء نقشبندی قادری

کلماتِ تشکّر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم اور حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رحمت وعنایت سے زیرِ نظر کتاب "بدعت کی حقیقت" کا دوسرا ایڈیشن پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے یہ میرے استاذ گرامی مفکرِ اسلام حضرت پروفیسر محمد حسین آسی مدظلہ العالی ناظمِ اعلیٰ بزم لاثانی پاکستان کے حکم کی تعمیل میں، انہی کی توجہات کی برکت سے، پہلی بار ربیع الاول ۱۴۲۰ھ میں منظرِ عام پر آئی اور شہنشاہ لاثانی اور حضور نقشِ لاثانی قدس سرہم النورانی کے سالانہ عرسِ مقدس کے روح پرور اور مبارک موقع پر مخزنِ خیر وبرکت، سراپا رشد وکرامت، زبدۃ الاولیا، قدوۃ الاصفیا، عارفِ معارفِ حقانی، قاسمِ فیضِ لاثانی، حضور قبلہ عالم حضرت الحاج الحافظ پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشبندی نقشِ لاثانی دامت برکاتہم القدسیہ کی خدمتِ اقدس میں پیش کی گئی۔ آپ نے بہت پسند فرمائی۔ تحسین وآفرین سے نوازا بلکہ ظاہری و باطنی انعامات اور نقشبندی مجددی فیوض وبرکات سے مالا مال کردیا۔ بات فخر و ریا کی نہیں تحدیثِ نعمت کی ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کی نظرِ کرم ہوئی اور کتاب ہر خاص و عام نے پسند کی۔ مزید جید علمائے حق نے اس کی توثیق فرمائی، بعض ملکی اخبارات وجرائد نے تبصرے شائع کیے۔ ادھر عوام الناس روشناس ہوئے ادھر کتاب ہاتھوں ہاتھ نکلی اور جلد ختم ہوگئی۔ دوبارہ اشاعت کے مطالبے ہونے لگے۔ خصوصاً استاذی المکرم دامت

نے مزید تفصیل کے ساتھ پھر سے شائع کرنے کا حکم فرمایا۔
لیکن اشاعت دوم میں تاخیر ہوتی رہی۔ علمی مشغولیتوں کے علاوہ تاخیر کا ایک بڑا سبب مخالفین کی طرف سے تحریرِ تردید کا انتظار بھی تھا تاکہ اتمامِ حجت کے لیے جواب الجواب بھی اسی اشاعت میں شامل کر دیا جائے۔ لیکن رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ بقول محبوب الرسول قادری جوہر آباد، سرگودھا کے ایک "محقق" نے تو مطالبہ کے باوجود صرف یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ کتاب میں ان کی اتنی بھی مذمت نہیں کی گئی کہ ان کے لیے جواب دینا ضروری ہو۔ البتہ مقامی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور تحریری طور پہ تین چار کتابیں جن میں دیوبندی مفتی اعظم محمد شفیع کی کتاب "سنت و بدعت"، ماہر القادری اور عامر عثمانی وغیرہ کے مقالات پر مشتمل ادارۂ اسلامیات لاہور کی کتاب "بدعت کیا ہے"، جدہ سے شائع ہونے والی ابوبکر الجزائری اور مشتاق علی ندوی کی کتاب "محفلِ میلاد" اور مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب "افاضات یومیہ" شامل ہیں بھجوائی گئیں۔ کچھ سوالات زبانی بھی کیے گئے۔

اب حضرت استاذی المکرم کے حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ مذکورہ کتب کے متعلقہ نکات کا جائزہ لینا بھی ضروری سمجھا۔ لیکن ہوشربا گرانی کے دور میں ضخامت بڑھنے کا خوف بھی دامنگیر تھا۔ لہٰذا تمام مضامین کے بجائے کتاب کے مجمل مقامات کو قدرے مفصل کیا۔ اور اسی دوران مخالفین کی مطلوبہ کتب کے مختلف نکات کا جائزہ بھی پیش کر دیا۔ آپ دیکھیں گے کہ ہم نے ان کے دلائل کو تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ثابت کیا ہے۔ انہوں نے ملبے میں دب کر ملیامیٹ ہونے کے خوف سے بے نیاز ہو کر محض ریت کی دیواروں تلے پناہ لینے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ان کے حکیم الامت اور مفتی اعظم نے تو جا بجا حدیث پاک کے ذکر کے بعد اس کی مخالفت کی ہے۔ فرمایئے! جنہیں خود

اپنی حفاظت کے لیے مضبوط سہارا انہیں مل سکا ان کی پر فریب منصبی شان و شوکت ذرّیت کو کیا تحفظ دے سکے گی۔ اور ہم نے ان کی تلبیسات کو طشت از بام کر دیا ہے۔ بنظرِ انصاف مطالعہ کیا گیا تو اصلاح کی قوی امید ہے۔

اپنے محسنین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے خصوصاً مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا جنہوں نے بصیرت افروز تقدیم اور مفید ہدایات سے نوازا۔ بساط بھر استفادہ کیا گیا اور ضمیمہ انہی کی راہنمائی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ پھر حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی کا جنہوں نے خوبصورت تاثرات بھیجے اور سرورق کی اصلاح کے لیے راہنمائی فرمائی۔ علاوہ ازیں فاضل شہیر علامہ اختر شاہجہانپوری نور اللہ مرقدہ بھی اپنے تاثرات سے بڑی دلجوئی فرما گئے۔ پھر بطلِ حریت شاہ تراب الحق قادری، جناب مفتی محمد ریاض الدین اور جناب پروفیسر محمد ایوب سیالوی نے تصدیق و تائید سے سرفراز فرمایا۔

مناظرِ اسلام مولانا محمد ضیاء اللہ قادری نے ماہِ طیبہ میں، مولانا ابو داؤد محمد صادق صاحب نے رضائے مصطفےٰ میں اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے ندائے اہلِ سنت میں تبصرے شائع کیے۔ مناظرِ اسلام نے تو کتاب کے پچیس (۲۵) نسخے بھی خریدے۔ ضیائے حرم لاہور نے بھی تبصرہ کے ذریعے اپنے قارئین کو روشناس کرایا۔ روزنامہ نوائے وقت اور روزنامہ مشرق نے بھی دلچسپ تبصرے شائع کیے۔ سب کا ممنونِ احسان ہوں۔

علاوہ ازیں الحاج شیخ محمد حنیف نقشبندی (گوجرانوالہ) بھی میرے محسن ہیں۔ اشاعت اول میں انہوں نے بڑی تگ و دو کی۔ وقت کی قلت کے پیش نظر بعض مقامات کی کتابت اور طباعت انہی کے ذمہ رہی۔ پھر کتابیں لاہور سے گوجرانوالہ اور وہاں سے (ان کا ایک حصہ) علی پور شریف پہنچانے کا بندوبست فرمایا۔ "ماہِ طیبہ اور رضائے مصطفیٰ" میں تبصرے شائع کرائے۔ یہی نہیں بلکہ

ایک سو سے زائد نسخے خریدے اور علماء و شائقین میں مفت تقسیم کر دیے۔

تربیلا ڈیم میں چوہدری محمد سلیم صاحب کا نام سرِ فہرست رہا۔ ایک سو سے زائد کتابیں ہدیۃً نکالنے کے علاوہ، علامہ شرف قادری اور علامہ اختر شاہجہانپوری سے تاثرات حاصل کیے۔ انہوں نے حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی خدمت میں بھی تبصرہ کے لیے دو نسخے پیش کیے اور بقول چوہدری صاحب ایک انہوں نے امریکن لائبریری میں بھیج دیا اور دوسرا نسخہ سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے نظریۂ بدعت پر تحقیق کے لیے کسی بہترین کتاب کے متلاشی ایک نومسلم سکالر کو دے دیا کہ اس میں آپ کا نظریہ نسبتاً بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

آخر میں جناب محمد ابراہیم بلال صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کتابت کے مراحل کو آسان کیا اور بہترین کتابت کے ساتھ ساتھ مفید مشوروں سے بھی نوازا۔

سگِ بارگاہِ مرشد

ضیاء

ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

محققِ دوراں، ادیبِ زماں، رأس العلماء والفضلاء، جامع علومِ قدیمہ وجدیدہ
جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی، سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج و
پوسٹ گریجویٹ سنٹر، سکھر (سندھ)

"شرک" اور "بدعت" کے الفاظ پہلے اتنے نہ سنے گئے جتنے اب سنے جاتے ہیں ——— یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے ——— کیا اس لیے نہ سنے گئے کہ پچھلے لوگ شرک و بدعت کی حقیقت سے واقف نہ تھے اور جی میں جو آتا کرتے چلے جاتے؟ ——— جو باتیں آج شرک و بدعت بتائی جاتی ہیں ان پر تو صدیوں سے عمل ہو رہا ہے ——— کیا پچھلے مسلمان سب گمراہ تھے؟ ——— یہ بات عقلِ سلیم ماننے کے لیے تیار نہیں ——— اس سوال کا جواب دینے میں عقل کچھ پریشان نظر آتی ہے ——— وہ ان الفاظ کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی ہے ———

ان الفاظ کے پیچھے اس کو فتنوں کا ایک طوفان اٹھتا ہوا اور سازشوں کا ایک جال پھیلا ہوا نظر آتا ہے جن کا ہدف عظمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ——— جن کا نشانہ محبتِ رسول علیہ التحیۃ والتسلیم ہے ——— ہاں، یہ وہ الفاظ وہ خونخوار ہتھیار ہیں جن سے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رگیں کاٹی جاتی ہیں اور مسلمان کو آن کی آن میں بے دم کر دیا جاتا ہے ——— یہ وہ ہتھیار ہیں جن سے روزِ روشن سے زیادہ روشن حقیقتوں کا خون کیا جاتا ہے ——— یہ وہ آلات ہیں جن سے دلوں کو مسوسا جاتا ہے اور دماغوں کو نچوڑا جاتا ہے ———

ضرورت تھی کہ اس فریب کا پردہ چاک کیا جائے ——
علامہ پروفیسر محمد حسین آسی زید لطفہٗ نے اپنے تلمیذ رشید جناب محمد صدیق ضیا نقشبندی زید مجدہٗ
کو وقت کی اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ کیا اور انہوں نے "بدعت کی حقیقت" پر یہ
مقالہ قلم بند فرمایا جس میں موضوع کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے ——
آیات و احادیث اور سلف صالحین کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے حتیٰ کہ مخالفین
کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ طرز بیان شائستہ، دل پذیر اور معقول ہے البتہ
کہیں کہیں مناظرانہ رنگ کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔

فاضل مصنف محمد صدیق ضیا صاحب اپنے مرشد کریم حضرت سید علی حسین علی پوری
علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ اور فیض یافتہ ہیں، آجکل تربیلا ڈیم میں ملازم ہیں ——
یہ ڈیم تو زمینوں کو سیراب کرتا ہے اور بجلی پیدا کرتا ہے مگر فاضل مصنف دلوں کو سیراب
کر رہے ہیں اور دماغوں کو روشن کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ہمت و استقامت عطا
فرمائے۔ آمین! —— اس میں شک نہیں ان کی تصنیف "بدعت کی حقیقت"
نوجوان نسل کی پریشان خیالیوں کا مؤثر علاج ہے ——

اس کتاب پر پروفیسر محمد حسین آسی زید عنایتہٗ نے شرک و بدعت کے عنوان سے
بطور مقدمہ مفید گفتگو فرمائی ہے اور دل نشین باتیں کہی ہیں۔ موصوف کی گفتگو کا
خلاصہ یہ ہے ——

اسلام کا بنیادی عقیدہ، عقیدۂ توحید ہے جو دربار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے
اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جتنی محبت ہوگی اتنا ہی یہ عقیدہ محکم ہوگا اور جتنی
محبت کم ہوگی، اتنا ہی یہ عقیدہ کمزور ہوتا چلا جائے گا —— عقیدۂ توحید بغیر
عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ولولہ پیدا نہیں کر سکتا، بلکہ خود زندہ نہیں رہ سکتا اور وہ حرارت
پیدا نہیں کر سکتا جو اس کا مطلوب و مقصود ہے —— محبت رسول صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم عقیدۂ توحید کی اساس ہے، دشمنانِ اسلام نے اس بنیاد کو ڈھانے کے لیے

یہ تدبیر سوچی کہ ایسی ہر سوچ کو شرک قرار دیا جائے جس کا عنوان تعظیمِ رسول تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس طرح فرزندانِ توحید کی شرک سے بیزاری کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور بہت سے مسلمانوں کو راہ سے بے راہ کیا ـــــــــ یہ ایک عظیم المیہ ہے۔

جہاں تک شرک کا تعلق ہے، اس کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اللہ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو خدا ماننا

۲۔ اللہ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو خالق تصور کرنا

۳۔ اللہ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کی عبادت کرنا

مسلمانوں میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کسی نبی، رسول، ولی کے متعلق ان تینوں مشرکانہ عقیدوں میں سے کوئی عقیدہ رکھتا ہو ـــــــــ اگر کوئی بزعمِ خود یہ سمجھتا ہے کہ مسلمانوں میں ایسے مشرک ہیں تو اس کی سوچ اس حدیث شریف کے منافی ہے جس میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے تمہارے مشرک ہونے کا کوئی خدشہ نہیں، اندیشہ یہ ہے کہ کہیں تم دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔[۱]

اور یہ اندیشہ سامنے آیا، آج عالم و عامی سب اس دنیا میں مبتلا ہیں ـــــــــ مستثنیات کی بات الگ ہے ـــــــــ

جہاں تک 'بدعت' کا تعلق ہے ـــــــــ لغوی اعتبار سے ہر نیا کام 'بدعت' ہے اور اصطلاحِ شریعت میں ہر وہ نیا کام 'بدعت' ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے بعد رونما ہوا ہو ـــــــــ اب اس کی دو صورتیں ہیں ـــــــــ یا تو وہ نیا کام اچھا ہوگا یا برا ـــــــــ اگر وہ نیا کام روحِ شریعت کے مطابق ہے تو اچھا ہے ورنہ برا ہے ـــــــــ یہ ایک سیدھا سادا معقول اصول ہے ـــــــــ اگر ہم یہ اصرار کریں کہ نہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد ظاہر ہونے

---

[۱] بدعت کی حقیقت، ص: ۱۲ بحوالہ بخاری شریف

والا ہر کام بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے تو پھر اس تاریخی حقیقت کا کیا جواب ہوگا کہ وہ نئی نئی باتیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے بعد وجود میں آئیں اور سب ہی نے ان کو اپنایا، سب نے اچھا سمجھا، کسی نے اعتراض نہ کیا تو ان باتوں پر عمل کرنے والے اور اس کی تائید کرنے والوں پر کیا حکم لگایا جائیگا؟ ——— مثلاً:

۱۔ قرآن حکیم عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع نہیں کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس طرف متوجہ فرمایا اور جب انہوں نے انکار فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ کی قسم یہ تو اچھا کام ہے[1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کام کی اچھائی کو تسلیم فرمایا اور قرآنِ کریم اپنی نگرانی میں مدوّن و مرتب کرایا۔

۲۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ اور روزانہ نمازِ تراویح ادا نہ فرمائی، اس لیے کہ کہیں رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ ساتھ تراویح بھی فرض نہ ہو جائے ——— حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ مبارک میں اس کو منظم کیا اور فرمایا:

"یہ کیسی اچھی بدعت ہے"[2]

۳۔ نمازِ چاشت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

"یہ نئی نئی اچھی باتوں میں سے ایک اچھی بات ہے"[3]

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نئی نئی باتیں نکلتی رہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر ہستیوں نے ان باتوں کو اچھا کہا اور خود عمل فرمایا ——— اس سے معلوم ہوا کہ اچھی بات ہر حالت میں اچھی ہے خواہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی کیوں نہ

---

[1] بدعت کی حقیقت، ص: ۱۵ [2] ایضاً ص: ۳۰ [3] ایضاً ص: ۳۱

رونما ہوتی ہے ——— یہ ایک معقول بات ہے جس میں ذرہ برابر عقل ہوگی، وہ اس بات کو تسلیم کرے گا۔

فاضل مصنف جناب محمد صدیق ضیا صاحب نے اپنے استادِ محترم علامہ پروفیسر محمد حسین آسی زید لطفہٗ کی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے بدعت کی حقیقت پر اس تفصیل سے گفتگو فرمائی کہ تمام پہلو سامنے آگئے ——— ان کی بحث کا خلاصہ ہے:

——— حدیث شریف میں ہم کو ہدایت اور تاکید کی گئی ہے کہ جن باتوں پر شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے ان کو کریدا نہ جائے اور خواہ مخواہ اپنی طرف سے کوئی حکم نہ لگایا جائے کیونکہ ایسی تمام باتیں اللہ و رسول کی طرف سے معاف اور مباح ہیں۔

——— بشرطیکہ وہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہوں ———

نئی نئی پیدا ہونے والی باتوں میں بعض باتیں اچھی ہوتی ہیں اور بعض بری ——— حدیث شریف کے مطابق اچھی باتیں نکالنے والوں کو ان باتوں کا اجر ملے گا اور بری باتیں نکالنے والوں کو ان بری باتوں کا گناہ ملے گا ——— نئی اور اچھی باتوں کو تو اللہ تعالیٰ نے بھی پسند فرمایا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ عیسائیوں نے رہبانیت کو اپنی طرف سے نکالا، اللہ نے ان پر یہ پابندی نہ لگائی تھی، پھر بعض نے اس خودساختہ پابندی کو نباہا اور بعض نہ نباہ سکے ——— جنہوں نے اس پابندی کو نباہا، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اس کا اجر عطا فرمایا ——— اس سے معلوم ہوا کہ نئی نئی باتیں نکالنا انسان کی فطرت ہے اور اچھی باتیں نکالنے والوں کو اللہ تعالیٰ بھی اجر عطا فرماتا ہے اور اس کو یہ پسند ہے کہ ایسی باتوں پر پابندی سے عمل کیا جائے، ورنہ یہ ارشاد نہ فرماتا کہ عیسائیوں نے رہبانیت کو نکالا مگر بعض اس پر عمل نہ کر سکے، خیر جنہوں نے عمل کیا ہم نے اس کا اجر عطا فرمایا ——— بہرحال نئی نئی اچھی باتیں نکالنے اور ان پر عمل کرنے کی قرآن و حدیث دونوں سے توثیق ہوتی ہے ———

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا، بہت سی نئی باتیں نیک و پسندیدہ ہوتی ہیں ——

______ اور ایسی ہی پسندیدہ باتوں کے لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اچھی بدعت سنت کو تقویت دینے والی اور رواج دینے والی ہوتی ہے، یعنی ہر وہ نئی بات اچھی ہے جس سے سنت کو تقویت ملے ______

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے فرمایا "جس کام کی خوبی و اچھائی قرآن و حدیث سے صراحۃً یا اشارۃً ثابت ہو وہ اچھا ہے ______ اس لیے مولوی رشید احمد گنگوہی نے اصولی طور پر ایسی نئی باتوں کو سنت میں داخل کیا ہے یعنی ایسی بدعت ہرگز ضلالت و گمراہی نہیں بلکہ باعثِ اجر و ثواب ہے [1]

اصل میں اعمال کا دارومدار نیت پہ ہے، اس لیے ایسی نئی بات جو بظاہر اچھی ہو، نیت میں فتور کی وجہ سے بری ہو سکتی ہے ______ اور ایسی نئی بات جو بظاہر بری معلوم ہوتی ہو، نیت میں خیر کی وجہ سے اچھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہو ______ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ فاسق و فاجر جو اچھا کام کرے وہ اچھا نہیں اور نہ اس لائق ہے کہ نیک لوگ اس پر عمل کریں ______ یہ بات بھی معقول نہیں کیونکہ اچھا کام تو اچھا ہی ہے خواہ فاسق و فاجر ہی کرے مثلاً ابتدا میں قرآن حکیم میں الفاظ و حروف پر نقطے نہ تھے، یہ نقطے پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجاج بن یوسف نے ڈلوائے ______ ورنہ ہم عجمیوں کو قرآن پڑھنا مشکل ہو جاتا لیکن باوجود حجاج بن یوسف کے فسق و فجور کے اس کا یہ احسان ہم مسلمانوں پہ ہے اور اس کام کی اچھائی سے کسی کو انکار نہیں، سب اس کام کو اچھا سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں ______

اصل میں نئی نئی باتیں نکالنا اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرنا انسان کی فطرت ہے اور اسلام دینِ فطرت ہے، اس میں خلافِ فطرت کوئی بات نہیں اس لیے بعض شرائط کے ساتھ اسلام میں نئی چیزوں اور نئی باتوں کی بالکل گنجائش ہے، جو اس سے انکار کرتا

---

[1] بدعت کی حقیقت ص: ۵۶، ۶۰، ۹۱، ۸۸

ہے وہ اسلام کے دینِ فطرت ہونے سے انکار کرتا ہے ——————

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے —————— (سورۂ یٰسٓ، آیت نمبر ۱۲)

ظاہر ہے یہاں نشانیوں سے مراد وہ اچھی بُری باتیں ہیں جو انسان اپنے پیچھے یادگار چھوڑ جاتا ہے اور جس کا ذکر اس حدیث شریف میں ہے:

جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے اپنے عمل اور ان کے عملوں کا ثواب ہے جو اس پر کاربند ہوں، ان کا ثواب کم ہوئے بغیر —————— اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ ایجاد کرے اس پر اپنی بدعملی کا گناہ ہے اور ان کی بدعملیوں کا جو اس کے بعد اس پر کاربند ہوں اس کے بغیر کہ ان کے گناہوں سے کچھ کم کیا جائے [۱] ——————

تو حدیث شریف سے یہ ثابت ہوا کہ نئی باتوں کا نکالنا انسان کی فطرت ہے، اس لیے یہ نئی باتیں نکلتی رہیں گی، ہاں اچھی باتوں پہ ثواب ملیگا اور بُری باتوں پر عذاب ——————

المختصر فاضل مصنّف محمد صدیق ضیا زید مجدہٗ نے بدعت کی حقیقت پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کو اُجاگر کر دیا ہے۔ موصوف نے بدعت کی تشریح و تصریح کے ساتھ ساتھ محفل میلاد، جلوس میلاد، عرس، صلوٰۃ قبل اذان وغیرہ امورِ خیر پر بھی معقول و مدلل گفتگو کی ہے ——————

حقیقت میں شرک و بدعت کے خلاف یہ شور و شر ایک عالمی سازش کا حصہ ہے جس کا مقصود مسلمانوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور لے جانا اور سلف صالحین سے بیگانہ بنانا ہے —————— اس عالمی سازش کے کارندے قرآن و حدیث کی غلط تعبیرات کر کے مسلمانوں کو ایسی باتوں سے روکتے ہیں جن سے عشقِ رسول صلی اللہ

---

[۱] بدعت کی حقیقت ص: ۴۸ بحوالہ مسلم شریف

علیہ وسلم میں اضافہ ہو، فداکاری و جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہو، آرزوؤں اور تمناؤں کا سیلاب امنڈنے لگے، شہادت کے لیے روح مچلنے لگے ———

مولائے کریم ہمیں دشمنانِ دین کے فریب سے محفوظ رکھے اور ہمارے دلوں میں عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایسی آگ بھڑکا دے جس کو کوئی ٹھنڈا نہ کر سکے ——— ہاں ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اللہ تعالےٰ فاضل مصنف جناب محمد صدیق ضیاؔ صاحب زید مجدہٗ اُنکے استادِ محترم علامہ پروفیسر محمد حسین آسی زید لطفہٗ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے ملّتِ اسلامیہ پر احسان فرمایا اور اصلاحِ فکر و خیال کے لیے ایک کملی تحفہ عطا فرمایا۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ———

۲۸ر جمادی الاول ۱۴۱۲ھ

۶ر دسمبر ۱۹۹۱ء
یوم جمعۃ المبارک

احقر محمد مسعود احمد

دیگر علمائے حق کی تصدیق و تائید

تصدیق لطیف

فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محفلِ میلاد، جلوس، عرس، صلوٰۃ و سلام اذان سے پہلے اور بعد، ایسے مستحسن امور ہیں جو صدیوں سے مسلمانوں میں رائج ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر بارگاہِ الٰہی کے مقربین کی عقیدت و محبت کے مظاہر ہیں، ان کے بارے میں یہ تصور کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتیں چاہے ادا نہ کرو، صرف ان معمولات کا سرانجام دینا کافی ہے، مستحبات کا درجہ فرائض، واجبات اور سنن کے بعد ہے۔

اسی طرح ان مستحب معمولات کو بدعتِ سیئہ اور حرام قرار دینا ناپسندیدہ جرأت کے زمرے میں آتا ہے۔ مولانا علامہ ابوالاعجاز محمد صدیق نقشبندی زید مجدہٗ کی تصنیفِ لطیف "بدعت کی حقیقت" کے جستہ جستہ مقامات دیکھنے سے دلی مسرت حاصل ہوئی، جس میں انہوں نے بدعت کے بارے میں سیر حاصل بحث کے دوران بڑی عمدگی سے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے اور آخر میں معمولات اہل سنت میلاد شریف وغیرہ کے جواز اور استحسان پر فاضلانہ گفتگو کی ہے۔ ان کی تحریر دلائل اور معقولیت سے لبریز ہے، زبان و بیان کی چاشنی قاری کی دلچسپی کا باعث ہے۔

مزید خوشی اس بات کی ہے کہ یہ کام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی مدظلہٗ کی ہدایت اور رہنمائی میں پایۂ تکمیل تک پہنچا ہے۔ امید کی جانی چاہیے کہ وہ جناب مؤلف کو اس راہ پر چلتے رہنے کا پابند کریں گے تاکہ عوام و خواص ان کے رشحاتِ قلم سے مستفید ہوتے رہیں

تصدیق شریف

جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول، ابو النصر پیر مفتی محمد ریاض الدین صاحب، شیخ الحدیث جامعہ غوثیہ معینیہ رضویہ' ریاض الاسلام ـــــــــ اٹک

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم ، بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــــــ

کتاب کا چند مقامات سے بغور مطالعہ کیا ہے ۔ الحمد للہ رب العالمین ! کہ جس طرح زیورِ طباعت کی تمام ضرورتوں سے آراستہ ہے' اسی طرح لباسِ تحقیق کی بھی بہت سی خوبیوں سے پیراستہ ہے ۔ فاضل ممتاز حضرت علامہ مولینا ابو الاعجاز محترم محمد صدیق صاحب ضیا نقشبندی سلمہ القوی بلا شبہ قابلِ داد اور لائقِ آفرین ہیں ۔ میدانِ تحریر میں ان کا یہ پہلا قدم ہونے کے لحاظ سے نہایت ہی قابلِ قدر ہے ۔ جس حسین و بہترین انداز میں انہوں نے بمعہ دیگر ضروری مسائل کے مسئلہ بدعت پر روشنی ڈالی ہے' ایک منصف مزاج انسان کے لیے تو اس کی تحسین ہی زیب دیتی ہے باقی ساری چیزوں سے قطع نظر موجودہ روز افزوں مہنگائی کے ہوش رُبا دور میں ایسی خوبصورت کتاب کا اپنے مسلک کی حمایت کے لیے منظرِ عام پر لانا ہی کیا کم ہے ۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ فاضل مؤلف کی خوب حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ بحرِ تحریر کے بہترین شناور اور خدمتِ دین کے نامور خادم بن کر دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں اور اپنی تحریروں سے خلقِ خدا کو مزید در مزید فائدہ پہنچا سکیں ۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس گرانقدر کاوش کو درجۂ قبولیت سے نوازے اور عوام الناس کو اس سے فائدہ اٹھانے اور نشر و اشاعت میں ان کا ہاتھ بٹانے کی توفیق نصیب فرمائے'

آمین ! وصلی اللہ تعالےٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین ۔

و آخر دعونا الحمد للہ رب العالمین

یکم شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ ہجری المقدس (۱۷ فروری ۱۹۹۱ء)

تائیدِ لطیف

محققِ کبیر، مصنفِ شہیر، مترجم کتبِ احادیث، حضرت علامہ
عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری مظہری مجددی علیہ الرحمۃ، بانی مرکزی مجلسِ امام اعظم لاہور

نحمدہٗ و نصلّی و نسلّم علیٰ رسولہِ الکریم۔ اما بعد

کتاب "بدعت کی حقیقت" موصول ہوئی جو جناب محمد صدیق ضیاء صاحب زید مجدہٗ کی پہلی اور کامیاب تصنیف ہے۔ کتاب کو باوجود علالت کے مختلف مقامات سے پڑھا اور بعض بیانات تو بار بار پڑھنے پڑے، ماشاءاللہ، جزاک اللہ! خوب لکھا بلکہ بہت ہی خوب لکھا۔ میرے نزدیک عوام الناس کی فہمائش کے لیے اِس موضوع پر جتنی کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں، یہ کتاب ان میں منفرد اور ممتاز ہے۔ خدائے ذوالمنن اسے شرف قبولیت سے نوازے اور نافعِ خلائق بنائے آمین!

اندازِ بیان سادہ، پرکشش، دل نشیں، پُر وقار اور مدلل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض عبارتوں کو پڑھ کر کسی کے دل میں یہ خیال آنے لگے کہ یہ عبارتیں اختر شاہجہان پوری کی ہیں یا ضیاء صاحب کی؟ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہوں نے میری بعض عبارتیں چرائی ہیں۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے بلکہ بات اندازِ بیان اور زاویۂ نظر کی مماثلت اور یکسانیت کی ہے۔ خدا کرے وہ لکھتے رہیں اور لکھتے ہی چلے جائیں اور کسی وقت احقر کے ساتھ ان کا معاملہ "من تو شدم تو من شدی" والا ہو جائے۔ دورانِ مطالعہ خوب فرحت و مسرت محسوس کرتا رہا، دل باغ باغ ہوتا رہا اور بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی رہی:

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

۱۱ صفر المظفر سنہ ۱۴۱۲ھ
مطابق یکم ستمبر سنہ ۱۹۹۱ء

گدائے درِ اولیاء: عبدالحکیم خان اختر
مجددی مظہری شاہجہانپوری
لاہور، چھاؤنی

تائیدِ مزید

بطلِ حریت، ماہرِ علوم شریعت، عالمِ جلیل، حضرت علامہ سید
شاہ تراب الحق قادری، سابق ممبر قومی اسمبلی خطیب جامع مسجد میمن کراچی

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس فقیرِ حقیر نے حضرت مولانا ابو الاعجاز محمد صدیق ضیا، نقشبندی حسینی کی کتاب "بدعت کی حقیقت" کو پڑھا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اپنی بے انتہا مصروفیات کی بنا پر اس کتاب کو بالاستیعاب نہ دیکھ سکا، اور جب بھی موقع ہوا، ان شاء اللہ اسے پورا پڑھوں گا۔ اِس فقیر نے اس کتاب کو جہاں جہاں سے بھی پڑھا، بہت خوب پایا۔ بدمذہب اور بے دین مخالفِ اہل السنت والجماعت ذرا ذرا سی بات پر بے تحقیق فتویٰ جڑ دیتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور وہ بدعت ہے۔ بعض ایسی چیزیں جن کا احادیث سے صریحاً ثبوت ہے اسے بھی بدعت کہہ ڈالتے ہیں۔ اور آج تک اس بات پر مصر ہیں کہ بدعت کی صرف ایک ہی قسم ہے 'بدعتِ سیّئہ'۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' کا قول بابت تراویح موجود ہے کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بیشمار ایسے کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیے انہیں سرانجام دیا، مثلاً قرآن مجید کا جمع کرنا، تراویح کا باضابطہ باجماعت پڑھنا، جمعہ کے دن ایک زائد اذان کا اجرا اور اور ان حضرات کے بعد اکابرِ امت کا احادیث کی کتب کا تصنیف اور تالیف کرنا، فقہی مسائل پر بے شمار کتب کا تحریر کرنا، اسماء الرجال پہ تحقیق اور ان پہ کتب کا تصنیف کرنا، صرف ونحو کے قواعد جیسے اہم علوم کا وضع کرنا شامل ہیں۔ کیا یہ ساری چیزیں بدعتِ سیّئہ ہیں؟ اگر ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جائے تو اب قارئین کرام خود غور کریں کہ رہ کیا جاتا ہے۔

میری نظر میں یہ کتاب "بدعت کی حقیقت" اس نئے دَور میں بدعت کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے ایک اہم دستاویز ہے۔ باوجود دلائل وبراہین سے مرقع ومسجع ہونے کے سلیس اردو اور آسان زبان میں ہے۔ میری رائے میں ہر سُنّی صحیح العقیدہ کو یہ کتاب پڑھنی چاہیے تاکہ بے دینوں کے مکروکید سے واقف ہوجائے اور بدعت کی حقیقت واضح ہوجائے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مؤلف کو اپنی خاص برکتوں سے نوازے، علم وفضل میں ترقی عطا فرمائے، آمین ! ثم آمین!! بجاہ النبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقط خیر اندیش
شاہ تراب الحق قادری

ملکی اخبارات و دینی جرائد

کے

تبصرے

"نوائے وقت"

موقر روزنامہ "نوائے وقت" پاکستان مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۰ء نے درجِ ذیل تبصرہ فرمایا

زیرِ نظر کتاب "بدعت کی حقیقت" کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے 'بدعت' لغوی اعتبار سے ایسا نیا کام ہے جس کی نظیر پہلے نہ ہو۔ اِصطلاحِ شرع میں وہ نیا کام جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ پاک کے بعد شروع ہوا، اس کی دو بڑی بڑی صورتیں ہیں۔ اگر وہ نیا کام شریعت کے مزاج اور سنت کی روح کے مطابق ہو تو اسے اچھی بدعت (بدعت محمودہ یا حسنہ) کہا جاتا ہے ورنہ (اگر شریعت کے مزاج اور سنت کے ناموافق ہو تو) بُری بدعت (بدعت مذمومہ یا سیئہ) ہے بعض بدعات اچھی بھی ہوتی ہیں اور از حد ضروری بھی، مثلاً قرآنِ پاک کی باقاعدہ تدوین، نقطے اور اعراب وغیرہ لگا کر ایک جگہ مکمل نقل کیا گیا۔ قرآنِ پاک کے اعراب کی موجودہ شکل عباسی عہد کے ایک عالم خلیل بن احمد علیہ الرحمہ نے دی۔ ظاہر ہے یہ ایک اچھا اور شریعت کے مزاج اور روح کے مطابق کام ہے۔ پھر قرآنِ پاک کی تیس پاروں میں تقسیم اور پھر ہر پارے کے چار حصے اس قسم کی بدعتیں جو کافی مدت تک ہوتی رہیں اور ان کی وجہ سے قرآن مجید آج ہمارے سامنے موجودہ شکل میں ہے۔ اسی انداز میں کتاب 'بدعت کی حقیقت" میں اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے

"مشرق"

مؤقر روزنامہ "مشرق" مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۹۱ء
نے حسب ذیل تبصرہ فرمایا

"بدعت کی حقیقت" جناب ابوالاعجاز محمد صدیق ضیاؔ صاحب کی تصنیف ہے۔ کتاب کی تصنیف کا مقصد ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے "اس پُرفتن دَور میں اسلامی اقدار سے ناواقفیت دین سے بیزاری اور فرائض و واجبات سے غفلت عام ہوگئی ہے۔ ضرورت ہے کہ عوام النّاس کو دین سے قریب تر لایا جائے، انہیں اعمالِ صالحہ کا شوق دلایا جائے اور ان کے لیے شغف فی الدین کے اسباب و محرکات مہیا کیے جائیں۔ آج کل دینی جلسوں سے یہی مقصود ہے لیکن حیرت ہے کہ بعض لوگوں نے مصلحینِ امت کے دلفریب لبادہ میں ایسے اسباب و محرکات ہی کو بدعت (سیّئہ) سے موسوم کرنا شروع کر دیا ہے جو دین میں باعثِ شغف و دلچسپی ثابت ہو رہے ہیں۔

کتاب اپنے موضوعات اور حوالہ جات سے بھری ہوئی ہے۔ مصنف نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیئے بہت استدلال اور محنت سے کام کیا ہے۔ کتاب کی اصل افادیت مطالعے کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے۔

دینی امور میں تحقیق کرنے والے حضرات کے لیے یہ کتاب بے حد مفید ہو سکتی ہے۔

سفید کاغذ پر عمدہ کتابت ہے۔ سرِورق کتاب کے مزاج کے مطابق ہے۔

"نوائے جوہر" جوہر آباد

ہفت روزہ "نوائے جوہر" - جوہر آباد، ۸ تا ۱۵ جنوری سنہ ۱۹۹۰ء میں جناب پروفیسر محمد ایوب سیلوی نے درج ذیل خوبصورت تبصرہ فرمایا

یہ تحقیقی، خوبصورت، سلیس اور عام فہم علمی کتاب منفرد انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ کتاب کے مصنف حضرت ضیائے نقشبندی سنجیدہ اور محققانہ مزاج رکھتے ہیں۔ نہایت ادیبانہ طریق پر بدعت کی اقسام اور اس کی تعریف بیان کی ہے۔ مختلف مکاتبِ فکر کے جید علمائے کرام کی مشہورِ زمانہ کتب سے حوالے دیئے گئے ہیں اور اپنی تمام تر تحقیق کا مرکز و محور قرآن مجید، احادیثِ مبارکہ اور مسلم بزرگانِ دین کے ارشادات کو بنایا گیا ہے۔ محافلِ میلاد، جلوس میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اعراس بزرگانِ دین، ایصالِ ثواب اور صلوٰۃ وسلام قبل از اذان کے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ مصنف نے روزنامہ "جنگ" راولپنڈی کے مفتی صاحب کے ایک فتویٰ سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ مناسب اشعار سے دلچسپی پیدا کی گئی ہے۔ انتساب تحریکِ پاکستان کے عظیم مجاہد اور دنیائے اہلسنت کے آفتاب عالمتاب، قطب الاقطاب پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی کے سجادہ نشین شہنشاہ ولایت حضرت پیر سید علی حسین شاہ نقش لاثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادہ والاشان پیر سید عابد حسین شاہ نقشبندی مجددی مدظلہ العالی زیب سجادہ آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف ضلع نارووال کے اسمائے گرامی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کتاب کی افادیت و اہمیت میں ادیب شہیر، شاعر بے نظیر جناب حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی کے مقدمہ اور منظوم تقریظ نے مزید اضافہ کر دیا ہے۔ حضرت موصوف کا مقدمہ اپنی جگہ ایک الگ تحقیقی مقالہ کا

درجہ رکھتا ہے۔ شیخ الحدیث علامہ محمد صدیق اور سلطان المناظرین علامہ ابو الشفقات حافظ محمد سعید نقشبندی کی تقریظات نے کتاب پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ "دو ورقہ کتابت، طباعت کا معیار بہتر اور کاغذ اچھا استعمال کیا گیا ہے۔ دو رنگوں میں خوبصورت، جاذب نظر اور دیدہ زیب سرورق آنکھوں کو منور اور خیرہ کرتا ہے اور کتاب پڑھنے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

المختصر اس کتاب کا ہر مذہبی و روحانی گھرانے اور لائبریری میں ہونا ضروری ہے کیونکہ کتاب مذکورہ بجا طور پر علمائے کرام کے لیے نادر تحفہ اور عوام و طلبہ کیلئے خضر راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

"ماہ طیبہ" سیالکوٹ

مناظر اسلام، محقق علام، حضرت مولانا ابو الحامد محمد ضیاء اللہ قادری
مدیر اعلیٰ "ماہ طیبہ" سیالکوٹ، نے اکتوبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں حسب ذیل تبصرہ فرمایا

"بدعت کی حقیقت" مولانا ابو الاعجاز محمد صدیق ضیاء کی تالیف ہے اس کتاب میں اکابر مفسرین، محدثین اور اسلاف کی کتابوں، دیوبندی اور غیر مقلدین وہابیوں کی کتابوں سے بدعت کی تعریف اور اس کی حقیقت نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کی ہے اور واضح کیا ہے کہ مخالفین جو بدعت کی تعریف کرتے ہیں اس سے وہ خود بھی محفوظ نہیں رہتے۔ محافل میلاد، جلوس عید میلاد النبی، مسئلہ ایصال ثواب، عرس منعقد کرنا اور اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام وغیرہم مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ مخالفین کے اعتراضات کے جواب بھی درج کیے ہیں۔ الحاصل علماء اور عوام کے لیے نہایت لاجواب تصنیف ہے۔

"ضیائے حرم" لاہور

ماہنامہ "ضیائے حرم"، دسمبر ۱۹۹۰ء میں درج ذیل تبصرہ شائع ہوا

طعن و تشنیع اور دلآزار لہجے سے پاک، یہ شائستہ تحریر کتاب و سنت، ارشادات سلف صالحین اور مختلف مکاتب فکر کے جید علماء کے اقوال سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ ساٹھ سے زائد معتبر اور مستند کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ محفل میلاد، جلوس مبارک، عرس پاک، ایصال ثواب اور صلوٰۃ و سلام قبل اذان ایسے معروف معمولات اہلسنت پر مدلل و پُر مغز بحث کی گئی ہے اور دور حاضر میں بدعت کے نام سے پیش کیے جانے والے تقریباً تمام اعتراضات کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

"رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ

موقر ماہنامہ "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ، نے جمادی الاولیٰ اور رجب المرجب ۱۴۱۰ھ کی اشاعتوں میں یہ تبصرہ فرمایا

یہ خوب صورت کتاب علامہ محمد صدیق ضیاء نقشبندی کی تالیف ہے جس میں بدعت کی حقیقت پر بڑی مدلل و جامع بحث کی گئی ہے۔ معمولات اہل سنت کو بدعت کہنے والوں کو مسکت جواب دیا گیا ہے۔ بڑی معلومات افزا، جامع کتاب ہے۔ اس میں نہایت اُدیبانہ طریق پر بدعت کی اقسام اور اس کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ کتاب کی افادیت و اہمیت میں حضرت مولانا پروفیسر محمد حسین آسی کے مقدمہ اور منظوم تقریظ نے مزید اضافہ کر دیا ہے۔ حضرت موصوف کا مقدمہ اپنی جگہ ایک الگ تحقیقی مقالہ کا درجہ رکھتا ہے، جو اہل علم و انصاف کے لیے اہم علمی و تحقیقی تحفہ ہے۔

"ندائے اہلِ سنّت" لاہور

موقر پندرہ روزہ "ندائے اہل سنت" لاہور۔ نے اپنی ۱۶ تا ۳۰ نومبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں یوں تبصرہ فرمایا

ہر اچھے کام کو بدعت کہہ کر مسلمانوں کو اس سے روکنا ایک فیشن بن گیا ہے۔
کچھ مکاتب فکر ایسے ہیں جن کی تقریروں، تحریروں کے موضوعات آجا کے یہی ہوتے ہیں کہ محفل میلاد بدعت ہے، جلوس عید میلاد بدعت ہے، کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا بدعت ہے، ایصالِ ثواب، مزارات پر حاضری، قل، دسواں، چہلم، اذان سے پہلے اور بعد صلوٰۃ و سلام، نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر، مصافحہ بدعت ہے۔
سیدھے سادے مسلمان یہ تقریریں سن کر پریشان ہوتے ہیں اور علماء اہل سنت سے اسی کے بارے میں سوال و جواب کرتے رہتے ہیں۔ ابوالاعجاز محمد صدیق ضیا صاحب نے اس کتاب میں بڑی تفصیل سے کتاب و سنت سے بدعت کی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ بدعت کیا ہے اور دلائلِ قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت کے فتوے لگانے والے بدعت کی تعریف سے بھی ناآشنا ہیں۔ اور یہ تمام امور جنہیں وہ بدعت کہتے ہیں مستحب اور باعثِ ثواب ہیں۔
یہ کتاب سنی مسلمانوں کے لیے بہترین سرمایہ اور مخالفین اہلسنت کے شرک و بدعت کے فتووں کی یلغار کو روکنے کے لیے مضبوط ہتھیار ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ آمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم۔

نظرِ اوّلین

اگر کسے نہ کرے سُن تو لے مِری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

اس پُرفتن دور میں اسلامی اقدار سے ناواقفیت، دین سے بیزاری، اور فرائض وواجبات سے غفلت عام ہوگئی ہے۔ ضرورت ہے کہ عوام الناس کو دین سے قریب تر لایا جائے۔ انہیں اعمالِ صالحہ کا شوق دلایا جائے[1]۔ اور ان کے لیے شغف فی الدین کے اسباب ومحرکات مہیا کیے جائیں۔ آج کل دینی جلسوں سے یہی مقصود ہے (اگرچہ ان کی یہ ہیئت کذائیہ قرونِ اولیٰ میں نہ تھی)۔

لیکن حیرت ہے کہ بعض لوگوں نے مصلحینِ اُمت کے دلفریب لبادہ میں ایسے اسباب ومحرکات ہی کو بدعت (سیئہ) سے موسوم کرنا شروع کر رکھا ہے جو دین میں باعثِ شغف ودلچسپی ثابت ہو رہے ہیں۔ یہی لوگ بعض امور اپنے لیے حلال ومباح اور اہلِ سنت وجماعت کے لیے حرام وگناہ بتاتے ہیں۔

مثلاً برسی جائز اور عرس ناجائز، مبالغہ آمیز مرثیہ گنگوہی جائز اور نعتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا ناجائز، وغیرہ وغیرہ۔

لطیفہ مفتی جنگ جمعہ میگزین راولپنڈی ۲۹ اپریل ۱۹۸۳ء میں تقرر سوئم کو حرام وگناہ قرار دیتے ہیں اور خود اسی ہفتہ وار (مقررہ دن میں، مقررہ وقت

---

[1] حدیث پاک میں ہے اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ بھلے کام بتانے والا (اجر میں) اس کے کرنے والے کے برابر ہے (مسند امام اعظم ص ۳۵۳۔ ترجمہ دوست محمد شاکر ترمذی ابواب العلم)

پر، مقررہ قیمت سے جاری ہونے والے امیگزین میں دینی مسائل کے عنوان سے کالم بھی تالیف فرمادیتے ہیں ۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

بعض ایسے ہی نام نہاد مصلحینِ اُمت معمولاتِ اہلِ سنت وجماعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دین جب مکمل ہے تو یہ پیوند کاری کیوں؟ حالانکہ نہ تو ہم اِن امور کو پیوند کاری جانیں اور نہ ہی ہمارا یہ مقصود۔ دیکھیے دین تو اسی وقت مکمل ہوگیا جب الیوم اکملت لکم دینکم کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا۔ پھر جمع قرآن بھی ہوا اور باجماعت نمازِ تراویح بھی۔ مذاہبِ اربعہ بھی وجود میں آئے اور تقلیدِ شخصی بھی۔ اعراب قرآن اور بلحاظِ پارہ ورکوع تقسیمِ قرآن بھی۔ دینی مدرسے اور ان میں تعلیم وتعلم کے مختلف طریقے بھی۔ مخصوص اوقاتِ کار اور نصابِ مروجہ بھی۔ تنخواہ دار اساتذہ کا تقرر اور طریقِ امتحانات بھی۔ پھر جو اِن ساری بدعات (حسنہ) پر عمل کرے وہی دین کا عالم بھی۔ تو کیا یہ ساری پیوند کاری ہو گئی؟

نہیں نہیں یہ ایسے اسباب وعلل ہیں جو شغف فی الدین کا ذریعہ ووسیلہ ہیں اِن نئی چیزوں سے بے نیازی دین سے دوری کا باعث ہو جائے گی۔ اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْكَرِ میں اچھے کاموں کی ترغیب اور برے کاموں کی ممانعت کا ذکر ہے۔ برے کاموں سے منع کرنا تو اچھائی ہے مگر اچھے کاموں سے منع کرنا برائی ہے، اچھائی ہرگز نہیں۔ جو شخص اچھائی برائی میں اِمتیاز نہ کرے اور سبھی سے منع کرتا پھرے اس کی روش کی اِصلاح بھی ضروری ہے ورنہ گمراہی پھیل سکتی ہے۔

اِسی ضرورت کے پیشِ نظر میرے اُستاذِ گرامی محقق نامی مصنف الوار الثانی' پیکرِ علم وعرفان جناب پروفیسر محمد حسین صاحب آسی خلیفہ مجاز حضور قبلۂ عالم، منبعِ

احسان وحلم زبدۃ العارفین قدوۃ الکاملین عظیم البرکت اعلیٰ حضرت سیدی و مرشدی پیر سید علی حسین نقش لاثانی قدس سرہ العزیز آفتاب درگاہ عالیہ لاثانیہ علی پور سیداں شریف نے کسی موقع پر کمال اعتماد سے بندہ کو حکم فرمایا بلکہ موضوع بھی عطا فرمایا۔ گراں قدر ہدایات سے نوازا اور زیرِ نظر کتاب کی ضروری تصحیح بھی فرمائی۔ اگر اسے انہی کا فیضان کہہ دوں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اسے مقبولیتِ عام سے نوازے۔ اگر ایک بھی راہِ راست پر آگیا یا ایک بھی بھٹکنے سے بچ گیا تو سمجھیں گے کہ محنت ٹھکانے لگی [1] بہرحال اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے۔ اسی پر بھروسہ ہے وہی مقلب القلوب ہے جسے چاہے ہدایت عطا کر دے اور جب وہ ہدایت دینا چاہے [2] تو ہدایت ضرور نصیب ہوتی ہے۔ ع۔

عجب نہیں ہے کہ ہوں مرے ہم خیال پیدا

ضیاءؔ

---

[1] جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری تعلیم سے اگر اللہ ایک شخص کی ہدایت فرما دے تو تمہارے لیے اس چیز سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع کرے۔
(فتوح الغیب عربی اردو ص۲۲ نوری بکڈپو۔ لاہور)

[2] وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۔ پ۷ ۔ الانعام ۳۹
اور جسے چاہے سیدھے راستے پر ڈال دے (کنز الایمان)

اِشارات

مجھے رازِ دو عالم دِل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

اربابِ علم و دانش جانتے ہیں کہ تصنیف و تالیف کا میدان اِستدلال کا میدان ہے۔ بڑے بڑے مشاق اور آزمودہ کار ادیب و اہلِ قلم اِس میں قدم رکھتے ہوئے جھجکتے ہیں کیونکہ اس میدان کی مشکلات سے نپٹنے کے لیے اس کے تمام تر نشیب و فراز سے آگاہی ضروری ہے.......... پھولوں کے شوق میں گلشن میں جانے والے کا دامن کانٹوں کی نذر بھی ہو جایا کرتا ہے تو مجھ جیسا تو وارد مُبتدی اور ناتجربہ کار جو ادیب اور اہلِ قلم بھی نہیں، حقِ تصنیف و تالیف سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکے۔ مراکزِ علم و فن سے دُور اس عاجز کو اپنی بے بضاعتی اور علمی بے مائیگی کا کھلے دِل سے اعتراف ہے پھر اسلوبِ تحریر سے شناسائی بھی نہیں جبکہ مصنّف و مؤلف کے لیے عصری تقاضوں کے تحت قارئین کا مزاج شناس ہونا بہت ضروری ہے۔ آخر سوال پیدا ہو گا کہ کمزوریوں کا علم اور دشواریوں کا اِحساس ہونے کے باوجود اِس اقدام کی صورت کیونکر پیش آئی تو حقیقتِ حال عرض کرنی پڑے گی کہ ؏

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں، اٹھائے جاتے ہیں

شفیق اُستاذِ گرامی کا ارشاد ہوا، اگرچہ اس موضوع کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ علمائے حق متوجہ ہوں پھر بھی حکم عدولی نہ کر سکا اور ناچار تالیف شروع کر دی جو محض فضلِ ربی سے مکمل ہو گئی۔ الحمدللہ !

یہ عاجز اعتراف کرتا ہے کہ مبحث کو کما حقہٗ نباہا نہیں جا سکا۔ پھر بھی بساط بھر مُستند دلائل و براہین سے نفسِ مضمون کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ گندم نما جو فروشوں اور رہبری کے بھیس میں رہزنوں (ہیرڈیوں) کی شناخت بتائی گئی ہے۔

اب تعصب سے بالاتر اذہان کے لیے حق و باطل میں امتیاز مشکل نہیں رہا کیونکہ اس میں فکر آزاد کے زاویے درست کرنے کے لیے مفید مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ ملت اسلامیہ آج تاریخ کے نازک موڑ سے گزر رہی ہے اور مکار دشمن (ابلیس) اسے بہکانے کے لیے قدم قدم پر گھات میں بیٹھا ہے، وہ تو بہر صورت اپنے مشن کو نہیں چھوڑے گا۔ ہاں! رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام امت کی حفاظت کیلیے درست راہ کی نشاندہی بھی کرتے رہیں گے اور اس مکار و غوی ازلی دشمن کی ناک[1] بھی رگڑتے رہیں گے یعنی جس بھیس میں بھی آئے گا نقصان ہی اٹھائے گا۔ ان شاء اللہ

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (النساء)

بہر حال آج ملت اسلامیہ پر بدعت کے فتووں کی یلغار ہے۔ محفل میلاد ہو یا عرس پاک، ایصال ثواب کا پروگرام ہو یا قبل اذان صلوٰۃ و سلام، غرض عظمت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء اور شان ولایت سے متعلقہ امور ہمہ وقت فتاوٰی بدعت کی زد میں ہیں۔ ہم نے انہی کے سدباب کے لیے حقیقت بدعت پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے جہاں اپنوں سے استدلال کیا وہاں مانعین کے پیشواؤں سے بھی تائید حاصل کی۔ کتاب و سنت اور اجماع امت سے واضح کیا کہ بدعت کیا ہے اور یہ کیونکر دین میں داخل ہو گئی۔ اس کے حسن و قبح کا مدار کیا ہے۔ شریعت مطہرہ نے اس کی کس صورت کو قبول اور کس صورت کو رد کیا ہے۔ پھر مشاہیر امت ایسے روشن میناروں اور ان کے عمل سے اکتساب فیض کیونکر ہو سکتا ہے۔

مانعین بدعت حسنہ سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات کو اپنا بہت بڑا سہارا سمجھتے تھے؛ ہم نے ان کے استدلال کو غلط ثابت کرتے ہوئے جہاں مسلک حضرت امام ربانی قدس سرہ النورانی کو نکھار کر پیش کیا ہے وہاں دیگر علماء

---

[1] ابن جوزی کہتے ہیں کہ ابوسعید مظفر کا اس طرح محفل میلاد سجانا شیطان کی ناک خاک آلود کرنے کا اور اہل اسلام کے ایمان مضبوط کرنے کا ذریعہ تھا (سبل الھدیٰ والرشاد، بحوالہ منہاج القرآن ستمبر ۹۱ء صفحہ ۳)

اور حضرت مجدد علیہم الرحمۃ کی مجوزہ اصطلاحات میں تطبیق بھی ثابت کی ہے۔

بہر کیف موضوع کتاب بدعت حسنہ کا جواز ہے اس پر بیشتر اشکالات کا حل اور ممکنہ شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ ہاں یہ امر ضرور پیش نظر رہے کہ بدعت حسنہ کے اثبات سے مراد بدعت میں حسن ثابت کرنا نہیں بلکہ حسنہ کہنے کی وجہ وہ سنت ہے جو اس میں اصلاً موجود ہے اگرچہ اشارتاً ہی ہے۔ بدعت کے اطلاق کا باعث تبدیلیٔ ہیئت ہے اور امر خیر کے جواز و استحسان میں تبدیلی ہیئت قابل اعتبار نہیں۔ جب اصل[1] سنت ہے تو امر خاص نیک اور جائز ہے

حق پسندوں سے التماس ہے کہ نام نہاد مصلحین امت کے مکر و فریب سے بچیں اور خوب ذوق و شوق اور خشوع و خضوع سے دینی کام سرانجام دیں۔ استدعا ہے جو صاحب اس کتاب سے استفادہ کریں، دعا کر دیں، اللہ رب العزت اسے قبولیت سے نوازے اور میرے لیے کفارۂ سیئات بنائے۔ آمین۔ بجاہ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

؎ اللہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
فریاد ہے نفس کی بدی سے

(ضیاء)

---

[1] "اگر ان اصول (کتاب و سنت، علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد) کے موافق ہیں تو مقبول ہیں" مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۱۷ " از مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ"

مولانا رشید احمد گنگوہی رقمطراز ہیں: "قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی، مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کا اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں، فقط"۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۷

شرک اور بدعت

(ایک مقالہ، جو زیرِ نظر کتاب کا مقدمہ بھی ہے)

رشحاتِ قلم: راس المفکرین سراج المتکلمین عارفِ حقانی مصنف انوارِ لاثانی، مخزنِ علم و حکمت جناب حضرت علامہ مولانا الحاج پروفیسر محمد حسین صاحب آسی —
ایم۔اے (علوم اسلامیہ و اردو) ناظم اعلیٰ بزم لاثانی پاکستان و خلیفہ مجاز
قطب الاقطاب غوث الاغیاث، اعلیٰحضرت عظیم البرکت، جناب پیر سید
علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی قدس سرہم النورانی علی پوری۔

اسلام کا پہلا بنیادی عقیدہ توحید ہے (اور دوسرا رسالت)۔ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام نے سب سے زیادہ زور جس عقیدے پر دیا وہ خدا کے واحد و لاشریک ہونے کا عقیدہ ہے۔ انہیں اپنے نبیوں کے بے داغ کردار، بے مثل اخلاق، بہترین تعلیم اور لاجواب اندازِ تعلیم کے باوجود عموماً راہ پر نہ آئیں۔ محبوبانِ خدا نے عند الطلب معجزات بھی دکھائے مگر ان کا بھی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ اکثر اپنے انکار پر ڈٹے رہے اور بعض ایمان لائے۔ مگر جلد ہی ان ایمان والوں نے معجزات کا اصل مقصد فراموش کر دیا اور انبیائے کرام علیہم السلام کی ہدایت کے برعکس انہیں اللہ کا بیٹا یا خود خدا ہی ٹھہرا لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردوں کو زندہ کر کے اپنی رسالت کا ثبوت دیا تھا مگر ماننے والوں نے اسے ان کے خدا ہونے کی دلیل بنا لیا۔ یونہی یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں کیا تھا۔

خاتم الانبیاء علیہم السلام کا فیضِ ابدی

آخر میں نبی الانبیاء رسولِ دوسرا حضور احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ختمِ نبوت کا تاج پہن کر ظہور فرمایا اور توحیدِ خداوندی کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔ آپ کی چند سالہ مساعی نے دنیا میں بہترین انقلاب رونما فرما دیا اور شرک و کفر کی ظلمتوں کو چھانٹ کر ساری دنیا کو توحید

کے انوار سے روشن کر دیا۔

برزخِ کبریٰ کے نقشِ پا کی شوخی دیکھنا
عالمِ ہستی کے خارستاں بہارستاں ہوئے

حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بت پرستوں کی ذلیل پیشانی کو خدائے برحق کے حضور جھکا کر ایسا احسانِ عظیم فرمایا جس کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رُوح کو بالیدگی بخشی، قلب و ضمیر کو منوّر فرمایا اور اوہام کی زنجیریں کاٹ کر رکھ دیں۔ فرانسیسی محقق (Lamartine) کہتا ہے:

He moved the altars, the gods, the religions, the ideas, the beliefs and the souls.

ترجمہ: اس (عظیم شخصیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (پرانی) قربان گاہیں، دیوتا، مذاہب، خیالات، اعتقادات اور رُوحیں ہلا کر رکھ دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزے دیکھ کر ان کی امت نے انہیں قیامِ ارضی کے دوران یا کچھ عرصہ بعد خدا ٹھہرا لیا، مگر یہاں چودہ صدیاں گزر گئیں، ابھی تک ملتِ اسلامیہ اپنے آقا بانیِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبدہٗ و رسولہٗ کے القاب سے یاد کرتی ہے اور آپ کے جملہ کمالات و معجزات کو عبدیت و رسالت کے ساتھ وابستہ سمجھتی ہے۔ یہاں مُردوں کو زندہ ہی نہیں کیا گیا بلکہ چاند کو شق کیا گیا، سورج لوٹایا گیا، پتھر بلائے گئے، درخت چلائے گئے، مگر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الوہیت کی نہیں بلکہ عبدیت کی علامت سمجھا گیا۔ توحید میں یہ پختگی کسی سائنس یا فلسفے کا فیض نہیں، یہ کسی علم و عمل کی برکت نہیں، یہ کسی عقل و حکمت کا کرشمہ نہیں بلکہ محض اور محض حضور سید الانبیاء علیہم التحیۃ والثناء کا تصرف اور نگاہِ کرم کا اثر ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے محافظ ہیں اور کسی صورت بھی اُسے شرک آلود دیکھنا گوارا نہیں فرماتے۔

توحید اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو توحید کی دولت لازوال سے مالا مال کیا۔ انسانیت اور احسان شناسی

کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تن من وار دیں اور ہر گھڑی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود و سلام کا ہدیہ پیش کرتے رہیں۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ توحید ہمیں دیارِ رسالت اعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مِلی ہے لو ملتی ہے۔ جوں جوں ہمیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و قرب ہو گا، یہ توحید مضبوط تر اور محفوظ تر ہوتی جائے گی۔ یونہی اس کے برعکس جوں جوں کوئی اِس عشق سے دُور ہوتا جائے گا، توحید سے بھی محروم ہوتا جائے گا۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور انہیں کسی صورت ایک دُوسرے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔

اِسلام اور ملّتِ اِسلامیہ کا سب سے بڑا سرمایہ یہی دو قوتیں ہیں۔ جذبۂ جہاد و قربانی، جس پر ہماری آزادی، ترقی اور فلاح و نجات کا دار و مدار ہے، اِنہی کی کوکھ سے پیدا ہوتا ہے۔ دَورِ اوّل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمام مجاہدانہ کارروائیاں اِنہی دو قوتوں کے گرد گھومتی رہیں۔ موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، غزنوی و غوری کے کردار میں یہی قوتیں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔ حضور غوثِ اعظم، سیدنا مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اِمام احمد رضا خاں بریلوی، حضور شاہِ لاثانی و حضور نقشِ لاثانی، علیہم الرحمۃ نے اِنہی قوتوں کی آبیاری کی۔ علامہ محمد اقبال، قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہما الرحمۃ نے اِنہیں کی روشنی میں ملّت کو بیدار کیا۔ پاکستان کی تشکیل بھی انہیں کے سہارے ہوئی اور اس کا اِستحکام بھی انہیں پر مبنی ہے۔ اِقبال نے جو فرمایا تھا:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

مذہب کی رُوحِ رواں بھی یہی دو قوتیں ہیں۔

دشمنوں کی سازِش

اِسلام کے دشمن ہمیشہ اِنہیں دو قوتوں سے خائف رہے ہیں۔ انھیں معلوم تھا کہ توحید کا عقیدہ عشقِ رسول کے بغیر کوئی ولولہ پیدا نہیں کر سکتا، بلکہ خود بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے انہوں نے ساری توجہ اسی

جذبے کو ختم کرنے پر صَرف کر دی شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کو پُر زور انداز میں سمجھایا:

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بدن سے نکال دو

اگر مسلمان کا سینہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خالی ہو گیا تو کہاں کی توحید اور کہاں کا جہاد!

دشمن نے اپنے مذموم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو طریق کار اختیار کیا، از حد مکارانہ تھا۔ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو توحید اور عشقِ رسول جان سے زیادہ عزیز تھے (اور ہیں)۔ توحید اگر شرک سے بیزاری کا دوسرا نام ہے تو عشقِ رسول کا اولین تقاضا ادب و اطاعتِ رسول ہے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔ لہٰذا مسلمان نہ شرک کو برداشت کر سکتا ہے اور نہ کسی ایسے کام کو جو مخالفِ سنت (بدعت) ہو۔ دشمن کی مکاری یہ تھی کہ اس نے اپنے زر خرید ملاؤں کے ذریعے ملت کو عشقِ رسول سے محروم کرنے کیلئے ایسی ہر سوچ کو شرک قرار دلایا، جس کا عنوان تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھا، اور ایسے ہر کام کو بدعت کہنا شروع کرا دیا جس کا مقصود ادبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھا۔ فرزندانِ توحید کی شرک سے بیزاری کا اس نے یہ فائدہ اٹھایا کہ 'شرک شرک' کہہ کر کمالاتِ نبوت کے انکار کی راہ ہموار کرنی چاہی اور 'بدعت بدعت' کی رٹ لگا کر ایسی ہر صورتِ حال کو روکنا چاہا جس میں اسے رہ و رسمِ عشق کی کوئی جھلک دکھائی دی۔

شرک کی حقیقت

چونکہ اسلام دشمنوں کا آلۂ کار بننے والوں کو توحید کی حفاظت و اشاعت سے کوئی خلوص نہ تھا، اس لئے انہوں نے مشرک و بدعتی تو امت کو تھوک کے حساب سے کہا، مگر کہیں بھی شرک کی تعریف و وضاحت نہیں کی۔ 'تقویۃ الایمان'، جو اس سلسلے کی اردو میں اولین تصنیف ہے 'شرکیات' کی لمبی لمبی فہرستوں پر مشتمل ہے، مگر شرک کی تعریف سے سراسر خالی ہے۔ شاید کہیں تعریف کر دیتے تو اپنے نعروں کی ساری قلعی کھل جاتی۔ دیکھیے، ان کے ہاں یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث کہنا تو شرک ہے مگر یا زید، یا عمرو، یا بکر، یا استاذی اور یا ولدی وغیرہ پکارنا شرک نہیں۔ محبوبانِ خدا سے امداد طلب کرنا تو شرک ہے مگر پولیس، حاکم، ڈاکٹر وغیرہ سے مدد مانگنا شرک نہیں گیا۔ ہیں

کھانا تو شرک مانیں مگر ہندؤں کی دیوالی سے جو کچھ ملے ہڑپ کر جائیں۔ اولیاء اللہ کی قبروں پر جانا تو توحید کے منافی سمجھیں مگر بت پرستوں کے بتوں کی صدارت میں تقریریں بھی فرمائیں (یعنی قبروں سے بیر اور بتوں سے دو پیار) سچ فرمایا تھا کائنات کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو

يَقْتُلُونَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَيَدْعُونَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: سو اہل اسلام کو قتل کریں گے، اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

اب آیئے شرک کی حقیقت سمجھیں۔ یہ لفظ توحید کی ضد ہے ایک جملے میں توحید وہی ہے جو کلمہ طیبہ میں آگئی ہے یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اللہ کے سوا کسی کو الٰہ نہ ماننا توحید ہے اور اللہ کے سوا کسی کو الٰہ ماننا شرک ہے۔ اللہ کے لئے دو خصوصیات ضروری ہیں: ۱۔ واجب الوجود ہونا، اور ۲۔ عبادت کے لائق ہونا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی واجب الوجود یا عبادت کے قابل مانے، مشرک ہوگا اور جو اللہ ہی کو واجب الوجود یا عبادت کے قابل سمجھے موحّد ہے۔ واجب الوجود اپنی ذات و صفات میں کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا، بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔ اسی کو سب کا خالق ہونا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ توحید ہے اللہ ہی کو واجب الوجود، خالق اور معبود ماننا۔ اس کے برعکس شرک ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں،

"شرک سہ قسم است، در وجود و در خالقیت و در عبادت"

ترجمہ: شرک کی تین قسمیں ہیں: واجب الوجود ہونے میں، خالق ہونے میں، اور لائق عبادت ہونے میں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱)

اس وضاحت کے بعد فرمائیے حضور سرورِ کون و مکاں کی امت میں کون مشرک ہے۔ کیا کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے سوا کسی کو خالق، واجب الوجود، یا معبود مانتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ کو روئے زمین پر کوئی ایسا بدبخت نہیں ملے گا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا امتی بھی بنتا ہو اور پھر اللہ کے علاوہ کسی اور کو الٰہ بھی مانتا ہو۔ ہر مسلمان توحید کا یہی اقرار روزانہ کئی بار اذان، اقامت، کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت کہہ کر یا سن کر تا رہتا ہی رہتا ہے

وَّ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ حیرت ہے کہ جب ایک کافر و مشرک ایک بار کلمۂ طیبہ یا کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے، تو وہ کلمہ گو جس کے دل میں یہ کلمہ رچا بسا ہے اور بارہا اپنی زبان سے اس کی تکرار کر چکا ہے، آخر اسے مسلمان کیوں نہ مانا جائے؛ اور کس بنا پر اسے شرک میں گرفتار سمجھا جائے۔

یاد رکھیں اور خوب ذہن نشین فرمالیں کہ بحمدہ تعالیٰ اور بکرمہ المصطفٰے (علیہ التحیۃ والثناء) اس امت سے شرک ہمیشہ کے لیے جا چکا، یقین نہ آئے تو سب سے بڑے صادق مصدوق اور مصدق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: بے شک اللہ کی قسم! مجھے اپنے بعد تمہارے مشرک ہونے کا کوئی خوف نہیں؛ اور لیکن مجھے تمہارے دُنیا میں پھنسنے کا ڈر ہے۔

بدعت کیا ہے؟

یہی حال بدعت کی رَٹ کا ہے۔ عام مسلمانوں کو بدعتی سمجھنے والے خود اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں، یا شاید آگاہ ہونا نہیں چاہتے۔ بدعت لغوی اعتبار سے ایسا نیا کام ہے جس کی نظیر پہلے نہ ہو۔ اصطلاحِ شرع میں وہ نیا کام جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیاتِ پاک کے بعد رُونما ہوا۔ پھر اس کی بڑی بڑی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ نیا کام شریعت کے مزاج اور سنت کی رُوح کے مطابق ہو تو اسے اچھی بدعت (بدعتِ محمودہ یا حسنہ) کہا جاتا ہے؛ ورنہ (اگر ناموافق ہو تو) بُری بدعت (بدعت مذمومہ یا سیئہ)

یہ بات از حد خلافِ عقل ہے کہ حضور سرورِ انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کے وصال کے ساتھ فیضِ نبوت رُک گیا ہو اور نیک کاموں کا آغاز مسدود ہو چکا ہو۔ (نیکی اور نیکی کی ابتدا فیضِ رسالت کے بغیر ناممکن ہے)۔ خوب یاد رہے کہ سیدِ کائنات بلکہ جانِ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کا دورِ حیاتِ ظاہری اگرچہ تریسٹھ برس کی عمر شریف (۱۱ھ) میں مکمل ہو گیا۔ مگر دورِ فیضانِ رسالت شامِ ابد تک ہے۔ اس لئے آپ حیاتِ حقیقی کے ساتھ ہمیشہ زندہ، ہادی، مُزکّی

معلّم (کتاب و حکمت) اور مفیض ہیں۔ قرآنِ حکیم میں یہ صراحت موجود ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ

(ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

اور ان میں اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے)۔

ہم حرص و ہوا کے پتلے، مکر و ریا کے پیکر اور شرِ نفس کے مجسمے حضورِ شہنشاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے محروم رہیں تو الگ بات ہے ورنہ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جنہیں سرکارِ ابد قرار و دولتمدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر خواب میں اپنی زیارت اور مختلف قسم کی ہدایت سے نوازتے رہتے ہیں۔ بلکہ ایسے 'دیدہ ور' بھی موجود ہیں جو ظاہری جسمانی آنکھ سے اس جانِ نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں اور بالمشافہ فیض حاصل کرتے ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

"میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں، جس طرح صحابہ کرامؓ ہوا کرتے تھے۔"[1]

(مثلاً ماضی میں حضور سیدنا غوثِ اعظم، حضرت ابوالحسن خرقانی اور امام سیوطی علیہم الرحمۃ) ایسے عظیم المرتبت حضرات جو اس 'منبعِ حسن'، 'یا حسنِ کل' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ براہِ راست رابطہ رکھتے ہیں: کیا دنیا کا کوئی حسن، عمل میں ہو یا نیت میں، ان سے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

ے
اور کوئی حسن کیا، ان سے نہاں ہو بھلا
جب نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی چھپا، ان کی نظر پہ سلام

ہم عقل کے اندھے کسی بات کے بارے میں کیا فیصلہ دے سکتے ہیں؟ اور ہمارے فیصلے کا وزن ہی کیا ہے۔ معیار تو اہلِ نظر کا دیکھنا ہے۔ بقولِ اقبال:

---

[1] فیضانِ اقبال، شورش۔ مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خان، ص ۵۹-۶۰ اقبال اکادمی لاہور)

سہ
بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دُنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

یہ مومنینِ کاملین جو اللہ کے نور سے دیکھنے والے ہیں[سلہ] یقیناً کتاب و سنت کے بعد باقی امت کے لیے "اچھائی" اور "برائی" کا خود بہت بڑا معیار ہیں۔ جس کام کو یہ اچھا کہیں یقیناً اچھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ ۔

ترجمہ۔ جس کام کو مومن اچھا جانیں، سو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ (مرقات شریف)

اور جو کام یہ کریں، بلاشبہ حجت ہے۔ یہ شریعت کے مزاج شناس اور سنت کے محرمِ اسرار ہیں۔ یہ مقامِ عشق پر فائز ہیں، جہاں جلوۂ محبوب بے حجاب دیکھتے ہیں۔ ان کا کوئی قدم رضائے جاناں کے خلاف اٹھ نہیں سکتا۔ ان کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، رُکنا، سونا، جاگنا سب کچھ رضائے یار کی خاطر ہوتا ہے۔ کیا یہ لوگ بھی کوئی نیا کام کریں تو اسے بُرا کہا جا سکتا ہے؟ وہ دیکھنے میں تو گویا بدعت ہی ہو گا مگر اصل میں ایسی بدعت جو سنت کے مخالف (مذمومہ یا سیئہ) نہیں بلکہ اس کی تشریح کرنے والی ہے (یعنی بدعتِ محمودہ یا حسنہ)۔ یہ نکتہ اگر ذہن نشین کر لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جس کام کو کسی صحابی، تابعی، مجتہد، عارف باللہ، عاشقِ رسول، مجدد، مجاہد نے شروع کیا، وہ بدعتِ حسنہ ہی کہلائے گا۔ بدعتِ مذمومہ وہ ہے جس کی ابتدا و اشاعت کسی گمراہ کے ہاتھوں ہوئی۔ بدعتِ حسنہ کو اگر حسن و خیر کی وجہ سے سنت یا سنتِ حسنہ کہا جائے تو بھی جائز ہے۔ حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ بھی ایسی "بدعت" کو جو شرع و سنت کے تقاضوں کے ماتحت ہو، سنت کہنا ہی پسند فرماتے ہیں۔ خود حدیثِ پاک میں بھی اسے سنتِ حسنہ (نیا اچھا طریقہ) ہی فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے:

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ
مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْءٌ [سلہ]

سلہ [illegible] ایمان والے [illegible] (یا یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ جدھر عام مومن جائیں، وہی راستہ درست ہے)۔ سلہ اگلے صفحہ پر

ترجمہ: جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے، اس کو اپنے عمل کا ثواب بھی ملے گا، اور ان کے عمل کا بھی جو اس پر بعد میں کاربند ہوں گے۔ بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ (مسلم شریف)

اس سنتِ حسنہ (یا بدعتِ حسنہ) نے تاریخِ اسلام میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے اور امتِ مسلمہ کو کس قدر مستفید کیا، اسی سلسلے میں صرف چند نکات پر غور فرمائیں:

قرآنِ حکیم کی تدوین اور بدعات

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن جس زمانے میں نازل ہو رہا تھا، کاغذ از حد قلیل اور مہنگا تھا بعض صحابہؓ نے اگرچہ اس پر بھی قرآنِ حکیم لکھا مگر عموماً کھجور کی چھال، پتھر کی لوحوں، اونٹ کے شانہ کی چوڑی ہڈیوں اور چمڑے کے ٹکڑوں وغیرہ کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس دورِ مبارک میں اسے یکجا نہ کیا گیا، اور نہ اس کی ضرورت ہی محسوس کی گئی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں قرآن مجید پوری طرح محفوظ تھا اور وہ اس بارے میں بڑے محتاط تھے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ خونریز جنگ ہوئی، تو ستر حفاظِ قرآن بھی شہید ہو گئے۔ ان حفاظ کے پاس قرآنی اجزا بھی لکھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نازک صورتِ حال کے پیشِ نظر قرآنِ حکیم کو جمع کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

كَيْفَ نَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ: تم وہ کام کیونکر کرتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا،

هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ (ترجمہ) اللہ کی قسم یہ اچھا کام ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر بار بار مجھے یہی کہتے رہے حتیٰ شرح اللہ صدری لذالك (یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا) اور میری رائے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ، حدیث پاک یہیں ختم نہیں ہو جاتی، اس کے اگلے حصے کا ترجمہ یوں ہے: "اور جو اسلام میں برا طریقہ ایجاد کرے اس پر اپنی بدعملی کا گناہ بھی ہے اور ان کی بدعملیوں کا گناہ بھی جو اس (ایجاد کرنے والے) کے بعد اس پر کاربند ہوں بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی ہو۔"

بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے مل گئی۔ پھر یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی وہی سوال کیا (کَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا جواب اب حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے وہی دیا یعنی ھٰذَا وَاللّٰہِ خَیْرٌ۔ حضرت زیدؓ اسی کیفیت سے گزر کر فرماتے ہیں کہ آخر کار اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میں ان دونوں سے متفق ہو گیا (بخاری شریف)

سیدنا حضرت زید رضی اللہ عنہ کی کاوش سے اب قرآنِ پاک ایک جگہ نقل کیا گیا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اسی نسخے کی نقل سے کئی نسخے تیار کرائے اور مختلف صوبوں میں بھیج دیئے۔ اس طرح جو اختلافِ قرأت کی بنا پر فتنہ اٹھنے کا خطرہ تھا، ٹل گیا۔

اس زمانے کے رسم الخط کے مطابق قرآنِ حکیم میں نہ نقطے تھے، نہ اعراب۔ یہ سعادت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے شاگرد حضرت اَبُوالْاَسْوَد دُئلی اور ان کے شاگرد حضرت یحییٰ ابن یعمر کے حصّے میں آئی۔ (یہ کام ۵۰ھ کے بعد ہوا)۔ اعراب کی موجودہ شکل عباسی عہد کے ایک مسلم خلیل بن احمد علیہ الرحمۃ نے دی۔

تدوین کی اس مختصر کہانی کو سُن کر فرمائیے کہ کیا حضرت سیدنا صدیقِ اکبر، حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے جو کچھ کیا، خدا تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے خلاف تھا؟ اس بات کا سب کو اقرار ہے کہ یہ کام حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات نے اپنے ظاہری دورِ حیات میں سرانجام نہ فرمایا۔ اس کے باوجود اللہ کی قسم کھا کر اسے خیر فرما رہے ہیں اور اس کو خیر سمجھنے کی وجہ یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اس کیلئے سینہ کھول دیا ہے۔ (اللہ شرحِ صدر نہ فرمائے تو بدعتِ حسنہ کی حقیقت کا علم نہیں ہو سکتا)۔

پھر اس قرآن پر نقطوں اور اعراب (زیر، زبر، پیش) کا لگنا، پھر تیس پاروں میں تقسیم اور ہر پارے کے پھر چار حصّے، اس قسم کی بدعتیں جو مدتوں تک ہو ہو کر قرآن مجید کو ہمارے سامنے موجود صورت میں لائیں، کیا غیر ضروری تھیں۔ فرض کیجئے یہ سب کچھ نہ ہوتا، اور آج بھی قرآن پاک اُسی طرح کھجور کی چھالوں، پتھروں اور ہڈیوں پر لکھا ہوتا تو کتنے لوگ کتنا استفادہ کر سکتے۔ وہ لوگ جنہوں نے یہ سب کچھ کیا، انہیں محسن سمجھا جانا چاہیئے یا "بدعتی"۔ اگر وہ بالیقین محسن ہیں اور انہیں

قرآنی خدمات سرانجام دیتے وقت ربِ کریم اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تائید و رحمت میسر تھی تو ماننا چاہیئے بعض بدعات اچھی بھی ہوتی ہیں اور از حد ضروری بھی۔ جو بدعتِ حسنہ جتنی ضروری اور مفید ہو گی اسی کے مطابق اسے واجبہ یا مندوبہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یونہی اس کے برعکس جو بدعت جتنی بُری ہو گی اور نقصان دِہ، اُس کے درجے کے مطابق اسے محرمہ، مکروہہ وغیرہ بھی کہنا درست ہو گا۔ اسی طرح بعض بدعتیں محض جائز ہوں گی (یعنی اُن پر ثواب ہو گا نہ گناہ) مباحہ کہلائیں گی۔

اَحادیث کی تدوین اور بدعات

مختلف وجوہات کی بنا پر جب جعلی حدیثیں گھڑنے کا فتنہ کھڑا ہوا تو حضور سیدِ عالم نبیِ خاتم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سچے غلام جو بجا طور پر دینِ حق کے پاسبان تھے، تڑپ اٹھے۔ انہوں نے ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا اور فتنہ مذکور کے خلاف بند باندھنے کے لئے راویوں اور مرویات کی جانچ پڑتال شروع کر دی اور اس سلسلے میں کئی علوم، اصطلاحات اور قواعد و ضوابط ایجاد کئے (جن سے علمِ حدیث کا کوئی طالب علم بھی بے خبر نہیں)۔ اِن اچھی بدعات کا فائدہ یہ ہوا کہ سنتیں محفوظ ہو گئیں اور امت ایک شدید طوفان سے بچ گئی۔ فرمایئے! یہ لوگ ہمارے محسن ہیں یا بدعتی؟

فقہ اور اُصولِ فقہ

یونہی علمِ فقہ کو بہترین انداز میں مرتب کیا گیا۔ اصولِ فقہ باقاعدہ فن کی حیثیت سے ایجاد ہوا۔ اِستحسان اور اِستصلاح جیسی اصطلاحات معرضِ وجود میں آئیں۔ تصور فرمایئے، اگر فقہ کی وُہ خدمات جو ان فقہاء نے سرانجام دیں، نہ ہوتیں تو آج کتاب و سنت کو سمجھنا کتنا دشوار ہوتا۔

علم کلام

یونہی فلسفۂ یونان کا سیلاب آیا اور معتزلہ نے بھی عقل پسندی کا نعرہ لگایا تو اِسلام کی حفاظت کے لئے "علمِ کلام" ایجاد کیا گیا۔ اِس "بدعت" نے الحاد، تشکیک، اور "عقلیت" کا راستہ روک دیا۔ حضرت علامہ غزالی اور امام فخرالدین رازی علیہما الرحمۃ جیسے بزرگوں نے جن پر اسلام کو ناز ہے اِس سے خوب کام لیا!

بدعتی کون؟

اِن گزارشات سے یہ حقیقت کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضور خواجۂ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حضور ہی کے ارشادات کی تعمیل[1] میں کئی نئے اچھے کام جاری ہوئے۔ اِن کے جاری کرنے والے خلفائے راشدین، اہلِ بیت اطہار، صحابہ کرام، تابعین، آئمہ مجتہدین، فقہاء، محدثین، جلیل القدر اولیاء و اصفیاء اور اسلام کے مایۂ ناز سلاطین و مجاہدین تھے۔ کون ایسا سر پھرا ہوگا جو ان بزرگوں پر بھی مُبتَدِع[2] یعنی بدعتی ہونے کا فتویٰ لگائے۔ یہ وہ خدا رسیدہ حضرات تھے جن کی زندگی کی ہر ساعت خدا اور رسول (جَلّ وعَلا و صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی رضا کے لئے وقف تھی۔ انہوں نے جو کچھ کیا، اسلام کی سربلندی اور ملت کی خیر خواہی کے لئے کیا۔ وہ قدسی صفات بزرگ جن کی راتیں سجود و قیام میں گزریں اور دن تبلیغِ اسلام میں، خود ہمارے لئے دلیلِ راہ ہیں، چہ جائیکہ انہیں پر بدعت اور خلافِ سنت ہونے کا الزام لگایا جائے، نہیں، یہ ہرگز بدعتی نہیں۔ اصل میں بدعتی وہ ہیں جو ان پر اعتماد نہ کر کے خود ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا رہے ہیں۔ یہ تمام بزرگ تو اہلِ سنت ہیں۔ البتہ ان کے منکرین ضرور اہلِ بدعت ہیں۔ چنانچہ جبریہ (انسان کے مجبورِ محض ہونے کا عقیدہ رکھنے والے)، قدریہ (انسان کو پوری طرح مختار کہنے والے)، معتزلہ (عقل پرست)، نیچری اور نجدی وغیرہم یقیناً سنت سے دور اور بدعت میں اسیر ہیں۔

اُوپر یہ بات بھی تفصیل سے آگئی ہے، بلکہ قرآنِ پاک کے حوالے سے بیان ہوئی ہے کہ حضور سیدِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت تک اپنی امت کے ہادی و مربی ہیں۔ جو لوگ اِس ہدایت اور تربیت سے فیض یاب ہو سکتے ہیں ان کی رائے کو غلط، خلافِ سنت اور بدعت

---

[1] جب حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود نئے اچھے کام جاری کرنے کا ثواب بیان فرما رہے ہیں (جیسا کہ حدیثِ مسلم سے جو اسی مضمون میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، ظاہر ہے) تو جو بھی نیا اچھا کام جاری کرے گا، اس ارشادِ عالی کی تعمیل کرے گا۔ بدعتی تو وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے خلاف کرے۔

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ میں ہے:۔ وَمُبْتَدِعٍ اَیْ صَاحِبِ بِدْعَۃٍ وَھِیَ اِعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوْفِ عَنِ الرَّسُوْلِ (بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد کا نام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معروف ہے)

کیونکر کہا جا سکتا ہے یہ مومنین کاملین ہیں۔ ان کی اتباع کا حکم خود قرآن پاک نے دیا۔ فرمایا:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ (سورۂ لقمٰن)

ترجمہ: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

یہ پاک لوگ، یہ مومنین کاملین صراطِ مستقیم کی پہچان ہیں۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ)۔ (راستہ ان کا جن پر (اے اللہ) تو نے انعام کیا)

ان کے راستے پر نہ چلنا دوزخ میں جانا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء)

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔ اور وہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی (کنزالایمان)

دیکھئے! اگر حضور ہادیٔ کائنات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کی مخالفت جرم ہے تو ایمانِ کامل والے حضرات (اولیائے کرام) کے راستے سے پھرنا بھی خطرناک ہے۔ ان دونوں کی سزا رحمتِ خداوندی سے محروم ہونا اور سیدھے جہنم میں جانا ہے۔

فیصلہ کرنے کا طریقہ

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ ان پاکانِ امت، جن کی حیثیت مسلّم ہے، کا کام بدعت وگمراہی نہیں ہو سکتا۔ ان پر اعتراض تو کجا، ان کی پیروی ضروری ہے۔ کسی کام کے جائز ونا جائز ہونے کے لئے کتاب وسنت کے بعد یہ بھی معیار ہیں، بلکہ کتاب وسنت کی اصل مراد سمجھنے کیلئے ہم ان کے محتاج ہیں۔ جو کام انہوں نے کیا، یا پسند کیا، وہ کتاب وسنت کی روح کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ کسی تقریب، رسم یا عمل کے بارے میں تحقیق کرنا چاہیں تو دیکھیں اسے کس نے ایجاد کیا، یا کس نے اس پر عمل کیا۔ اگر ایجاد یا عمل کرنے والے پاکانِ امت ہوں تو جھٹ سمجھ لیجئے، یہ شرعاً جائز اور پسندیدہ عمل ہے، ورنہ ناجائز ومکروہ (بالخصوص جب یہ گمراہ لوگوں کی ایجاد یا عمل ہو)

مثلاً محفلِ میلاد شریف کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس کی تحقیق مطلوب ہو تو دیکھیں اُسے کس فرقے نے شروع کیا۔ اگر اس کا موجد بہتّر گمراہ فرقوں میں سے کوئی نہیں بلکہ محدثینِ کرام اور صوفیائے عظام ہیں تو یہی اس کے جائز و مستحب ہونے کی دلیل ہے۔ دَورِ حاضر کی فتنہ پرور فضا سے پہلے کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو بڑے بڑے صوفی، محدّث، مفسّر اور فقیہ میلاد شریف کی برکات بیان کرتے نظر آئیں گے، جن میں خصوصاً امام سیوطی، امام سخاوی، امام قسطلانی، علامہ ابنِ حجر، صاحبِ رُوح البیان، ملّا علی قاری، محدّث ابنِ جوزی، حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہم الرحمۃ بہت نمایاں ہیں۔ کیا یہ اہلِ حق اور اہلِ علم کتاب و سنّت کے خلاف فیصلہ دے سکتے ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، تو ماننا ہوگا، محفلِ میلاد شریف میں تو کوئی قباحت نہیں، قباحت ہے تو ان کے دلوں میں جو اسے روکتے ہیں۔ پھر یہ سوچیں اگر میلاد شریف کے حامی یہ بزرگ اہلِ سنّت میں تو منکرین یقیناً اہلِ سنّت سے خارج ہیں اور جو اہلِ سنّت سے خارج ہوں، اہلِ بدعت ہوتے ہیں۔

پھر اگر یہ سوال ذہن میں پیدا ہو کہ آخر ان بزرگوں نے محفلِ میلاد کا جواز کہاں سے نکالا تو سینکڑوں آیات و روایات مِل جائیں گی اور یہ حقیقت کھُل کے سامنے آجائے گی کہ ہمارے بزرگ جو کچھ بھی کرتے تھے، کتاب و سنّت کی بنیاد پر کرتے تھے۔ پھر اگر یہ خلش محسوس ہو، کہ ذکرِ میلاد کو کتاب و سنّت میں موجود ہے مگر محفلِ میلاد کی موجودہ شکل و صورت اسلام کے ابتدائی دَور میں نہیں ملتی، تو سمجھ لیجئے کہ یہ ایک نیا اچھا کام ہے۔ اور نیا اچھا کام کرنے کا ثواب حدیث سے ثابت ہے۔ بلکہ اس حدیث پاک سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک جہاں جہاں بھی محفلِ میلاد شریف منعقد ہوگی، اس کا ثواب منعقد کرنے والوں کو ہی نہیں اس کے ایجاد کرنے والوں کو بھی ملے گا۔

خدانخواستہ کوئی کج فہم محفلِ میلاد شریف کو بدعت (یعنی بُری بدعت) کہنے پر ہی تلا ہوا ہو تو وہ اسی کو بدعت نہیں کہہ رہا بلکہ اُن سب صوفیائے کرام، محدثینِ عظام اور مفسرینِ فخام کو بدعتی کہہ رہا ہے، جو اپنے اپنے دَور میں میلاد شریف کرتے رہے، جن کی تصانیف آج

بھی روشنی کا مینار ہیں، جن کی تحقیقات کو ابد تک ملت کا عظیم ورثہ سمجھا جائے گا۔ یہ شخص ان بزرگوں کو معاذ اللہ یوں بدعتی و گمراہ ٹھہرا کر اپنے بدعتی و گمراہ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے اور قرآن کے فتویٰ (فَسَلِمْ جَهَنَّمَ) کی زد میں آکر اپنے دین و دنیا تباہ کر رہا ہے۔

؎ حُبِّ درویشاں کلیدِ جنت است دشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

اسی طرح ایصالِ ثواب (تیجا، دسواں وغیرہ) کے بارے میں تحقیق کریں۔ ایصالِ ثواب یعنی ثواب پہنچانے کی اصل تو کثیر التعداد آیات و روایات سے ثابت ہے، البتہ اس کی مختلف مروجہ شکلیں تحقیق طلب ہوں تو دیکھئے بزرگانِ دین کی کیا روش رہی ہے۔ اگر سلف صالحین ان کے خلاف تھے تو آپ بھی خلاف ہو جائیے اور اگر وہ قائل تھے تو آپ بھی مان جائیے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ملفوظات سے ثابت ہے کہ ان کے والدِ ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہما کا تیجا بھی ہوا۔ (اور اس میں ۸۱ ختمِ قرآن اور بے شمار کلمہ طیبہ کا ثواب بخشا گیا)۔ یونہی ساتویں، دسویں، چالیسویں، فاتحہ جمعرات اور سالانہ عرس کے بارے میں تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بزرگانِ دین کا مدتوں سے ان پر عمل رہا ہے۔

آج کل اذان سے پہلے اور بعد میں بلند آواز میں درود و سلام پڑھنے پر بھی اختلاف ہو رہا ہے، حالانکہ آج سے دو چار سو سال پہلے اس پر سب کا اتفاق و اجماع تھا۔ تحقیق کے مطابق اس کا باقاعدہ آغاز مجاہدِ اسلام حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ (متوفی ۵۸۹ھ) نے کیا تھا۔ ایسا شخص جس نے صلیبی جنگوں میں اسلام کے بدترین دشمنوں کو شکست فاش دے کر دینِ حق کی حفاظت فرمائی اور جو سیرت و کردار کے اعتبار سے تعلیماتِ قرآنی کی منہ بولتی تصویر تھا، 'بدعتی' ہے یا ہمارا عظیم محسن۔ نیز حضرت ایوبی کی اس کارروائی کو سب علماء و صوفیاء کی متفقہ تائید حاصل رہی اور صدیوں اس 'بدعتِ حسنہ' پر اجماع رہا حتیٰ کہ محمد بن عبدالوہاب نے اس کی مخالفت کی اور مسجدِ بیت الحرام کے مؤذن کو درود و سلام پڑھنے پر شہید کر دیا۔

انصاف کی بات

اس تفصیلی گفتگو کے بعد بھی اگر کوئی صاحب مطمئن نہ ہوں اور مسلمانوں کو بدعتی کہنے سے باز نہ آئیں تو پھر اپنے طرزِ عمل

کو بھی اپنے معیار پر پرکھیں۔ کیا وہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کی زندگی بالکل حضور سیدِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری دورِ حیات کے مطابق ہے۔ اور انہوں نے ہر ایسی چیز سے پرہیز کیا ہے جو اس مبارک زمانے میں نہیں تھی۔ اگر واقعی یہی دعویٰ ہے تو موجودہ شکل میں قرآنِ پاک ہرگز نہ پڑھیں (کہ یہ شکل بعد کی بدعات سے بنی ہے جیسا کہ مفصل بیان گزرا)۔ یونہی ایسی مسجد میں نماز نہ پڑھیں جو بعد کے تکلفات سے پُر ہے (پہلے دَور سے اب تک شکل وصورت میں جو تبدیلیاں بھی آئی ہیں، انہیں بدعات کہہ کر حقیقی مسجد تلاش کریں)۔ ایسے کسی مدرسے میں ہرگز تعلیم حاصل نہ کریں، جو اصحابِ صفہ کے مدرسے کی ہیئت سے محروم ہو۔ کسی ایسی سواری پر سفر نہ کریں، جو بعد کی ایجاد ہو، بلکہ ایسے گھر میں بھی نہ رہیں، جس میں موجودہ دَور کی سہولتیں ہوں۔ اگر تیجے، ساتویں، دسویں وغیرہ بدعت ہیں تو ہفت روزہ رسائل اور ماہنامے کیوں جائز ہوئے۔ اور دیوبند کا صد سالہ جشن کس کھاتے میں رکھیں گے؛ اَور سالانہ اہلِ حدیث کانفرنس کا کیا بنے گا۔ اور اگر دَورِ اوّل میں کسی نے اہلحدیث یا دیوبندی جیسا نام نہیں اپنایا تو اَب یہ بدعت کیوں نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ "ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرے میں کہا تھا کہ آپ حضرات اِن چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں (جس پر کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ جامع ومانع ہو تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں۔ بدعت، شرک، دین، عبادت۔ اَور اب بھی اپنے رب کے بھروسے پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی، کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا اِن چار چیزوں کی ایسی تعریف نہیں کر سکتا جس سے اس کا اپنا مذہب بچ جائے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلانِ عام ہے کہ ان کی ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفلِ میلاد (معاذ اللہ) حرام اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہلِ حدیث حلال، اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین توحید اور کہے دیتے ہیں کہ ان شاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں، نہ ہو سکیں گی۔"

یہاں سیالکوٹ میں ایک صاحب بڑے جوش سے محفلِ میلاد پر برس رہے تھے اور اسے

بدعت کہہ رہے تھے، ایک بچے نے چٹ بھیجی کہ سالانہ اہلحدیث کانفرنس کیوں بدعت نہیں وہیں جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ یونہی ایک دفعہ ایک پروفیسر صاحب کو وقت مقرر کرنے کے سلسلے میں ہمنے بھی جواب کہلا بھیجا تھا کہ 'بدعت' کا اگر یہی تصور ہے تو فرمائیے کالج میں مقررہ وقت (پیریڈ) میں مقررہ نصاب، مقررہ تنخواہ (بشمول مقررہ ترقی) پر پڑھانا کیوں بدعت نہیں تو جواب نہ بن سکا۔

فیصلہ کرنے کا دوسرا طریقہ

ایمان کا دار و مدار محبت پر ہے، یعنی خدائے کریم جل مجدہٗ اور حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت پر۔ کثیر آیات و احادیث کے علاوہ علم انسانی عقل کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ ذرا خود سوچیں، جو جسے اپنا خدا مان رہا ہے، گویا اسے سب سے بڑا مان رہا ہے' اور جسے اس کا نمائندہ سمجھتا ہے، اسے اپنے خدا کے بعد سب سے بڑا مانتا ہے، چنانچہ کسی کو خدا یا خدا کا نمائندہ ماننے والا اس کی محبت سے خالی نہیں ہو سکتا؛ اور پھر محبت چونکہ عظمت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کی تعظیم کا منکر بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی کسی کو خدا یا خدا کا نمائندہ مان کر اس کی محبت و تعظیم سے بے بہرہ ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ماننے (یعنی ایمان) کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

جب خدائی اور نبوت کے جھوٹے مدعی کا ماننے والا بھی ان کی محبت و تعظیم سے معمور ہوتا ہے تو سچے خدا کو اور سچے خدا کے سچے رسول کو ماننے والا اپنے خدا و رسول کی محبت و تعظیم کے کس درجے پر ہونا چاہیئے۔ اور اگر بالفرض کوئی شخص ایمان (یعنی ماننے) کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر خدا و رسول کی محبت و تعظیم کا منکر یا اس سے محروم ہے تو یقیناً یقیناً اپنے دعویٰ ایمان میں جھوٹا ہے۔

اب آپ یہ جاننا چاہیں کہ کون محب و معظِّم (محبت و تعظیم کرنے والا) ہے، تو یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر ایک شخص آپ کے باپ کے بارے میں کوئی رائے دے رہا ہو تو آپ اُس کے طرزِ کلام اور الفاظ و بیان سے جھٹ پہچان جائیں گے کہ وہ آپ کے باپ کا مخالف ہے یا دوست۔ یونہی جو شخص حضور سیدِ عالم، نورِ مجسم، حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بارے میں گفتگو کر رہا ہے، آپ اُس کے طرزِ کلام اور الفاظ و بیان سے بھی فوراً اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ چاہنے والا ہے یا چاہت سے خالی ہے۔ جب آپ اس کے بارے میں یہ جان چکے کہ یہ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ

والشّار کی محبت والا ہے تو فیصلہ کرلیں کہ یہ مومن ہے اگرچہ اُسے قرآنِ پاک بھی پڑھنا نہ آتا ہو۔
اور اگر آپ نے اندازہ کرلیا کہ چاہت اور محبت سے محروم ہے تو یقین کرلیں وہ کافر ہے
یا منافق، اگرچہ قرآنِ پاک کی آیات فرفر سُنا رہا ہو۔ یقین کیجئے قرآنِ پاک اپنے محبوب
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ کی تصدیق کیلئے آیا ہے، توہین کے لئے نہیں ——
قرآنِ پاک کی ہر آیت معجزہ ہے (قرآن پاک میں معجزے کو آیت ہی کہا گیا ہے) معجزہ صاحبِ
معجزہ کی تصدیق نہ کرے تو معجزہ نہیں رہتا۔ جب قرآنِ پاک کی ۶۶۶۶ آیات معجزات ہیں
تو معلوم ہوا ہر آیت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت ہی کا بیان ہے۔ اگر کوئی شخص
اِن آیات کو پڑھ کر بھی نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کمالات کا انکار کرتا ہے تو سمجھ
لیجئے، نہ یہ قرآن کو سمجھا ہے اور نہ مومن ہی ہے۔ یہ خدا کا دوست نہیں دشمن ہے، اسلام کا
مبلغ نہیں، باغی ہے، امن کا حامل نہیں، تخریب کار ہے بلکہ کہئے سب سے بڑا تخریب کار ہے کیونکہ
قرآن پر بھی ظلم کر رہا ہے۔

غور کیجئے اگر کوئی منافق مسلمانوں کو سخت ترین دھوکا دینا چاہے، تو کونسا طریقہ اختیار کرے
گا وہ قرآنِ پاک پڑھ کر ہی دوسروں کو مرعوب کرے گا، یا حدیث کی روایات سُنا کر اپنے علم کا سکہ
بٹھائے گا۔ اور اگر ایسا شخص کتاب و سنّت ہی کو اپنا سہارا ظاہر نہ کرے تو دھوکا دینے میں کامیاب
کیونکر ہو سکتا ہے۔ واضح ہوا کہ منافق کو نہ قرآن سے تعلّق ہے نہ حدیث سے، وہ صرف دھوکا دینے
کیلئے ان کا حوالہ دیتا ہے۔ جو عقیدہ اس کے اپنے خلاف ہے، اسے اپنے بجائے کتاب و سنت کے
خلاف کہہ رہا ہے۔ اپنے خلاف کہتا تو داؤ نہ چلتا، کتاب و سنّت کے خلاف ظاہر کرکے اپنی
منافقت پر پردہ ڈال رہا ہے، اور اپنی کجروی کی صفائی پیش کر رہا ہے۔ افسوس ہے کہ اس
کی سکیم اس کے خیال میں بڑی کامیاب رہی۔ آج ملتِ اسلامیہ کا سارا انتشار اسی سکیم کا نتیجہ
ہے۔ لوگ اپنے باپ کے مخالف کو ایک آدھ لفظ سے ہی پہچان لیتے ہیں لیکن کتاب و سنت
کی غلط ترجمانی کرنے والوں کے ارادوں کو نہیں پہچانتے۔ جبّہ و دستار، ماتھے کی محراب، اُونچے
پائجامے اور نمائشی اخلاق نے سادہ دل لوگوں کو حقیقت سے دُور کر دیا۔ آہ، صد افسوس!

سے

تسبیح تو نے ڈال کے گردن میں اے صنم
کھینچا ہما کو مرغِ مصلّٰی کے جال میں

اگر یہ قرآنی تنبیہ ذہن نشین رہتی کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام سی گستاخی تمام عمر کی نیکیاں تباہ کرنے کے لیے کافی ہے (الحجرات)، تو اس وبا کا شکار نہ ہوتے۔

یہ توحید اور یہ سنت (جیسا کہ اوپر بھی تفصیل سے گزرا) محض پھانسنے کے لیے بطور نعرہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور یہ شرک اور یہ بدعت کے ڈراوے محض گستاخِ رسول بنانے کے ہتھکنڈے ہیں۔ یہ کتنا دردناک لطیفہ ہے کہ خارجیوں نے اس ذاتِ پاک پر، جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہرِ علم کا دروازہ قرار دیا تھا (یعنی سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ) معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، شرک کا ناپاک الزام لگایا۔ اور بدبختوں نے اپنے زعمِ باطل میں اپنے اس فتوی کو قرآنی حکم قرار دیا۔ یونہی حضرت سیدنا عثمان بن عفان کو جو جامع آیاتِ قرآن، اور تیسرے خلیفۂ راشد ہیں، بلوائیوں کی طرف سے معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ بدعتی کہا گیا۔ یہ بلوائی جنہوں نے آخر میں سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، اسلام میں سب سے پہلے فتنہ کے بانی ہوئے اور خارجی جنہوں نے بالآخر سیدنا علی المرتضٰی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، تاریخِ اسلام کی رُو سے تخریب کاروں کا دوسرا ٹولا تھا۔ دیکھئے جنہوں نے قرآن خود صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھ کر اس کی بہترین خدمات انجام دیں اور جنہیں خدا و رسول نے یہ عظمت بخشی کہ ان کا اپنا طریقہ بھی امت کے لیے واجب الاتباع ہے[1] انہیں کو مشرک اور بدعتی کہا جا رہا ہے (العیاذ باللہ)۔ معلوم یہ ہوا کہ مفسدین ابتدا ہی سے اس قسم کے نعرے لگاتے آئے ہیں، صرف انہیں پہچاننا ضروری ہے اور جو انہیں پہچانتا نہیں ان کے دھوکے میں آجاتا ہے اور جو دھوکے میں آجاتا ہے پھر انہی کی طرح دوسروں کو دھوکا دینا شروع کر دیتا ہے یعنی پہلے ضال (گمراہ) ہوتا ہے اور پھر مضل (گمراہ کرنے والا) بن جاتا ہے۔ ملت کو پارہ پارہ کرنے والے ناصحین اور مصلحین کا لبادہ اوڑھ کر اور خطرناک ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک فرماتا ہے:

---

[1] حدیث پاک میں ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت پر [illegible] یعنی مضبوطی سے پکڑو۔

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ قَالُوْا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○

ترجمہ: اور جو اُن سے کہا جائے زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں (البقرہ)

مختصر یہ کہ شرک و بدعت کی رٹ لگانے والے کے اندازِ بیان اور مقصودِ کلام کا جائزہ لیجئے اگر وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فضائل و کمالات کا انکار کر رہا ہے تو یقین جانئے، اسے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی محبت ہی نہیں اور محبت نہیں تو ایمان نہیں (اَلَا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا مَحَبَّۃَ لَہٗ یعنی جس میں محبت نہیں، اس میں ایمان نہیں — حدیث شریف، مقدمہ دلائل الخیرات شریف) جب ایمان ہی نہیں تو کہاں کی توحید اور کہاں کی سنت۔ دوسروں کو شرک و بدعت سے ڈرا رہا ہے تو یہ وہی بلوائیوں اور خارجیوں کی سُنت ہے۔ (اور انہیں جس سُنت سے محبت ہے، وہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں، بلکہ دشمنانِ رسول کی سُنت ہے، جو خود بدعتی ہے، وہ کسی طریقے کو بدعت کہتا پھرے، کیا ہوتا ہے، یہ تو اس کا بہانہ ہے۔ مَیں نے عرض کیا ہے

نام توحید کا لیتا ہے کبھی سنت کا
کرتا ہے منکرِ تعظیم بہانے کیا کیا

چند سال پہلے کی بات ہے کہ ایک نوجوان جو غیر مقلد خاندان کا چشم و چراغ تھا میرے پاس آیا۔ اس نے کہا، میں نے بغور مطالعہ کیا ہے اور تحقیق کے نتیجے میں اہل سنت کا مسلک ہی درست نظر آتا ہے۔ ہاں ایک مسئلہ ضرور کھٹکتا ہے، اور وہ ہے اذان سے قبل یا بعد درود شریف پڑھنے کا۔ میں نے اسے بڑی تفصیل سے جواب دیا جس سے وہ مطمئن بھی ہو گیا (مثلاً یہ کہ درود شریف کا حکم کسی وقت سے مقید نہیں بلکہ مطلق ہے اور مطلق کو مقید کرنا خود بدعتِ مذمومہ ہے)۔ آخر میں مَیں نے عرض کیا کہ اس پر غور کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔ اس نے پوچھا، کونسا؟ عرض کیا: آپ منکرینِ درود کے باقی عقائد پر بھی غور کریں، جنہیں وہ عموماً عوام سے چھپاتے ہیں، مگر اُن کی کتابوں میں موجود ہیں، مثلاً خداوندِ سبوح و قدوس کی صداقت کو واجب نہ سمجھنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے شرعی و معروف مفہوم کا انکار، ہر مسلمان کو معاذ اللہ رحمۃ للعلمین قرار دینا وغیرہ وغیرہ۔ جن کے ایسے واہی عقائد ہیں، جو انہیں ایمان ہی سے دور کر رہے ہیں،

کیا ممکن ہے کہ اتنی عظیم بنیادوں کو ڈھا کر نظریۂ تخصیص ورد میں سچے ہوں۔ اسی طرح جس مذہب کے سب عقائد آپ خود درست مان رہے ہیں، کیا یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک عقیدے میں غلط ہو۔

تصریحات دیوبند

بدعت کا مفہوم اچھی طرح واضح کرنے کیلئے اب قاری محمد طیب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کی کتاب "کلمۂ طیبہ" مطبوعہ ادارۂ اسلامیات لاہور سے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ علم و تحقیق میں شاید دیوبند کا کوئی فاضل بھی قاری صاحب کا ہمسر نہیں۔ (یہ عبارات کتاب کی پہلی عکسی طباعت ۱۹۸۱ء سے لی گئی ہیں):

۱۔ دین کے سلسلہ میں کسی مطلق کو مقید بنانے یا مقید کو مطلق کرنے، کسی عام کی تخصیص کر دینے یا خاص کو عام بنا دینے کا حق اللہ و رسول کے سوا کس کو حاصل ہے کہ اس جرأت کی گنجائش ہو؟ پھر بھی اگر کوئی غیر خدا اور رسول ایسا کرے تو حقیقتاً یہ در پردہ شارع ہونے کا دعویٰ ہے، جو بدترین بدعۃ بلکہ شرک فی الرسالۃ ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ (صفحہ ۲)۔

۲۔ کوئی ایک ضعیف روایت بھی ساقط الاعتبار[1] نہیں مانی گئی ہے، ورنہ ضعیف اور موضوع[2] و منکر وغیرہ میں فرق باقی نہیں رہ سکتا۔ (صفحہ ۴۲)

۳۔ ضعیف روایت منافیٔ احتجاج نہیں، اس لئے ضعیف کہنے والے محدثین حدیث کو ضعیف بھی کہتے جاتے ہیں اور حجت بھی پکڑتے جاتے ہیں۔ صفحہ ۴۳

۴۔ ظاہر ہے کہ جب ضعاف کا مجموعہ حسن لغیرہ[3] بن کر احکام تک میں حجت ہے۔ صفحہ ۴۹

۵۔ فضائل میں خالص ضعیف حدیث بھی معتبر ہے۔ صفحہ ۵۰

۶۔ ظاہر ہے کہ عدم ذکر عدم شیٔ کو مستلزم نہیں ہوتا۔[4] صفحہ ۵۷

۷۔ اس سے واضح ہے کہ امت کے کسی معمول پر امت اور آئمہ کی طرف سے انکار وارد نہ ہونا اس کے اجماعی ہونے کی دلیل ہوتا ہے .... اور

---

[1] یعنی غیر معتبر۔ [2] یعنی من گھڑت حدیث۔ [3] جس کو دلیل و حجت بنایا جا سکے۔ پورے فقرے کا مطلب یہ ہے کہ ضعیف احادیث کو بھی دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ [4] ضعیف کی جو وجہ ہو وہ ختم ہو کر حدیث حسن ہو جائے یعنی ضعیف بیان قوت ہوگئی ہے۔ [5] یعنی ہو سکتا ہے (اگلے صفحہ پر)

مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا — جس کو ایمان والے اچھا سمجھیں
فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ — وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی چیز ہے۔

کے اصول پر خواص مومنین ہوں یا عوام مومنین، ہر دور اور ہر طبقہ میں آپ سے بلا نکیر اور بلا شبہ جائز بلکہ قربت و طاعت مانتے چلے آتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے مجمع علیہ کلمہ نہ کہا جائے۔ نیز سب جانتے ہیں کہ اسلامی عقائد کے ثبوت کا دارومدار تواتر پر ہے: لیکن اس ثبوت میں روایت کا تواتر ضروری نہیں ہے، تعامل کا تواتر بھی کافی ہے جبکہ اس کی بنیاد کتاب و سنت میں موجود ہو۔ (صفحہ)

۸۔ اگر کسی مسئلہ پر دورِ صحابہ کے بعد بھی کسی دور میں اجماع منعقد ہو جائے، تب بھی وہ مسئلہ اجماع ہی سے ثابت شدہ مانا جائے گا: کیونکہ اصولِ اجماع کی شرعی حجتیں اس بارہ میں مطلق وارد ہوئی ہیں، جن میں کسی عصر اور قرن کی قید مروی نہیں۔ (صفحہ [illegible])

۹۔ بلکہ اب میں اور ترقی کر کے یہ عرض کروں گا کہ اگر کسی مسئلہ شرعی میں سلف میں سے کسی کا قول خلاف میں بھی ثابت ہو اور اس کے باوجود کسی عصر میں اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو جائے اور امت کے خواص و عوام مل کر سب اس پر مجتمع ہو جاویں، تب بھی وہ اجماع معتبر ہو گا۔ (صفحہ [illegible])

۱۰۔ آخرین کا اجماع اولین کے اجماع کی خود ہی دلیل ہے۔ (صفحہ [illegible])

۱۱۔ عدمِ ذکر کے معنی دنیا میں کہیں بھی نفی و ممانعت کے نہیں ہوتے۔ (صفحہ [illegible])

۱۲۔ اگر یہ عدمِ ذکر آپ کے زعم میں عدمِ جواز کا مقتضی ہے تو عدمِ ذکرِ ممانعت اسی اصول پر اس کے جواز کا مقتضی ہونا چاہیئے۔ (صفحہ [illegible])

۱۳۔ کسی مذکور شے سے غیر مذکور شے کی نفی اور عدمِ جواز پر استدلال کیا جانا دلیل ہی نہیں کہ اس پر تنقید ضروری ہو۔ (صفحہ [illegible])

۱۴۔ ظاہر ہے کہ عدمِ ذکر یا ہماری لاعلمی اس کے عدمِ ثبوت کی دلیل نہیں ہو سکتی بالخصوص ہماری لاعلمی نہ کوئی شرعی حجت ہے نہ عقلی۔ (صفحہ ۱۰۹)

۱۵۔ مطالبہ دلیل کے سلسلہ میں دلیلِ خاص کا مطالبہ ہی اصولاً ناجائز ہے کہ فلاں چیز کی دلیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ کوئی چیز دورِ اول میں موجود ہو مگر کتابوں میں مذکور نہ ہو۔ ۱؎ حاشیہ صفحہ ہٰذا لہ یعنی بالاتفاق

مثلاً قرآن ہی سے پیش کی جائے یا حدیث ہی سے لائی جائے یا تعامل صحابہ ہو۔ (صفحہ۱)

۱۶۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امت محمدیہ کا مشرق سے لے کر مغرب تک یہ عام تعامل تو ان صحابہ ہی کے تعامل کی دلیل ہے، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے، نیز جبکہ صحابہ کرام سے نفی ثابت نہیں بلکہ مسئلہ سکوت عنہ کے درجہ میں رہے تو امت محمدیہ کے اجماعی تعامل کو انہی کے تعامل کی دلیل تصور کیا جائے گا، جیسا کہ اس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے، ورنہ بہت سے مباحات اصلیہ جو صحابہ کرام کے زمانے میں زیر عمل نہیں آئے مگر اباحت اصلیہ کے تحت جائز ہیں یا بہت سے اجتہادی مسائل جو زمانہ صحابہ میں زیر عمل تو کیا زیر علم بھی نہیں آئے، مگر بعد میں کسی اصول شرعی سے مستنبط ہوئے تو وہ اس لئے ناجائز نہیں قرار پا سکتے کہ ان کے بارہ میں صحابہ کا عمل منقول نہیں کہ وہاں سرے سے عمل موجود ہی نہیں بلکہ علم بھی سامنے نہیں پس ایسے جائز مسائل پر جب بھی امت عمل پیرا ہو جائے، اسے اس کا حق ہے اور وہ عمل شرعی ہو کر ہی ادا ہو گا۔ (صفحہ۱۱)

۱۷۔ کتاب و سنت کے اندر رہنے کا معیار اتنا تنگ نہیں ہے جتنا ان حضرات نے اسے خیال فرمالیا ہے سنت نبوی کا ذخیرہ صرف بخاری و مسلم یا صحاح ستہ تک محدود نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ (صفحہ۲۳)

۱۸۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کا درجہ و مقام بلند کریں گے تو وہ عرض کرے گا کہ الٰہی یہ رتبہ مجھے کیسے مل گیا۔ فرمائیں گے تیرے بیٹے کی استغفار کی بدولت جو اس نے تیرے لئے کیا یعنی ہم سے تیرے لئے مغفرت مانگی۔ (صفحہ۴۲)

۱۹۔ اس ذکر کا حاصل جس کا نام درود شریف ہے تمام جہانوں کے مربی اعظم اور محسن اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق پہچاننا اور آپ کی ذات اقدس کے ساتھ غلامانہ تعلق کو ترقی دے کر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خصوصی نسبت پیدا کرنا ہے تاکہ اس نسبت کے سبب سے ایک طرف تو حضور کو ہم گنہگار امتیوں کی طرف توجہ خصوصی ہو جائے اور ایک طرف حق تعالیٰ کی عنایت خاص ہم پر منعطف ہو جائے۔ (صفحہ۵۱)

ہماری گذارش

دورِ حاضر کے سب سے بڑے دیوبندی عالم جناب قاری صاحب کے مندرجہ بالا فرمودات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے اور بتائیے کہ کیا یہ وہی

اصول وضوابط نہیں جو علمائے اہلِ سنّت منکرین کے جواب میں پیش کرتے ہیں۔ کسی کام کے جائز ونا جائز یا بدعت وعدم بدعت ہونے کا فیصلہ مقصود ہو تو انہیں ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ مثلاً درود شریف پڑھنے کا حکم مطلق ہے، جو اسے کسی خاص وقت سے مقید کرتے ہیں یا کسی خاص وقت کو اس سے محروم کرنا چاہتے ہیں، وہ قاری صاحب کے نزدیک خود شارع بننے کی گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ وہ ضعیف حدیثوں کا جو مرتبہ بیان کر رہے ہیں، اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے منکرین اسے نہیں مانتے۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ اجماع کسی دور کا بھی ہو، معتبر ہے بلکہ یہ اجماعِ صحابہ کی علامت ہے۔ یہ درست ہے تو محفلِ میلاد کی موجودہ شکل پر ایک زمانے میں اجماعِ امّت رہ چکا ہے۔ اِس اجماع کے قریباً پچاس سال بعد تاج الدین فاکہانی نے سب سے پہلے اِس کا اِنکار کیا (تفصیل کیلئے دیکھیئے انوارِ ساطعہ)۔ اجماعِ امّت کی شرط جب کسی دور کے اجماع سے بھی پوری ہو سکتی ہے تو فرمائیے محفلِ میلاد کا اِنکار کیا اجماعی مسئلے کا اِنکار نہیں ہے؟ غرض ان چند سطور سے تمام اختلافی مسائل حل ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ دل میں کجی نہ ہو۔

مولینا مودودی کا تصورِ بدعت

چند سال قبل جماعتِ اِسلامی کے بانی اور سابق امیر جناب مولینا مودودی نے غلافِ کعبہ کی نمائش کا وسیع پیمانے پر اہتمام کیا تو مخصوص ذہن کے لوگوں نے اپنی فکری روایت کے مطابق اس سب کچھ کو ناجائز و بدعت کہا۔ مولینا نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"کسی فعل کو بدعتِ مذمومہ قرار دینے کے لیے صرف یہی بات کافی نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا تھا۔ لغت کے اعتبار سے تو ضرور ہر نیا کام بدعت ہے، مگر شریعت کی اِصطلاح میں جس بدعت کو ضلالت قرار دیا گیا ہے اس سے مراد وہ نیا کام ہے جس کے لئے شرع میں کوئی دلیل نہ ہو، جو شریعت کے کسی قاعدے یا حکم سے متصادم ہو، جس سے کوئی ایسا فائدہ حاصل کرنا یا کوئی ایسی مضرت رفع کرنا مقصود نہ ہو جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے۔ جس کا نکالنے

والا اسے خود اپنے، اور یا دوسروں پر اس ادعا کے ساتھ لازم کرے کہ اس کا نہ کرنا گناہ اور کرنا فرض ہے۔ یہ صورت اگر نہ ہو تو مجرد اس دلیل کی بنا پر کہ فلاں کام حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں نہیں ہوا، اسے بدعت یعنی ضلالت نہیں کہا جا سکتا۔

بخاری نے کتاب الجمعہ میں چار حدیثیں نقل کی ہیں، جن میں بتایا گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد شیخین میں جمعہ کی صرف ایک اذان ہوتی تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے دور میں ایک اذان کا اور اضافہ کر دیا، لیکن اسے بدعت ضلالت کسی نے بھی قرار نہیں دیا بلکہ تمام امت نے اس نئی بات کو قبول کر لیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر صلوٰۃ ضحیٰ (نماز چاشت) کے لئے خود بدعت اور احداث کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ انھا من احسن ما احدثوا یہ ان بہترین نئے کاموں میں سے ہے جو لوگوں نے نکال لئے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے اور فرماتے ہیں کہ ما احدث الناس شیئاً احب الی منھا لوگوں نے کوئی ایسا نیا کام نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ پسند ہو۔ حضرت عمر نے تراویح کے بارے میں وہ طریقہ جاری کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے عہد میں نہ تھا۔ وہ خود اسے نیا کام کہتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں نعمت البدعۃ ھذہ (کیا ہی اچھا یہ نیا کام ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجرد نیا کام ہونے سے کوئی فعل بدعت مذمومہ نہیں بن جاتا ۔۔۔۔ بلکہ اسے بدعت مذمومہ بنانے کے کچھ شرائط ہیں

امام نووی شرح مسلم کتاب میں کل بدعۃ ضلالۃ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، علماء نے کہا ہے کہ بدعت یعنی باعتبار لغت نئے کام کی پانچ قسمیں ہیں ایک بدعت واجب ہے، دوسری بدعت مندوب ہے (یعنی پسندیدہ)، تیسری بدعت حرام ہے، چوتھی مکروہ اور پانچویں مباح ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جو نیا کام شرعاً مستحسن کی تعریف میں آتا ہو وہ اچھا ہے

اور جو شرعاً بُرے کام کی تعریف میں آتا ہے وہ بُرا ہے ورنہ پھر مباح کی قسم میں سے ہے۔ (فتح الباری)"[1]

زیرِ نظر کتاب

زیرِ نظر کتاب 'بدعت کی حقیقت' بھی اِسی مسئلے کو سمجھانے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اِس کے مصنفِ محقق مولینا صوفی محمد توفیق صاحب ضیا، ڈپلوما انجنیئر تربیلا ڈیم، میرے پرانے عزیز اور میرے قیامِ علی پور چٹھہ کی قیمتی کمائی ہیں۔ یہ وہاں گورنمنٹ ہائی سکول میں زیرِ تعلیم تھے اور میں فرائضِ تدریس سرانجام دے رہا تھا۔ میں نے انہیں اُس عنفوانِ شباب کے دَور میں جب عموماً نوجوان لاابالی اور آوارہ منش ہوتے ہیں، راہِ حق کا جویا اور خلوص و غیرتِ ایمانی کا پیکر پایا۔ میری ہی رہنمائی پر یہ دربار شاہ لاثانی علی پور سیداں شریف میں حاضر ہو کر قطب الاقطاب، غوث الاغیاث، وارثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، نائبِ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، شہنشاہِ ولایت، سلطانِ اہلِ طریقت، اعلیحضرت عظیم البرکت الحاج پیر سیّد علی حسین صاحب قبلہ نقشِ لاثانی قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ مرشدِ کاملین نے ان کی خوب تربیت فرمائی۔ روز افزوں رابطۂ شیخ ان کی فطری صلاحیتوں کو نکھارتا رہا۔ وہ اخلاص و غیرت جو اُن کی سیرت کے چمکتے ہوئے عنوان تھے، جِلا پاتے رہے۔ یہ ہیڈ رسول میں اوورسیئر بھی بن گئے تھے اور ساتھ ساتھ لاثانی جمیعتِ طلبہ کی رکنیت سازی سے نوجوانوں کو تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے منظم بھی کر رہے تھے۔ ملازمت کا آغاز ہوا تو تربیلا ڈیم کی قسمت جاگی۔ چنانچہ اب وہاں ملازم بھی ہیں اور بیسیوں دِلوں کو سیراب بھی کر رہے ہیں۔ فرائضِ منصبی کی دیانتدارانہ ادائگی جو کو بچھونا بستر اٹھائے پھرنے سے کسبِ حلال کے لئے زیادہ ضروری ہے، میں مصروف ہیں۔ اور اس کے پہلو بہ پہلو گھر پر چھوٹے بچّوں کو قرآن پاک بھی پڑھاتے ہیں۔ صفر ۱۴۰۹ھ / اکتوبر ۱۹۸۸ء میں عرس شہنشاہِ لاثانی میں ہمارے آقا و مولا محسن و مصلح اعلیحضرت نقشِ لاثانی قدس سرہٗ نے اسلام کی تبلیغ کیلئے 'بزمِ لاثانی پاکستان' کی تشکیل کا اعلان فرمایا تو انہیں اس کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کا رکن نامزد کیا گیا۔ چنانچہ اب تک اسی منصب پر فائز ہیں اور پیر و مرشد لاثانی علیہ الرحمۃ کی ہدایات پر جان و

---

[1] تعزیرات قلم از مولینا ارشد القادری بحوالہ ترجمان القرآن لاہور ج ۶۰ عدد ۱

دل سے عمل پیرا ہیں۔

میں چونکہ ان کی تقریری و تحریری صلاحیتوں سے، جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے، پُرانا واقف ہوں، اس لئے ان سے عرض کی کہ قوم کے باشعور طبقے کو فکری دلدل سے نکالنے کیلئے آپ کا میدان میں آنا ضروری ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جس جس بہانے سے امت کا رابطہ اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کاٹا جا رہا ہے، اس اس بہانے پر قلم اٹھایا جائے اور اس اس فتنے کا سر قلم کیا جائے۔ خدا کا نام لے کر اٹھیے اور عظمتِ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کے دفاع میں سب سے پہلے قوم کو بدعت کی حقیقت سمجھائیے ان شاء اللہ العزیز مرشدِ کامل کی توجہ شاملِ حال رہے گی۔ عزیزِ محترم نے میری گزارش کو قبول کیا اور اسی نام سے کتاب لکھ دی، جو شاید اس موضوع پر اردو زبان میں جامع ترین ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے محنتِ شاقہ سے اپنی تحقیق کو نہایت مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ مجھے فرمائش کرتے وقت جس قسم کی کتاب کی توقع تھی، یہ اس سے خوب تر ہے۔ متعدد آیات، پچاس کے قریب احادیث اور قریباً اتنی ہی معتبر کتابوں کے حوالہ جات نے موضوع کی وضاحت میں جان پیدا کر دی ہے۔ اپنے استدلال کو سلف صالحین، علمائے اہلِ سنت بلکہ مخالفین کے اپنے اقوال سے آراستہ کیا گیا ہے۔ طرزِ بیان از حد شائستہ اور متین و مثبت ہے۔ طعن و تشنیع اور دلآزار لہجے سے ہر کہیں اجتناب برتا گیا ہے کتاب کا مطالعہ کرنے سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ ایک شفیق سرجن نہایت ہی محتاط سرجری سے بدن کو غلیظ و فاسد مادے سے نجات دے رہا ہے۔ طبیعت میں انصاف ہو تو اس قسم کی بے لاگ تحقیق کی تحسین کرنی ہی پڑتی ہے۔ جہاں تک مضامینِ کتاب کا تعلق ہے، بدعت کی تعریف، اقسام اور ان کے احکام پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے علاوہ اجماعِ امت کی اہمیت، حلت و حرمت کے قواعد اور بہت سے معمولات جنہیں بدعات سمجھا جاتا ہے تفصیل سے زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ دورِ حاضر میں اس موضوع پر جو شبہات وارد کئے جاتے ہیں، انھیں دور کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ میرے ایک عزیز بلکہ برادرِ طریقت نے قوم کا اختلاف مٹانے کے لئے قلم اٹھایا اور اس کا حق ادا کر دیا۔ کتاب کو بنظرِ غائر دیکھتے ہوئے یہی احساس ہوا جیسے مرشدِ برحق علیہ الرحمۃ نے اور ان کے لختِ جگر نقشِ نقشِ لاثانی حضور قبلۂ عالم الحاج پیر سید عابد حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی (سرپرستِ اعلیٰ بزمِ لاثانی پاکستان) نے اپنے تعرف و توجہ سے تحریر کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ اللہ رب العالمین جل مجدہٗ کی بارگاہِ عظمت پناہ میں اس کے محبوبِ اعظم نبی مکرم سیدنا رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسل سے دعا ہے کہ مصنف کی سعی مقبول و مشکور ہو اور ملتِ اسلامیہ کا داخلی انتشار ختم کرنے میں ممد و مفید ثابت ہو۔

آمین!

سگِ بارگاہِ نقشِ لاثانی

آسی

تقریظ لطیف

علامۃ العصر، فقیہ الدہر، سلطان المناظرین، استاذ العلماء ابو المشتاق علامہ حافظ محمد سعید صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ العالی شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ محمدیہ رضویہ برکات القرآن علی پور چٹھہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

'مسئلہ بدعت' وہ معرکۃ الآرا مسئلہ ہے جس پر کئی کتابیں لکھی گئیں اور کئی رسائل تحریر کئے گئے لیکن یہ عقدہ حسب سابق لاینحل بنا ہوا ہے۔ ہاں اگر ضد اور تعصب سے کنارہ کش ہو کر اس مسئلے پر غور کریں تو یہ پہاڑ نہیں، چھوٹا سا تودہ نظر آئے گا۔ عموماً علماء دیوبند 'بدعت' کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ "جو چیز قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ پائی جائے وہ بدعت اور گمراہی ہے اور اس کا عامل بدعتی ہے۔ پھر اس پر کل بدعۃ ضلالۃ اور کل ضلالۃ فی النار کا فتویٰ چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ اور بزرگان دین کے بے شمار معمولات کو حرام اور بدعت کہا جاتا ہے۔ لیکن آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ یہی علمائے دیوبند اپنی تعریف کے مطابق خود کئی بدعات پر عامل ہیں اور تاویل و توجیہ سے ان کو جائز قرار دیتے ہیں، کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہ کام ان کے بزرگوں کا معمول ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے! فتاویٰ دیوبند سے ایک سوال اور اسکا جواب:

سوال ۹۹: عیدین کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا آپ کے صحابہ یا تابعین یا

> تبع تابعین نے دعا مانگی ہے یا نہیں اگر مانگی ہے تو حوالہ تحریر فرمایا جائے اگر نہیں مانگی تو مسلمانوں کو مانگنی جائز ہے یا نہیں الی آخرہ۔

جواب: احادیثِ قولیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باسانید صحیحہ ہر نماز کے بعد جس میں نماز عید بھی داخل ہے دعا مانگنے کی فضیلت و ثواب منقول ہے اگرچہ احادیث فعلیہ میں عمل کی تصریح نہیں مگر نفی بھی منقول نہیں الی آخرہ۔

سائل کا سوال ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین سے دُعا مانگنے کا کوئی حوالہ ہے تو بتائیے۔ اِس کے جواب میں مفتی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ عیدین کی نماز کے بعد دُعا نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے، نہ صحابہ کرام سے، نہ تابعین اور نہ تبع تابعین سے۔ یہ کہیں بھی منقول نہیں، مگر چونکہ نفی بھی منقول نہیں اِس لئے عیدین کی نماز کے بعد دُعا مانگنا جائز و مستحب ہوگا۔

ناظرین کرام! غور فرمائیں، مفتی صاحب خود اعتراف کرتے ہیں کہ مشہود لہا بالخیر میں عیدین کی نماز کے بعد دُعا مانگنے کی تصریح کہیں نہیں۔ اگر یہ عمل ہوا ہوتا تو تصریح ہوتی کیونکہ عیدین کی نماز تو علانیہ مجمع عام میں ادا کی جاتی ہے، گھر میں چُھپ کر تو ادا نہیں کی جاتی۔ اگر خیر القرون میں دُعا مانگی گئی ہوتی تو یقیناً تصریح ہوتی جبکہ کہیں بھی ذکر نہیں تو معلوم ہوا خیر القرون میں یہ دُعا نہیں مانگی گئی۔ اَب چاہیئے تھا کہ ان کے لئے بدعت، ضلالت اور فی النار ہوتی لیکن مفتیٔ دیوبند فرماتے ہیں "عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحب ہوگا"

امداد المفتین ص۲۰۹

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آپ اس تضاد پر حیران تو یقیناً ہوئے ہونگے کہ یہ مفتی صاحب میلاد شریف، گیارہویں شریف اور اِس قسم کے بہت سے امور کو صرف اس لئے ناجائز اور بدعت کہتے ہیں کہ یہ امور خیر القرون میں نہیں تھے۔ جبکہ عیدین کی نماز کے بعد دُعا کو خیر القرون میں نہ ہونے کے باوجود مستحب قرار دے رہے ہیں۔ آخر مفتی صاحب کی مجبوری کیا ہے؟ آپ فتاویٰ دیوبند عزیز الفتاویٰ کا بھی مطالعہ فرمائیے، حقیقتِ حال اور واضح ہو جائے گی۔ وہاں بھی یہی سوال ہے:

مسئلہ:۔ بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دُعا مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین سے منقول نہیں۔ اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی۔

جواب:۔ ہمارے حضرات اکابر مثل حضرت مولینا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولینا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور دیگر حضرات اساتذہ کرام مثل حضرت مولینا محمد یعقوب صاحب سابق صدر مدرس ہذا اور حضرت مولینا محمود حسن صاحب

صدر مدرس مدرسہ ہذا کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

اب تو مفتی صاحب کی مجبوری آپ معلوم کر چکے ہوں گے کہ ان کے ہاں کسی کام کے جائز ہونے یا ناجائز ہونے کا دار و مدار صرف اس بات پر ہے کہ اگر کوئی کام اکابر علماء دیوبند کا معمول ہے تو وہ جائز ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں کہیں مذکور نہ ہو، جیسا کہ دعا بعد نماز عیدین، اور اگر کوئی کام علماء دیوبند کا معمول نہیں تو وہ بدعت اور ناجائز ہے جیسا کہ دعا بعد نماز جنازہ، میلاد شریف، گیارہویں شریف، سوم اور چالیسواں وغیرہ معلوم ہوا خیر القرون کا ذکر تو محض برائے وزن بیت ہے، ورنہ دیوبندی حضرات کے نزدیک جواز یا عدم جواز کا دار و مدار ان کے اپنے اکابر کے معمولات پر ہے۔

عزیزم مولوی محمد صدیق صاحب ضیا سلمہ ربہ نے اس مسئلہ کو نہایت معتبر حوالہ جات سے اتنا واضح کر دیا ہے کہ غیر متعصب شخص کو بغیر تسلیم کئے چارہ نہیں۔ میں نے خود کئی مقامات سے کتاب کا مطالعہ کیا اور اسے بہتر پایا۔ حوالہ جات نہایت معتبر، انداز بیان نہایت ہی مہذبانہ اور استدلال محققانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم کی یہ سعی جمیل مقبول فرمائے، آمین! ثم آمین!!

ابو الشفقات حافظ محمد سعید نقشبندی مجددی
خادم جامعہ محمدیہ رضویہ برکات القرآن علی پور چٹھہ

بدعت کی حقیقت

(ایک نظم)

از فصیح اللسان، ابو البیان، ملک الشعراء، استاذ الاساتذہ

حضرت علامہ مولانا الحاج محمد حسین صاحب آسی مدظلہ العالی پروفیسر

گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ، بانی و سرپرست اعلیٰ بزمِ نعت سیالکوٹ

رسالت بالیقیں آئینۂ انوارِ وحدت ہے — رسالت اصلِ ملت باعثِ تکوینِ ملت ہے

رسالت چھوڑ کر توحید کی جو بات کرتا ہے — وہ بے بہرہ ہے ایماں سے، وہ سرتاپا جہالت ہے

جسے کہتے ہیں دیں، دراصل طاعت ہے رسالت کی — جسے کہتے ہیں روحِ دیں، وہ تعظیمِ رسالت ہے

انہیں جانے تو مومن، ان کو پہچانے تو ہے عارف — حقیقت معرفت، عرفانِ خورشیدِ نبوت ہے

وہی معراج والے ہیں وہی معراج دیتے ہیں — عروجِ آدمِ خاکی کی بنیاد ان کی نسبت ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں کہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سب قرباں ہیں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام پہ — جسے دیکھو وہی پروانۂ شمعِ رسالت ہے

بزورِ عشق مومن چھا گئے تھے ساری دنیا پہ — کوئی انکار کر سکتا نہیں، یہ وہ حقیقت ہے

کجا وہ رنگ جب ان سے جہانِ کفر لرزاں تھا — کجا یہ حال جب ملت اسیرِ دامِ ذلت ہے

حقیقت ہے کہ اس عزت کا باعث عشقِ مولا تھا — جو سچ پوچھو تو اس ذلت کا باعث عدمِ الفت ہے

قیامت ہے کہ ایسے لوگ بھی ملت میں گھس آئے — جنہیں مطلوب وحشت ہے، جنہیں مقصود نفرت ہے

جسے کہتے ہیں یہ توحید، وہ توہینِ سرور ہے — جسے یہ دیں سمجھتے ہیں وہی دیں سے بغاوت ہے

مرے مولا! مری ملت میں کیسا انقلاب آیا — جو ایماں تھا وہ ٹھہرا شرک، جو سنت تھی بدعت ہے

خدا کا شکر ہے پھر بھی کہ اس دورِ حوادث میں — کچھ ایسے بھی ہیں جن کا مدعا دیں کی اشاعت ہے

ضیائے محترم! یہ صوفی صدیق انجینئر! — جو انجینئر نہیں ہے، پیکرِ جوشِ حمیت ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہے سرمایہ اس کی زندگانی کا — خدا کے خوف نے بخشا اسے نورِ بصیرت ہے

مرا نورِ نظر بھی ہے، یہ میرا پیر بھائی بھی
گدائے نقشِ لاثانی فدائے اعلیٰ حضرت ہے (علیہما الرضوان والرحمۃ)

وفا گستر، حیا پرور، صفا و صدق کا مظہر
نقیبِ اہلِ سنت، ماحیِ ظلماتِ بدعت ہے

کسی سنت کو بدعت، بدعتی اب کہہ نہیں سکتا
مدلل ایسی لکھی اس نے "بدعت کی حقیقت" ہے

یہ گنجینہ ہے گویا نقلی و عقلی دلائل کا
عبارت سر بسر تنویرِ حسن جامعیت ہے

بغور اس کو پڑھے اور دیکھے استدلال کی قوت
جسے بھی دین کی، یا دین سمجھنے کی ضرورت ہے

دعا یہ ہے خدا و مصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثناء) اسے مقبول فرمائیں
یہی تو آسی اک مقصودِ تحریرِ عبارت ہے

سگِ بارگاہِ حضور نقش لاثانی
آسی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بدعت کی تعریف

لغوی

لغت میں ہر نئی بات اور نئی چیز یعنی کسی سابقہ نظیر (مثال) کے بغیر نو ایجاد[1] امر کو بدعت کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ یوں وارد ہوا ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ مالکُ الملک کا ارشاد ہے:

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ[2] بے کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔[3]

اِصطلاحِ شرعی

دِین میں جو نیا کام (بغرضِ ثواب) جاری کیا جائے یعنی وہ اعتقادات اور اعمال جو حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظاہری میں نہ تھے، بعد میں جاری ہوئے۔[4] مرقات میں حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فِی الشَّرۡعِ اِحۡدَاثُ مَالَمۡ یَکُنۡ فِیۡ عَھۡدِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ۔[5]

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی فرماتے ہیں:

"جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکلا اور ظاہر ہوا، بدعت کہلاتا ہے"[6]

---

[1] ملّا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَلۡبِدۡعَۃُ کُلُّ شَیۡءٍ عُمِلَ عَلٰی غَیۡرِ مِثَالٍ سَبَقَ۔ یعنی جس کی مثال پہلے زمانہ میں نہ ہو اُسے بدعت کہتے ہیں (مرقات اوّل صفحہ ۱۷۹)۔ امام نووی سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ دیکھیے قانونِ شریعت صفحہ ۴۲ حاشیہ، حسن المقصد فی عمل المولد، اَور ضیاءُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم صفحہ ۵۳ بحوالہ شرح مسلم۔

[2] الانعام (۱۰۱)، البقرہ (۱۱۷)

[3] کنز الایمان

[4] دیکھیے جاء الحق، اوّل صفحہ ۲۱۳

[5] مرقات اوّل صفحہ ۱۷۹: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسا ہی فرماتے ہیں (القسم الثانی من تھذیب الاسماء صفحہ ۲۲ بحوالہ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد دوم صفحہ ۲۲)

[6] اشعۃ اللمعات اوّل اردو صفحہ ۲۲۲۔ امام سیوطی نے امام نووی سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حسن المقصد ترجمہ اردو صفحہ ۳۲ [illegible] لاہور

یہی محدث دہلوی فرماتے ہیں:

بدعت سے ایسی نئی نکلی ہوئی چیز کا اعتقاد کر لینا مراد ہے جو کسی شبہ اور تاویل کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ معروف و معلوم طور پر وارد ہوا ہے، اس کے خلاف ہو۔[1]

بدعتِ اعتقادی

حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ[2]

(جو شخص ہمارے دین میں ایسا طریقہ ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو وہ رد ہے)

شارحِ مشکوٰۃ صاحبِ مراۃ جناب مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "امر سے مراد دینِ اسلام ہے اور ما سے مراد عقائد یعنی جو شخص خلافِ اسلام عقیدے ایجاد کرلے، وہ شخص بھی مردود اور وہ عقائد بھی باطل"[3]

"بدعتِ سیئہ ان بُرے عقائد کا نام ہے جو اسلام میں ایجاد کیے جائیں جیں بدعت یا بدعتی کی سخت برائیاں آئی ہیں، اس سے یہی مراد ہے۔ دیکھو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے انکارِ تقدیر کے عقیدے کو بدعت فرمایا ہے"[4]

سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی فرماتے ہیں: تمام بدعتی فرقوں میں بدترین وہ گروہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد (بد اعتقادی) رکھتا ہے۔[5]

پھر فرماتے ہیں: "اعتقاد کا برا ہونا محرومی کا باعث ہے۔ بدعتِ اعتقادی مردود ہے"[6]

---

[1] اشعۃ اللمعات اردو صـ ۱۳۳۔ جلد اوّل مقدمہ
[2] مشکوٰۃ بابُ الاعتصام، اربعین نووی
[3] مراۃ اوّل صـ ۱۳۶
[4] مراۃ اوّل صـ ۱۱۶
[5] مکتوبات (اردو) دفتر اول۔ مکتوب نمبر ۵۴
[6] ۔ مبدأ و معاد صفحہ ۴۴ بحوالہ نور اسلام مجدد الف ثانی نمبر جلد دوم صـ ۴۲

محدثِ شہیر حضرت سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں:

"فسقِ اعتقادی مانند اعتزال اور رفض وغیرہ بدعت میں داخل ہے۔"[1]

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، "جو شخص ان (خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم) کے فضائل کا منکر ہے وہ بدعتی ہے۔"[2]

مخالفین کے امام محمد بن عبد الوہاب نجدی نے کتاب توحید لکھی اور ان کے پوتے عبد الرحمٰن بن حسن نے اس کی شرح 'فتح المجید' لکھی اور عطاء اللہ ثاقب نے 'ہدایۃ المستفید' کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے استویٰ کی کیفیت جاننے کے بارہ میں سوال کو بدعت اور سائل کو، امام بیہقی اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے بدعتی لکھا گیا ہے۔[3]

مولانا رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں۔ جس بدعت میں ایسے شدید وعید ہیں، وہ بدعت فی العقائد ہے۔ جیسا روافض و خوارج کی بدعت ہے۔[4]

معلوم ہوا کہ عقائد بدعت ہیں۔

بدعتِ عملی

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدیث محولہ بالا میں "یا امر سے مراد دین ہے اور ما سے مراد اعمال ہیں، اور لیس منہ سے مراد قرآن و حدیث کے مخالف یعنی جو کوئی دین میں ایسے عمل ایجاد کرے جو دین یعنی کتاب و سنت کے مخالف ہوں، جس سے سنت اٹھ جاتی ہو۔"[5]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں: بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔[6] اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] فیوض الباری اوّل مقدمہ ص ۳۹ [2] ازالۃ الخفاء اردو۔ اوّل ص ۲۴۵ [3] ہدایۃ المستفید جلد دوم۔ ص ۱۴۵۵

[4] فتاویٰ رشیدیہ مبوب بلا زمینہ مطبوعہ کراچی ص ۲۴۸ [5] مراۃ اوّل ص ۱۴۶ [6] فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۳

وآلہٖ وسلم وخلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم) واحکامِ فقہ کے خلاف نکلی ہو، وہی نئی بات (بدعت) ہے۔ اِسی سے بچنا چاہیئے۔[۱]

قابلِ غور و فکر

اَب کوئی عمل اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظاہری زمانۂ اقدس کے بعد کیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی:

۱۔ یا تو وہ عمل کتاب و سنت کے مطابق ہوگا اور اس کی اصل شریعتِ مقدسہ میں موجود ہوگی۔

۲۔ یا وہ عمل کتاب و سنت کے خلاف ہوگا اور اس کی اصل شریعتِ مطہرہ میں نہ ہوگی۔

عملی بدعت کی تقسیم

پہلی صورت میں بدعتِ حسنہ[۲] یعنی اچھی بدعت۔

دوسری صورت میں بدعتِ سیئہ[۳] یعنی بُری بدعت۔

---

[۱] احکامِ شریعت حصہ دوم ص ۲۰۹

[۲] حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو نیک طریقے اُمتی نکالتے ہیں ان کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں (خزائن العرفان ص ۷۷۳ تاج کمپنی ۲۷۸۔ حوالہ)۔ جناب مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدعتِ حسنہ سنّت کو مٹاتی نہیں، بلکہ کبھی رائج کرتی ہے۔ دیکھو علمِ دین سکھانا سنت ہے اب اس کے لیے کتابیں چھاپنا، مدرسہ بنانا، وہاں تعلیم کے نصاب اور کورس بنانا اگرچہ بدعت ہیں، مگر سنت کے معاون نہ کہ مخالف۔ (مراۃ اول ص ۱۷۸)۔ حضرت مولانا شمس الدین احمد رضوی فرماتے ہیں: بدعتِ حسنہ وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف و مزاحم نہ ہو (قانونِ شریعت اول ص ۴۵)۔ مولانا اسمٰعیل دہلوی کہتے ہیں، "اور وہ بدعت جس کی اصل شرع سے ثابت ہو وہ بدعتِ حسنہ ہے" (مولانا اسمٰعیل اور تقویت الایمان ص ۱۱۴ بحوالہ رسالہ چہار دہ مسائل ص ۲۴)۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ کی عبارت فیوض الباری میں مرقوم ہے: وھی ما راہ المؤمنون حسنا ولا یکون مخالفا الکتاب والسنۃ والاثر او الاجماع۔ (عینی جلد ۲، ص ۷۶۳)

ترجمہ: بدعتِ حسنہ یہ ہے کہ جسے مسلمان اچھا جانیں اور وہ کام قرآن یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف نہ ہو۔

[۳] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ بدعت جسے قابلِ مذمت کہا جا سکے وہی ہوگی جو خلافِ سنت ہو۔ (کیمیائے سعادت اردو ص ۲۹۵ مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس۔ لاہور) فقیر کی مشہور کتب ملاحظہ ہوں "بدعتِ سیئہ قبیحہ وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف و مزاحم ہو" (قانونِ شریعت اول ص ۴۵۔ بہارِ شریعت اول)

نوٹ

مفتیان دین متین نے ان کے مدارج پر بھی گفتگو کی ہے۔ یعنی بدعت حسنہ تین[1] طرح کی ہے: مباح، مستحب اور واجب۔ اور بدعت سیئہ دو[2] طرح کی ہے: مکروہ اور حرام۔ لیکن ہماری بحث بدعت کے حسنہ اور سیئہ ہونے سے متعلق ہوگی۔
تو بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں فرق ملاحظہ کیجیے:

بدعتِ حسنہ

وہ موافق کتاب و سنت نیا کام جو دین میں شغف کی تقویت کا باعث ہو۔

بدعتِ سیئہ

وہ نیا کام جو مزاجِ اسلام کے مخالف اور اس کا مغیر ہو[1] یعنی خلافِ کتاب و سنت ہو اور اسے دین میں داخل کر لیا جائے۔

اجمال کے بعد تفصیل

بفضلہ تعالیٰ ہم نے بدعت کی اقسام (حسنہ اور سیئہ) کی جو تعریفیں نقل کی ہیں، وہ بدعت حسنہ کے حسن اور بدعت سیئہ کی قباحت کو خوب واضح کر رہی ہیں۔ پھر بھی ہم اجمال سے تفصیل کا رُخ کرتے ہیں۔ کتاب و سنت ہمارے اصل ماخذ ہیں۔ نصوصِ قطعیہ انہیں سے حاصل ہوتی ہیں۔
تو آئیے دیکھیے کتاب اللہ بدعت حسنہ کے استحسان پر نص قائم کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:
وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

---

[1] ماہر القادری کہتے ہیں کہ "یہاں ان ایجادات سے دین میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا ایسے ہی بدعت (سیئہ) کا ہے کو ہونے لگیں" (بدعت کیا ہے صفحہ ۶۲)

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ ۲۷ [۱]

ترجمہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ

اور اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے پیروؤں کے دل میں (ہم نے) نرمی اور رحمت رکھی اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا کہ اس کے نباہنے کا حق تھا تو ان کے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا اور ان میں سے بہتیرے فاسق ہیں۔ [۲]

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی

اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کیا اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا۔ ہم نے اس کو ان پر واجب نہ کیا تھا لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا سو انہوں نے اس رہبانیت کی پوری رعائت نہ کی سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر (موعود) دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔ [۳]

ترجمہ مولانا مودودی

اور جن لوگوں نے ان کی پیروی اختیار کی۔ ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہوئے تھے ان

---

[۱] پ ۲۷ الحدید ۲۷ [۲] کنز الایمان [۳] مطبوعہ تاج کمپنی۔

کا اجر ہم نے ان کو عطا کیا مگر ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں"۔

غور فرمائیں رہبانیت کی بدعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں نے خود اپنی طرف سے ایجاد کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فرض وواجب نہ تھی۔ ان لوگوں کی نیت اچھی تھی اور مقصود رضائے الٰہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی اس بدعت کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور اس کا تذکرہ اپنی آخری کتابِ مقدس یعنی قرآن پاک میں فرمایا۔ پھر جو لوگ خود ایجاد کردہ بدعت کو نہ نباہ سکے یعنی اس پر پابندی سے عمل نہ کرسکے، ان سے اللہ تعالیٰ ناراض بھی ہوا۔ فرمایا ان لوگوں نے خود ہی یہ بدعت نکالی اور اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اس کا اہتمام نہ کیا گیا۔[۱]

لیکن انہوں نے خوشنودیٔ خدا کے لیے جس بدعت کو ایجاد کرلیا قرآن نے اس کے باعثِ رضائے الٰہی ہونے سے انکار نہ فرمایا بلکہ اس کے حق میں ڈگری دے دی اور خود ان لوگوں کا مقصد "حصول رضائے الٰہی" بھی بتادیا اور پسندیدہ فرمایا کہ وہ اسے نباہتے، اور پابندی اختیار کرتے۔

رب تعالیٰ کی اس پسندیدگی سے اس بدعت کا (ان کے لیے) حسنہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور بدعتِ حسنہ کا باعثِ ثواب ہونا۔

اسی کے بارے میں جناب مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "معلوم ہوا دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کرنا جو دین کے خلاف نہ ہوں، ثواب کا باعث ہیں"۔[۲] کہ "یہاں ایجادِ بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نہ نباہنے پر (ہوا)"۔[۳]

حضرت صدر الافاضل مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:[۴]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت یعنی دین میں کسی نئی بات کا نکالنا اگر وہ بات نیک ہو اور اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو تو بہتر ہے، اس پر ثواب ملتا ہے اس کو جاری رکھنا

---

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں: "پس نگہداشت آں نکردند حق نگہداشتن آں" (ترجمہ مطبوعہ تاج کمپنی)

[۲] علم القرآن ص۲۰ [۳] جاء الحق اول ص۲۱۵ نعیمی کتب خانہ گجرات [۴] خزائن العرفان (مطبوعہ تاج کمپنی)

چاہیئے۔ اسی بدعت کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ البتہ دین میں بُری بات نکالنا ـــــ بدعتِ سیئہ کہلاتا ہے، وہ ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور بدعتِ سیئہ حدیث شریف میں وہ بتائی گئی ہے جو خلافِ سنت ہو اور اس کے نکالنے سے کوئی سنت اٹھ جائے اس سے ہزارہا مسائل کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ جن میں آج کل لوگ اختلاف کرتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی سے ایسے امورِ خیر کو بدعت بتا کر منع کرتے ہیں: جن سے دین کی تقویت و تائید ہوتی ہے؛ اور مسلمانوں کو اخروی فوائد پہنچتے ہیں اور وہ طاعات وعبادات میں ذوق و شوق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں؛ ایسے امور کو بدعت (سیئہ) بتانا قرآنِ مجید کی اس آیت کے صریح خلاف ہے۔"

قرآنِ کریم کی اس واضح شہادت کے بعد احادیثِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث شریف

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ۔ (رواہ مسلم)[1]

ترجمہ

جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے اپنے عمل اور ان کے عملوں کا ثواب ہے جو اس پر کاربند ہوں ان کا ثواب کم ہوئے بغیر۔ اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ ایجاد کرے اس پر اپنی بدعملی کا گناہ اور ان کی بدعملیوں کا جو اس کے بعد اس پر

---

[1] مشکوٰۃ کتاب العلم۔ ریاض الصالحین باب فمن سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ۔ التفسیر مظہری جلد ششم اردو صفحہ ۲۸۳ کراچی؛ ایسی ہی ایک حدیث شریف ترمذی ابواب العلم اور ابن ماجہ جلد اول باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ میں بھی موجود ہے

کاربند ہوں اس کے بغیر کہ ان کے گناہوں سے کچھ کم ہو۔ (مرأۃ)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں، جناب صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے خزائن العرفان میں اور مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری (رحمۃ اللہ علیہم) نے انوارِ ساطعہ میں مجمع البحار اور شرح مسلم کے حوالہ سے ایسا ہی ترجمہ کیا ہے۔

یہاں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نئی ایجاد کو لفظ سنّت سے تعبیر فرمایا ہے یعنی جو اچھا طریقہ (بدعتِ حسنہ)[1] جاری کرے گا وہ ثواب در ثواب کا مستحق ہے اور جو بُرا طریقہ (بدعتِ سیئہ) جاری کرے گا وہ ہر لحظہ گناہوں کے بوجھ تلے دبتا چلا جائے گا۔ مرأۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: "اس حدیث سے بدعتِ حسنہ کے خیر ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہوا۔ یہ حدیث ان تمام احادیث کی شرح ہے جن میں بدعت کی برائیاں آئیں۔ صاف معلوم ہوا کہ بدعتِ سیئہ بُری ہے اور ان احادیث میں یہی مراد ہے۔ یہ حدیث بدعت کی دو قسمیں فرما رہی ہے: بدعتِ حسنہ اور سیئہ۔ اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہو سکتی۔"[2]

مولانا اسماعیل دہلوی کہتے ہیں:

"و در حسن بود بعض بدعات شبہ نیست .... اجر من عملہا

(ترجمہ) اور بعض بدعتوں کے حسنہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کا اثبات بہت سی حدیثوں سے کیا جا سکتا ہے جیسا کہ وارد ہے کہ "جو اچھا طریقہ رائج کرے گا، اس کو اس کا اجر ملے گا اور اس شخص کا اجر ملے گا جو اس پر عمل کرے گا۔"[3]

---

[1] امام ابن ہمام سے منقول ہے "لغت میں سنت اس طریقہ کو کہا جاتا ہے جو عام مروّج ہو، خواہ اچھا ہو یا بُرا (سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جناب سید یوسف سید ہاشم (کویت) فرماتے ہیں کہ لغت عرب اور اصطلاح شریعت میں سنت کا معنی ہے طریقہ .... اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے (اسلامی عقائد ص ۲۲۵ اردو ترجمہ ادلۃ اہل السنۃ والجماعت)

[2] مرأۃ اوّل

[3] مولانا اسماعیل اور تقویۃ الایمان ص ۱۲ (بحوالہ رسالہ چہاردہ مسائل ص ۱۲)

ابن ماجہ اور ریاض الصالحین وغیرہ کے ابواب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ سے بھی خوب ظاہر ہے کہ کتب احادیث کے مطابق نئے طریقہ کے لیے حسنہ اور سیئہ کی تقسیم درست ہے۔ ؎

پھر مخالفین کے مفتی اعظم مفتی محمد شفیع کہتے ہیں کہ "بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں خواہ عادت ہو یا عبادت۔ جن لوگوں نے یہ معنی لیے ہیں انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسم کی ہے سیئہ اور حسنہ" ؎۱

بہرحال یہ تو معلوم ہو گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت حسنہ یعنی نیک اور حسنہ طریقہ جاری کرنے کی عام اجازت کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی وعدہ ثواب کیا۔

دوسری حدیث شریف

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (متفق علیہ) ؎۲

جو شخص ہمارے دین میں ایسا طریقہ ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو وہ رد ہے۔

اشعۃ اللمعات میں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (من احدث في امرنا هذا) جس شخص نے نکالی ہمارے اس دین میں جو روشن و ظاہر ہے (ما ليس منه) ایسی چیز جو اس میں سے نہ ہو یعنی ایسی نئی بات نکالی جو کتاب و سنت میں نہ تو صراحتہً مذکور ہو اور نہ ہی قواعد استنباط سے اخذ کی گئی ہو اور نہ ہی کتاب نے اس کی صحت کی تصدیق کی ہو، ہمارے اس معنی کے مطابق فی امرنا هذا میں اجماع اور قیاس بھی داخل ہو گیا۔ غرض یہ کہ ایسی چیز مراد ہے جو کتاب و سنت کے خلاف اور اسے تبدیل کرنے والی ہو، (فهو رد) تو وہ چیز یا ایسی بات نکالنے والا شخص باطل و

؎ لیکن ادارہ اسلامیات لاہور اور عامر عثمانی فاضل دیوبند کا اسلام ملاحظہ کریں اور ان کی دیانت کا اندازہ فرمائیں بڑی بے باکی سے کہتے ہیں: "حدیث کی ایک ایک کتاب اٹھا کر دیکھیے، کسی جگہ آپ کو نہیں ملے گا کہ شریعت نے بدعت کی دو قسمیں کی ہیں" (بدعت کیا ہے صـ ۲۴۳) — استغفر اللہ!

؎۱ سنت و بدعت صـ ۵ ؎۲ مشکوٰۃ باب الاعتصام، ریاض الصالحین۔

مردود ہے۔[۱]

جناب مولینا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک قاعدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "جب کوئی حکم کسی امر مقید پر ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اس حدیث میں "فَھُوَ رَدٌّ" حکم ہے، یہ اصل احداث پر راجع نہ ہوگا، بلکہ اس کی قید جو مَالَیْسَ مِنْہُ ہے اس کی طرف راجع ہوگا یعنی جو نئی بات مخالف اور تغیر دینے والی دین کی ہو وہ رد ہے نہ یہ کہ جو کوئی بات عمدہ اور صالح اور نیک اصولِ دین کے موافق نکالی جائے وہ بھی رد ہے"۔[۲]

پھر فرماتے ہیں:

"یہ بات علی العموم صحیح نہیں کہ جو فعل خیر آپ نے نہ کیا وہ بدعت (سیئہ) اور مخالف سنت ہوتا ہے۔ حق الامر یہ ہے کہ مخالفِ سنت و بدعت وہی امر ہوگا، جو امر و نہی شارع کے خلاف ہوگا۔ اس طرح کا امر جو کوئی احداث کرے گا، وہ داخل ارشاد مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا مَالَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ" ہوگا اور وہ فعل مکروہ و بدعت (سیئہ) و ضلالت کہلائے گا۔[۳]

مولانا اسماعیل دہلوی کہتے ہیں:

(ترجمہ) اس حدیث سے اس بدعت کا مردود ہونا ثابت ہوا جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو اور وہ بدعت جس کی اصل شرع سے ثابت ہو وہ حسنہ ہے"۔[۴]

ممکن ہے کوئی صاحب اعتراض کریں کہ اس جگہ مطلق بدعت مراد ہے، اور وہی مردود ہے تو ہم عرض کریں گے کہ اگر یہاں مطلق بدعت مراد ہوتی تو "مالیس منہ" کے الفاظِ مبارکہ کی ضرورت نہ تھی۔ اب ان الفاظ نے بدعت (نئی چیز) کو مطلق ہرگز نہ رہنے دیا اور بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کر دیا۔

۱؎ اشعۃ اللمعات اردو جلد اول ص۳۲۱ ۲؎ انوار ساطعہ ص۳۲ مطبوعہ لاہور
۳؎ انوار ساطعہ ص۳۶ ۴؎ رسالہ چہار دہ مسائل بجواب مولانا اسمٰعیل مع تقویۃ الایمان ص۱۳۰ (انوار ساطعہ ص۱۳۲)

اگر سوال کیا جائے کہ ایسی تقسیم کیونکر جائز ہوئی تو جواباً عرض ہے کہ "مالیس منہ کے معانی ہیں" جو دین میں سے نہیں" اگر ہر نئی بات بلا تخصیص بدعت سیئہ ہوتی تو یہاں یہ الفاظ وارد نہ ہوتے اور حدیث پاک ایسے ہوتی: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ "جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالے تو وہ رد ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے اور اس میں جملہ "مالیس منہ" دلیل ہے ہمارے دعویٰ کی، کہ ایسی نئی بات جس کی اصل شرع شریف میں مفقود ہے وہ رد ہے اور جس کی اصل شریعت مطہرہ میں موجود ہے وہ رد نہیں ہے۔

دورِ حاضر کے عظیم سکالر جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے الفاظ میں حدیث پاک کا دوسرا مبارک پہلو یوں ہے کہ ——— "جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جس کی اصل دین میں ہے وہ محبوب ہے"[1]

مسلک مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

اور یہ جو امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے دفتر اول مکتوب ۱۸۶ میں یہی حدیث درج کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ جو مردود ہے اس میں حسن کہاں۔ بالکل صحیح ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو مردود ہے وہی سیئہ ہے اور جو مردود نہیں وہ مقبول (حسنہ) ہے۔ اب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردود و مقبول کیا ہے؟ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

"غرض جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ صرف کتاب وسنت ہے، جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں اور فرشتہ کے نازل ہونے سے متقرر ہوئے ہیں۔ اور علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی انہی دو اصلوں کی طرف راجع ہے۔ ان چار شرعی

---

[1] جان جاناں ص ۱۳۵ حیدر آباد۔ اور بہار شریعت حصہ اول میں ہے کہ:
"جس امر کی اصل شرع شریف سے ثابت ہو وہ ہرگز بدعت قبیحہ نہیں ہو سکتا"

اصول کے سوا اور جو کچھ ہو خواہ صوفیہ کے علوم و معارف ہوں اور ان کے کشف و الہام اگر ان اصولوں کے موافق ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔"[1]

پتہ یہ چلا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک اگر کوئی چیز کتاب و سنت، علماً کے اجماع اور مجتہدین کے اجتہاد کے موافق ہے تو مقبول ہے ورنہ مردود، پس اگر مردود میں حسن نہیں تو جو مقبول ہے وہ حسن سے خالی بھی نہیں اور حسنہ اسی کا نام ہے۔

رہا حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ ہر بدعت سیئہ ہی ہوگی تو یہ ہمیں مضر نہیں، اس لیے کہ وہ رفع سنت کے بغیر کسی امر نیک کو بدعت نہیں سمجھتے بلکہ سنت جانتے ہیں۔ مثلاً صرف و نحو کا علم[2] اور جب رفع سنت واقع ہو جائے تو دیگر علما بھی سیئہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ اور کسی قید کے بغیر لفظ بدعت کا اطلاق عموماً خلافِ سنت امور پر ہی ہوتا ہے[3]

چشم حق بیں سے انصاف کی امید پر ہم نے مسلک حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر مختصر مگر جامع بحث کی ہے۔ اللہ تعالیٰ درست قوتِ فیصلہ عطا فرمائے۔

تیسری حدیثِ پاک

مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔[4]

---

[1] مکتوبات شریف اردو۔ دفتر اوّل۔ مکتوب ۲۱۷

[2] حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اسی نقطۂ نظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ زیرِ نظر حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ "اسی بنا پر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایسے علوم جو حصولِ دین کے ذرائع اور وسائل ہیں جیسے علم صرف و نحو، سنت میں داخل ہیں، اور حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک بدعت میں کوئی حسن نہیں۔ (انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ بحوالہ مسلک امام ربانی ص ۲۳۸)

[3] اور مولوی خرم علی صاحب کہتے ہیں کہ جہاں کہیں بدعت کو مطلق چھوڑتے ہیں بدعت سیئہ (خلافِ سنت) مراد ہوتی ہے" (شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل۔ حاشیہ ص ۱۴)

[4] مشکوٰۃ باب الاعتصام

"جو شخص گمراہی کی بدعت نکالے جس سے اللہ اور رسول راضی نہ ہوں، اس پر ان سب کے برابر گناہ ہوگا جو اس پر عمل کریں اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا۔"

مولانا اسمٰعیل دہلوی اس حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اور وُہ بدعت جو مردُود ہے وُہ بدعت مقید ضلالت سے ہے۔" [۱]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ القوی نے فرمایا:

"جس نے کوئی بدعتِ ضلالت (گمراہی کی بدعت) جاری کی جس سے خدا تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش نہ ہوں بخلاف بدعتِ حسنہ کے جس میں دین کی بہتری اور اس کی تقویت اور ترویج ہو کہ یہ بدعت حسنہ ہے، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پسند ہے۔ الخ [۲]

گویا اس جگہ بدعتِ ضلالت سے مراد گمراہی کی بدعت ہے اور ضلالت کی قید اچھی بدعت کو اس حکم سے نکالنے کے لیے ہے۔

صاحبِ انوارِ ساطعہ مولانا عبدالسمیع رامپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"معنی حدیث کے یہ ہوں گے کہ جس نے نکالی ایسی بدعت ضلالت ہے' الیٰ آخرہ' ہم کہتے ہیں اس میں بھی بدعتِ حسنہ کا ثبوت ہے اس لیے کہ نکرہ کو نکرہ کے ساتھ صفت کرنے میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ فائدہ دیتا ہے تخصیص کا، پس صفت ضلالت نے اپنے موصوف بدعت کو جو شامل ضلالت و ہدیٰ کو تھا، خاص کر دیا اور تمیز دے دی بعض افراد کو یعنی بدعتِ ضلالت کو بعض سے یعنی بدعتِ ہدیٰ و حسنہ سے جیسے رجل عالم میں صفت عالم نے تمیز دے دی رجل کو غیر عالم سے۔" [۳]

اِسی طرح مراۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ

---

[۱] رسالہ چہاردہ مسائل بحوالہ مولانا اسمٰعیل اور تقویۃ الایمان ص ۱۱۴

[۲] اشعۃ اللمعات اردو ص ۴۲۴ - جلد اول [۳] انوار ساطعہ ص ۳۴

یہاں بدعت موصوف ہے اور ضلالت صفت۔ اور جب نکرہ نکرے کی صفت ہو تو تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہاں ضلالت کی قید بدعتِ حسنہ کو نکالنے کے لیئے ہے (مرقاۃ) یعنی بُری بدعتوں کا موجد مجرم ہے جیسے اردو میں نماز و اذان۔ یا اور تمام خلافِ سنت کام اور اچھی بدعتوں کا موجد ثواب کا مستحق جیسے علمِ صرف و نحو کے موجد الخ[1]

چوتھی حدیثِ مقدس

فرمایا: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ[2]

میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور فضیلت ہے جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے اِس اُمت کو نوازا کہ آپ کی اُمت جس چیز پر اتفاق کرے گی وہ حق و ثواب ہی ہو گا۔"[3]

مدارج النبوت شریف میں فرمایا:

"اِس اُمت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ یہ ضلالت و گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گی۔ یہ حدیث کثیر سندوں سے مشہور ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری اُمت ضلالت و گمراہی پر مجتمع نہ ہو چنانچہ حق تعالیٰ نے میرے سوال کو قبول فرمایا اور یہ عنایت فرمائی یہ 'اجماع' کی حجت پر دلیل ہے۔"[4]

تکمیل الایمان میں خلفاء اربعہ کی فضیلت کے زیرِ عنوان فرمایا:

"جس چیز پر سب نے اجماع کر لیا، وہ حق ہے۔"[5]

ڈاکٹر خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کے بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نَعْلَمُ اَنَّ الْمُسْلِمِیْنَ کُلَّھُمْ لَا یَجْھَلُوْنَ السُّنَّۃَ۔ (ہم یقینی طور پر جانتے

---

[1] مرآۃ اول ص ۱۴۸ [2] مشکوٰۃ (ترمذی) بحوالہ مکتوبات امام ربانی [3] اشعۃ اللمعات اردو جلد اول ص ۴۹۸

[4] مدارج النبوت اردو اول ص ۲۷۷ [5] تکمیل الایمان اردو ص ۱۵۱

ہیں کہ سارے کے سارے مسلمان کبھی بھی سنت سے ناآشنا نہیں رہ سکتے[۱]

"مخدومِ امم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب 'کشف المحجوب' میں اجماع امت کے تیسرا رکن شریعت ہونے پر اسی حدیث کو دلیل بنایا ہے۔"[۲]

مخالفین کے نامور امام مولانا رشید احمد گنگوہی بھی کہتے ہیں کہ:

"یہ حدیث اجماع کے قطعی ہونے پر دلیل ہے۔"[۳]

مراۃ شرح مشکوٰۃ میں مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں:

"یہ امت کی خصوصیت ہے۔ اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع برحق ہے۔"[۴]

امام یوسف نبہانی، امام عزالدین بن عبدالسلام سے نقل فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ فرمادیا ہے، پس وہ گمراہی پر کسی بھی بنیادی یا فروعی بات میں اتفاق نہیں کرسکتی۔"[۵]

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مسلمانوں کو اس بات سے محفوظ رکھا گیا ہے کہ ساری امت گمراہی پر متفق ہو جائے۔"[۶]

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث مبارک سے استناد فرماتے ہیں۔[۷]

حضرت علامہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی بھی اجماع کے حجت ہونے پر اسی سے استدلال کرتے ہیں[۸]

۱۔ آثار الحدیث جلد اوّل ص۵۵ دارالمعارف اردو بازار لاہور ۱۹۸۹ء

۲۔ کشف المحجوب اردو ص۸۸ ترجمہ ابوالحسنات قادری

۳۔ فتاویٰ رشیدیہ ص۵۸

۴۔ مراۃ اوّل ص۱۷۱

۵۔ جواہر البحار اردو۔ اوّل۔ ص۵۶۹

۶۔ الخصائص صغریٰ اردو ص۳۵

۷۔ دفتر اوّل مکتوب نمبر۸۰

۸۔ دیکھیے سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ۔ ص۱۱۹

اب غور فرمائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی" لیکن مانعین بدعت حسنہ اور قائلین گمراہی یعنی ہر بدعت کو گمراہی کہنے والے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشہور ارشاد گرامی کو پس پشت ڈال کر آپ کی امت کو گمراہی بلکہ گمراہیوں پر جمع مانتے ہیں کیونکہ مانعین بدعت حسنہ کے مطابق ہر بدعت گمراہی ہو تو پھر بیسیوں بدعات پر عمل پیرا ہونے کے باعث خیر الامم کا گمراہی پر جمع ہونا ظاہر ہے جبکہ یہ ناممکن ہے اس لیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے انکار فرما دیا ہے۔

دیکھیے انہی مخالفین کے مایۂ ناز عالم اور دیوبند کے سابق مہتمم جناب قاری طیب بھی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"امت کے ہر ہر دور اور ہر ہر قرن کے لیے یہ بشارت عام ہے کہ وہ گمراہی پر جمع نہیں ہوگا[1] اگر ایک قرن بھی کسی مسئلہ میں گمراہی پر جمع شدہ مان لیا جائے، تو پوری امت پر بحیثیت مجموعی ضلالت کا دھبہ آجاتا ہے جس سے امت کو بڑی شدومد سے بری ثابت کیا گیا ہے"[2]

گویا ہر بدعت گمراہی نہیں ہوتی اسی لیے تو امت ان بدعات حسنہ پر عمل پیرا ہو کر نیکیاں حاصل کر رہی ہے۔ اگر یہ بدعات گمراہی ہوتیں تو امت عملاً جمع نہ ہوتی۔ پس امت کا اجتماع ان بدعات کے استحسان کی زبردست دلیل ہے۔

مدارِ حُسن و قبح

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اقامۃ القیامۃ میں فرماتے ہیں کہ

"جس کام کی خوبی صراحتاً یا اشارتاً قرآن و حدیث سے ثابت ہے وہ بیشک حسن

---

[1]، [2] کلمۂ طیبہ ص ۔۔۔

ہوگا، چاہے کہیں واقع ہو۔ اور جس کام کی بُرائی تصریحاً یا تلویحاً وارد وہ بے شک قبیح ٹھہرے گا خواہ کسی وقت میں حادث ہو۔"[۱]

جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے سُنیے فرماتے ہیں:

ہرچہ پیدا شدہ بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت است و از آنچہ موافق اصول و قواعدِ سنت است و قیاس کردہ شدہ است بر آں آنرا بدعتِ حسنہ گویند و آنچہ مخالفِ آں باشد بدعتِ ضلالت خوانند۔[۲]	جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوا بدعت کہلاتا ہے اور اس میں سے جو کچھ اصول و قواعد سنت کے مطابق ہو اور کتاب و سنت پر قیاس کیا گیا ہو بدعت حسنہ کہلاتا ہے اور جو ان اصول و قواعد کے خلاف ہو اسے بدعت ضلالت کہتے ہیں

مرقات میں حضرت ملا علی قاری، حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(ترجمہ) "اگر کوئی ایسی چیز ایجاد کی گئی ہو جو کتاب و سنت، آثارِ صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو تو وہ گمراہی ہے اور اگر ایسی اچھی بات ایجاد کی گئی ہو جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو تو وہ بُری نہیں۔"[۳]

اور ایسا ہی امام شافعی سے اعلیحضرت نے اقامۃ القیامہ ص۳۳ میں اور امام جلال الدین سیوطی نے حسن المقصد فی عمل المولد میں نقل فرمایا ہے (علیہم الرحمۃ)

امام ابن حجر عسقلانی سے منقول ہے، فتح الباری میں فرماتے ہیں:

(ترجمہ) "بدعت اگر ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی ہے۔ اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بُری ہے۔ اور جو دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو تو وہ قسم مباح سے ہے۔"[۴]

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: آپ فرماتے ہیں:

"جو بات کتاب و سنت کے موافق ہو، اسے قبول کر لو اور جو موافق نہ ہو، اسے چھوڑ دو۔"[۵]

---

[۱] اقامۃ القیامۃ ص۳۲ [۲] اشعۃ اللمعات باب الاعتصام (لکھنؤ) [۳] مرقات اول ص۱۹۱

[۴] اقامۃ القیامۃ ص۳۳ [۵] عجائب الفقہ مقدمہ ص۳۸، شبیر برادرز۔ لاہور

محدث و فقیہ علامہ سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں:

"اگر کوئی نئی بات اصول و قواعد شرع کے خلاف ہو اس کو بدعت سیئہ (بری بدعت) اور جو موافق ہو اسے بدعت حسنہ (اچھی بدعت) کہتے ہیں"۔[1]

علامہ شبلی نے الغزالی میں احیاء العلوم کا ترجمہ یوں نقل کیا کہ

"بدعت ناجائز صرف وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو جس سے شریعت کا کوئی حکم باوجود بقائے علت کے باطل ہو جائے ورنہ حالات کے اقتضا کے موافق بعض ایجادات مستحب اور پسندیدہ ہیں"۔[2]

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدعت دو قسم ہے سیئہ جو برخلاف ہو ماجاء بہ الرسول کے اور دوسری حسنہ جو زیر عموم حکم خدا اور رسول کے داخل ہو۔[3]

مولانا عبد السمیع رامپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خواہ کوئی فعل ہو یا قول یا اعتقاد، اس کا حسنہ اور سیئہ ہونا موقوف زمانہ پر نہیں بلکہ اس کا مدار مخالفت اور عدم مخالفت شرع پر ہے۔[4]

مخالفین کے مفتی اعظم محمد شفیع کراچوی لکھتے ہیں:

"جو عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحتاً، یا اشارتاً وہ بدعت نہیں ہو سکتی"۔[5]

مولانا عبد الحق دیوبندی اکوڑہ خٹک کہتے ہیں: "ہر امر شرعی کہ موافق شرع ہو وہ حسنہ ہے، خواہ وہ دنیا کا کام ہو یا آخرت کا؛ اور ہر امر جو شریعت کے خلاف ہے سیئہ ہے" (دعوات حق جلد دوم ص ۵۰)

جناب عامر عثمانی فاضل دیوبند کہتے ہیں:

دیگر امور جو کسی حکم شرعی کے خلاف نہ ہوں باعتبار دور مبارک کے لغتاً بدعت ہوں ان پر شریعت کو کچھ اعتراض نہیں؛ ہاں اگر ان سے کوئی حکم شرعی ٹوٹتا ہے تو بے شک شریعت

---

[1] دین مصطفیٰ ص ۲۰۵
[2] الغزالی ص ۴۲ مطبوعہ کراچی
[3] فتاویٰ مہریہ ص ۲۳
[4] انوار ساطعہ ص ۳۳
[5] سنت و بدعت ص ۱۲-۱۱

ان پر معترض ہوتی ہے۔"[1]

حضرت سید یوسف سید ہاشم رفاعی (کویت) کا فیصلہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ یہ ہے کہ جو عبادت اور کارِ خیر شریعت کے مخالف نہ ہو بلکہ موافق ہو، اسے قبول کرلیا جائے اور جو مخالف ہو، اسے رد کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی وہ سنت اور یہی وہ طریقہ ہے جس پر آپ کے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام عمل پیرا ہوئے اور علمائے کرام نے اسی سے یہ قاعدہ مستنبط کیا کہ ہر نو پیدا چیز کو شریعت کے قواعد اور اس کی نصوص پر پیش کرنا ضروری ہے۔ شریعت جس کے حسن کی گواہی دے وہ حسن اور مقبول ہے اور جس کے خلاف اور قبیح ہونے کی گواہی دے وہ مردود ہے اور بدعت مذمومہ ہے۔ بعض اوقات پہلی قسم کو نو پیدا ہونے کے سبب لغوی طور پر بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں ورنہ واقع میں وہ شرعی بدعت نہیں ہے بلکہ وہ سنتِ مستنبطہ ہے کیونکہ شریعت کے دلائل و شواہد اس کے مقبول ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔"[2]

چنانچہ ہمارا دعویٰ ہے کہ خواہ کوئی فعل ہو اس کا اچھا یا برا ہونا زمانۂ ایجاد پر موقوف نہیں بلکہ اس کا انحصار محض موافقت[3] اور مخالفتِ منشائے شریعت پر ہے۔

اب یہ قاعدہ کہ

"جس کسی فعل کا نام و نشان صراحتاً و تشریحاً ظاہری زمانۂ نبوت میں تھا وہ اچھا ہے اور بعد میں جاری ہونے والا برا" ——— درست قاعدہ نہیں ہے۔

اور یہ قاعدہ کہ

"جس امر کا منشا شریعتِ مقدسہ میں موجود نہ ہو وہ مردود ہے اور وہی بدعتِ ضلالت

---

[1] بدعت کیا ہے ص ۲۳۷ [2] اولۃ اہل سنت والجماعت (اسلامی عقائد)

[3] مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ قرآن اور تفسیری حاشیہ یوں موید ہیں: وَعَمِلَ صَالِحًا۔ پ۶۔ المائدہ (۶۹)۔ ترجمہ: اور کارگزاری اچھی کرے۔ تفسیری حاشیہ "یعنی موافق قانونِ شریعت کے"۔ پس اب کسی اشرفی کو اس قاعدہ سے انکار نہیں کرنا چاہیے (مؤلف)

بھی یعنی کسی امر کا باعث ظاہری زمانہ رسالت میں موجود ہو یا نہ ہو، اور موجود ہونے کی صورت میں اگرچہ مانع بھی کوئی نہ ہو، اور حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے نہ کریں، یا آپ سے اس کا صدور منقول نہ ہو، اسی وقت بدعتِ سیئہ ہو گا جب مزاج اسلام کے خلاف ہو گا اور اگر اس امر کا منشا شریعت کے مطابق ہو گا تو بدعتِ حسنہ، نیک اور جائز ہو گا" ——————— ایک درست قاعدہ ہے۔

دیگر ہم نے احادیثِ مبارکہ پیش کی ہیں، خصوصاً پہلی حدیث شریف پر غور فرمائیں، اس میں لفظ 'من' دو بار وارد ہوا ہے۔ یہ 'من' عام ہے جو نہ تو زمانہ سے مقید ہے اور نہ ہی کسی خاص طبقۂ امت سے، گویا جب بھی اور جس زمانہ میں بھی امت میں سے جو شخص بھی سنتِ حسنہ رائج کر دے اُسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ مستحقِ ثواب بھی ہے اور یہ استحقاق خود سرکارِ دو عالم فخرِ آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے، یا جو شخص بُرا طریقہ جاری کر دے وہ سخت ترین گنہگار ہے۔[۱] پس امت میں سے جو شخص بھی ایسا امر جاری کر دے جو دین کی منشا کے

---

[۱] علامہ سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں: "اگر کوئی نیک کام کرے تو وہ نیک ہی قرار پائے گا۔ اس کے فسق کی وجہ سے وہ کام قبیح نہیں ہو جائے گا (فیوض الباری پ ۳ صفحہ ۳۴۷) جیسا کہ حجاج بن یوسف نے قرآن کریم پر اعراب لگائے۔

سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی فرماتے ہیں:

"کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ تائید و تقویت فتور اور فجور والے لوگوں سے بھی ہو جاتی ہے، جیسا کہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے ایک فاجر شخص کی تائید کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاجر شخص سے بھی کر لیتا ہے (دفترِ اول مکتوب نمبر ۱۷، ۳۳)

اکوڑہ خٹک والوں کی "دعوات حق، باب ۵، صفحہ ۳۶۲" میں بھی ایسا ہی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی اپنے حاشیۂ قرآن میں لکھتے ہیں: "اچھی بات گو کافر کی ہو کسی درجہ میں اچھی ہے" (آلِ عمران ۲۵)

پس کسی مبتدع و مسرف شخص کے جاری کیے ہوئے نیک کام کو بُرا کہنے کا جواز نہ رہا۔ ورنہ کہنا ہو گا کہ انہیں نیکی کرنی جائز نہیں اور یہ بالاتفاق باطل ہے۔ (مؤلف)

خلاف نہ ہو، بلکہ دین میں شغف کی تقویت کا باعث ہو یعنی موافقت شریعت میں طریقۂ حسنہ جاری کردے اسے ثواب ہوگا۔

پتہ چل گیا کہ حدیث شریف نے کسی نو ایجاد امر کے حسن و قبح کے لیے کسی طبقۂ امت کو خاص نہیں فرمایا اور نہ ہی زمانۂ اجرا کی قید لگائی ہے بلکہ قید اگر ہے تو حسنہ اور سیئہ کی ہے، اور یہی ہمارا دعویٰ ہے۔ معلوم ہوا کسی امرِ خاص کے لیے حسنہ[1] اور سیئہ کی قید چھوڑ کر زمانۂ اجرا کی قید لگانا دین میں مداخلت، خوفِ خدا سے بغاوت اور بجائے خود بدعتِ ضلالت ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

وجوب بدعتِ حسنہ

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ ضروری نہیں کہ بدعت کو نامناسب ہی کہا جائے کیونکہ بہتری بدعتیں ایسی ہیں کہ نیک اور پسندیدہ ہیں۔ امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں، نماز تراویح کو باجماعت ادا کرنا امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے؛ لیکن یہ ایک نیک بدعت ہے۔ پس وہ بدعت جسے قابل مذمت کہا جا سکے وہی ہوگی جو خلافِ سنت ہو۔[2]

"ہر ایک نو ایجاد بدعت کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ممانعت اسی بدعت کی ہے جس کے مقابل کوئی سنت قائم ہو اور باوجود کسی امرِ شریعت کے قائم رہنے کے اس امر کو دور کر دے بلکہ بعض احوال میں جب اسباب بدل جاویں، بدعت کا ایجاد

---

[1] حسنہ کہنے سے مراد بدعت میں حسن پیدا کرنا نہیں بلکہ ان امور کا استحسان بیان کرنا ہے جو بطور بدعت معروف ہو چکے ہیں؛ ترویجِ سنت کا باعث ہیں اور لغوًا بدعت شمار ہوتے ہیں ان امور کی اصل سنت ہونے کی بنا پر اگر کوئی بدعتِ حسنہ کی بجائے سنت کہے تو گویا یہ بھی جائز ہے۔ (مؤلف)

[2] کیمیائے سعادت اردو صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ لاہور

واجب ہو جاتا ہے۔[۱]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور وہ بدعت جو سنت کو بدل دے وہ مردود و مذموم ہے اور یہ مسلّم قاعدہ ہے لیکن وہ جو ایسی نہ ہو بلکہ سنت کو تقویت دینے والی اور رواج دینے والی ہو اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ یہ مصلحت و حکمت کی رعایت کی بنا پر جائز ہے علما فرماتے ہیں کہ بعض بدعتیں ایسی ہیں جن کا کرنا واجب ہے۔"[۲]

"اور جو بدعات حسنہ ہیں ان میں سے بعض کا اختیار کرنا واجب و ضروری ہے، جیسے علمِ صرف و نحو کا سیکھنا سکھانا کہ اسی کے ذریعے آیات و احادیث کے معانی کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح کتاب و سنت کے غرائب اور مشکل مقامات کا حفظ اور ذہن نشین کرنا اور دوسری بہت سی چیزیں اور علوم جن پر دین و ملت کی حفاظت موقوف ہے۔"[۳]

شامی جلد اوّل کے حوالے سے منقول ہے (ترجمہ)

"بدعت کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں والوں پر رد کے دلائل قائم کرنا اور علمِ نحو کا سیکھنا جو قرآن و حدیث سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔"[۴]

اب دیکھیے مشاہیر اُمت فرماتے ہیں، بدعت کا ایجاد واجب بھی ہو جاتا ہے یا بعض بدعتیں ایسی ہیں کہ جن کا کرنا واجب ہے تو کیا اب جو بدعت واجب ہے، وہ سیئہ ہو سکتی ہے، یا بدعتِ سیئہ کا کرنا واجب ہو سکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔

---

[۱] احیاء العلوم جلد دوم اردو ص۹ ترجمہ محمد احسن صدیقی۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں کہ احیاء العلوم قرآن مجید کے لگ بھگ ہے (الغزالی ص۳۹)۔ امداد المشتاق ص۹۲ ملفوظ نمبر ۱۸۳، ملاحظہ ہو مرقوم ہے کہ "ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور ایک کتاب پڑھی جاتی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمال توجہ سے سُن رہے ہیں۔ دریافت فرمایا یہ کون سی کتاب ہے، عرض کیا گیا احیاء العلوم حجۃ الاسلام امام غزالی کی ہے۔"

[۲] مدارج النبوت اردو اول ص۵۱

[۳] اشعۃ اللمعات اردو جلد اول ص۳۲۲

[۴] عجائب الفقہ ص۹۱ بشیر برادرز اردو بازار۔ لاہور

لیکن ہمارے اکابر تو بعض بدعات کو واجب فرما رہے ہیں۔ اور جب واجب فرما دیا تو ضرور یہ نیک اور جائز ہوں گی، ورنہ وجوب بدعت کے حکم کی ضرورت؟

مولانا عبد السمیع رامپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیے:

"واجب اور مستحب اور مباح وہی چیز ہو سکتی ہے جس میں رنگ حسن موجود ہو اور اسی حسن کے سبب ایسی بدعتوں کو صفت حسنہ نصیب ہوئی۔" [1]

پس واجب بدعت کے لیے حسنہ ہونا ضروری ہو گیا۔

اگرچہ اب تمام شکوک و شبہات دُور ہو جانے چاہییں لیکن پھر بھی حدیث "کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ" کی آڑ میں کوئی شبہ باقی ہو، تو مانعین بدعت حسنہ، اور عادی متشککین سے ہماری درخواست یہ ہے کہ وُہ ان احادیث میں مطابقت قائم کر دکھائیں کیونکہ بظاہر ان میں تضاد موجود ہے اور ہمارے نزدیک تطبیق کی یہی صورت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں بدعت کو عام رکھا ہے وہاں بدعتِ سیئہ مراد لی جائے [2] اور جہاں خاص فرمایا ہے وہاں اسی تخصیص کا لحاظ رکھتے ہوئے بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی تقسیم درست مان لی جائے۔ بصورتِ دیگر اگر "کل بدعۃ ضلالۃ" کی عمومیت کے پہلے ہر نئی بات اور نئے طریقے کو بدعتِ سیئہ مان لیا گیا تو "مَا لَیْسَ مِنْہُ" اور "مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً" کی توجیہہ کیا ہو گی؟

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تو نئی بات کو سنتِ حسنہ بھی فرمایا ہے۔ اب کوئی سلیم العقل اور صاحبِ ایمان اس سنتِ حسنہ کو گمراہی کہنے کی جسارت

---

[1] انوار ساطعہ ص ۳۲-۳۱

[2] مخالفین کے جناب مولوی خرم علی صاحب بھی کہتے ہیں کہ

"جہاں کہیں بدعت کو مطلق چھوڑتے ہیں، بدعت سیئہ مراد ہوتی ہے۔"
(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل۔ حاشیہ ص ۲)

کیونکر کر سکتا ہے (نعوذ باللہ)

پھر حدیث عرباض رضی اللہ عنہ میں کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ [1] سے متصل پہلے ارشاد ہوا کُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ " ہر نئی چیز بدعت ہے۔ اب یہ عمومیت تو

---

[1] بدعت حسنہ کے مخالفین کے مفتی اعظم مفتی محمد شفیع دیوبندی (کراچوی) نے "سنت و بدعت ص۲۵" میں اسے نقل کیا اور صفحہ ۱۳ پر بحوالہ مسلم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سے کل محدثة بدعة کا جملہ بھی نقل کیا جس سے ظاہر ہے کہ ہر احداث بدعت ہے ——— لیکن اِن نامور مفتی اعظم صاحب نے حدیث پاک سے عمداً و دانستہ روگردانی کی۔ اور دین و دیانت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہہ دیا کہ "یہ سب چیزیں، مروجہ مدارس، اسلامیہ اوقت تعلیمی تبلیغی انجمنیں اور دینی نشر و اشاعت کے ادارے اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لیے صرف و نحو اور ادب عربی اور فصاحت و بلاغت کے فنون یا مخالف اسلام فرقوں کا رد کرنے کیلئے منطق و فلسفہ کی کتابیں یا جہاد کے لیے جدید اسلحہ اور جدید طریق جنگ کی تعلیم وغیرہ۔ ——— نہ اپنی ذات میں عبادت ہیں، نہ کوئی ان کو اس نیت سے کرتا ہے کہ ان میں زیادہ ثواب ملے گا، بلکہ وہ چیزیں عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ ہونے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں۔ گویا یہ احداث فی الدین نہیں بلکہ احداث للدین ہے اور احادیث میں ممانعت احداث فی الدین کی آئی ہے احداث للدین کی نہیں"۔ (سنت و بدعت ص۱۲، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ص۸)

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مفتی صاحب نے احادیث بھی نقل کیں، اور ہر احداث کے بدعت اور ممنوع ہونے کا انکار بھی کر دیا، اور من گھڑت فتویٰ جاری کرتے ہوئے احداث کی دو قسمیں، احداث فی الدین اور احداث للدین بھی وضع کیں۔ پھر حدیث پاک کل محدثة بدعة کا کھلا انکار کیا اور کہا، احادیث میں ممانعت احداث فی الدین کی آئی ہے، احداث للدین کی نہیں۔ (استغفر اللہ) ۔ یہاں "کُل" میں کیا للدین اور فی الدین دونوں شامل نہیں؟ اگر حدیث پاک کی اس طرح کھلی مخالفت پر مفتی اعظم کا خطاب ملتا ہے تو ان ہی مفتی صاحب کو مبارک ہو۔

لیکن مفتی اعظم کا خطاب ہی کیا ہے، اِس مکتبۂ فکر میں تو ایسے کارناموں پر حکیم الامت کا خطاب بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ مکتبۂ فکر جنہیں حکیم الامت کہتا ہے وہ بھی اپنی حکمت کے موتی لٹاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"دین کے متعلق کسی ایجاد کی دو قسمیں ہیں ایک احداث فی الدین اور ایک احداث للدین۔ اول بدعت ہے اور دوسری قسم چونکہ کسی مامور بہ کی تحصیل و تکمیل کی تدبیر ہے خود مقصود بالذات نہیں لہٰذا بدعت نہیں۔ (الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص۲۱)

"یک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین۔ احداث للدین معنیٰ سنت ہے" (باقی حصہ اگلے صفحہ پر)

مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکروں کا استعمال، تار، گھڑی، نئی نئی سواریاں اور چھلنی وغیرہ کو بھی بدعت ثابت کرتی ہے، تو کیا یہ سب گمراہیاں ہوگئیں! لفظ "کل" تو دونوں جملوں میں موجود ہے۔ دیگر قرآن پاک میں قوم عاد کی تباہ کی گئی بعض اشیائے عالم کو بھی آیۃ کریمہ "تدمر کل شیئ بامر ربھا" میں لفظ "کل" ہی سے بیان فرمایا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، بلقیس کو ہر چیز دی گئی (پ ١٩ ع ١٦) ایک اور مقام پہ فرمایا: وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا (طٰہٰ ٥٦) "اور ہم نے دکھلائیں فرعون کو سب نشانیاں" (ترجمہ محمود الحسن)

مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر کو کل کا حکم ہوتا ہے (تفسیر مظہری اردو جلد اول ص ٥٦) مذکورہ حدیث پاک کے بارے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد (یہ دونوں آیتیں ذکر کیں) عام مخصوص البعض ہے۔ (مسلک امام ربانی ص ٣٢٩)

بلکہ "کل محدثۃ بدعۃ" کی بحث میں تو مخالفین کے حکیم الامت اور مفتی اعظم بھی للدین اور فی الدین کی تقسیم کے ساتھ بعض نئے امور کو بدعت سے خارج کر چکے ہیں! لہٰذا ہماری تخصیص انوکھی بات نہیں؛ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مانعین بدعت حسنہ کا استدلال درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

(بقیہ حصہ صفحہ گذشتہ) اور احداث فی الدین بدعت ہے" (الافاضات الیومیہ۔ حصہ اول ص ٢٤٠)

مخالفین کے مفتی اعظم اور حکیم الامت کی بیباکی ملاحظہ کریں کہ حدیث پاک کی مخالفت کس زور سے کر رہے ہیں —— ہم انشاء اللہ آئندہ صفحات میں ان کے للدین اور فی الدین کا علیحدہ جائزہ بھی لیں گے — یہاں صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ حدیث پاک کے مخالفین کو بدعتی قرار دینے کی بجائے بعض لوگ انہیں اپنا مفتی اعظم اور حکیم الامت بنائے بیٹھے ہیں۔ اب فرمائیے ان لوگوں کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسا ایمان ہے۔ اور یہ لوگ احکام شریعت کا کس قدر مذاق اڑاتے ہیں (نعوذ باللہ)۔ ان لوگوں سے بچیئے! اگر ان کی تقسیم درست ہے تو حسنہ اور سیئہ کی کیوں نہیں۔ ماننا ہوگا کہ یہ تقسیم بھی درست ہے۔

فرقِ مراتب

ایمان کی ضد کفر ہے[1] یا بدعت سیئہ اعتقادیہ ہے اور بدعتِ عملی ایمان کی ضد نہیں ہے یا گر سیئہ ہو تو سنت حسنہ (جس پر عمل سے ثواب ہوتا ہے) کی ضد ہے لہٰذا یا پھر سنتِ حسنہ کی ضد ہونے کی بنا پر سیئہ ہو جائے گی ورنہ حسنہ ہو گی یعنی سنت کی معاون اور اسے رواج دینے والی۔

دیکھیے حدیث شریف میں اجرائے سنتِ حسنہ پر مژدہ ثواب اور اجرائے بدعتِ سیئہ پر وعید گناہ موجود ہے اور ثواب و گناہ کا تعلق ایمان سے ہے، ضدِ ایمان (یعنی کفر) سے نہیں۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں ارشاد ہوا:

"من سن فی الاسلام سنة سیئة کان علیه وزرها"

اگر عملی بدعتِ سیئہ ضدِ ایمان ہوتی تو "کان علیه وزرها" کی جگہ "فصل اداضل" یا "لادین لمن سن سنة سیئة" ایسے الفاظ ہوتے، جبکہ ایسا نہیں ہے گویا عملی بدعتِ سیئہ سنتِ حسنہ کی ضد ہے نہ کہ ایمان کی۔ گویا کفر اور ہے اور بدعتِ عملی کچھ اور۔ پس جب کفر اور بدعتِ عملی میں مغائرت و اجنبیت موجود ہے تو شریعتِ پاک میں ان کے احکام بھی جُدا جُدا ہوں گے۔

---

[1] ماہر القادری، ابوبکر جابر الجزائری اور سید مشتاق علی ندوی بھی لکھ چکے ہیں کہ "بدعت سنت کی ضد ہے" (بدعت کیا ہے صہ ۴۲۔ محفلِ میلاد صہ ۱۰ مطبوعہ جدہ)

مولانا عبدالسمیع رامپوری فرماتے ہیں "بدعت مقابلِ سنت ہے اور کفر مقابلِ ایمان" (انوار ساطعہ صہ ۳۱)

[2] امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہلسنت و جماعت کی جو سات نشانیاں متعین فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ "کسی مومن کو گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہے" (سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ صہ ۱۸۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"کبیرہ گناہ مومن کو ایمان سے محروم نہیں کرتا ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ گنہگار فاسقوں کی نمازِ جنازہ ادا کرتے رہے ہیں ان کے واسطے دعا و استغفار کرتے رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار اسلام سے خارج نہیں ہوتا" (تکمیل الایمان اردو صہ ۱۰۳ مکتبہ نبویہ لاہور)

اَب کفر (ضدِ ایمان) کے بارے میں حکمِ قرآنی ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہوا:
وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔ (پ۵۔ نساء: ۱۳۶)

اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو وہ ضرور دُور کی گمراہی میں پڑا۔[1]

ہماری ہدایت و نجات کی ضامن کتاب اللہ نے کفر (جو ایمان کی ضد ہے) کے لیے لفظ 'ضلال' کا اطلاق فرمایا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ بدعتِ عملی اور کفر کے احکام مختلف ہوں گے بلکہ اسی اختلاف کی وضاحت میں عیسائیوں کی رہبانیت کی بدعت، (جو بدعت عملی کی بہترین مثال ہے) کے استحسان پر ہماری پہلے سے پیش کردہ نصِ قرآن ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ پس بدعت کو ضلالت بمعنی عام بدعت نہیں لیا جاسکتا جبکہ کل بدعۃ ضلالۃ" میں بدعت کو ضلالت سے موسوم فرمادیا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں "عام مخصوص البعض کے قانون کے مطابق "بدعتِ سیئہ اعتقادیہ مراد ہوگی نہ کہ عام بدعت اور بدعتِ سیئہ اعتقادیہ ہی ایمان کی ضد کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اگر کہیں یہی مراد ہو تو پھر یقیناً ضلالت ہے۔ ایسے میں بدعتی کی منشاء رضائے الٰہی کی بجائے عقائدِ حقہ کی مخالفت ہوگی جو سراسر گمراہی ہے کیونکہ ایمان تو صحیح الاعتقادی[2] اور حصولِ رضائے الٰہی کی غرض کا نام ہے۔

حضرت علامہ سید یوسف سید ہاشم رفاعی (الکویت) محدثِ جلیل شیخ عبد اللہ محمد صدیق کی رائے کے تحت فرماتے ہیں کہ

"بغیر کسی استثناء کے جو بدعت ضلالت ہے وہ بدعتِ اعتقادیہ ہے مثلاً وہ عقائد جو معتزلہ، قدریہ، مرجیہ وغیرہم نے سلف صالحین کے عقائد کے خلاف نکالے یہ بدعت سیئہ اعتقادیہ ہیں[3] معلوم ہوا بعض بدعات گمراہی ہیں بعض گناہ اور بعض ثواب۔ پس ہر بدعت کو گمراہی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس کی مختلف صورتوں کے فرق کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔

---

[1] کنز الایمان ، [2] اس سے مراد اصول شریعت سے موافق اعتقاد ہے۔
[3] اسلامی عقائد صفحہ ۸۱ ۔ مکتبہ قادریہ، لاہور ۔ اردو ترجمہ ادلۃ اہل السنت والجماعت)

دیکھیے فیوض الباری شرح بخاری میں مرقوم ہے،

"شریعت کا جو حکم اور ہدایت جس مرتبہ اور درجہ کا ہے اس کو اسی مرتبہ اور درجہ میں رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ شریعت کی کسی ہدایت میں اپنی طرف سے غلو و شدت و سختی مذموم ہے۔ پھر جو حکم یا ہدایت جس درجہ اور رتبہ کا ہے وہ اسی درجہ کی دلیل شرعی ثابت ہو گا۔

شریعت سے جاہل اور جبلی متقی اس مرض میں مبتلا دیکھے گئے ہیں کہ وہ بعض مسائل میں بےجا شدت و غلو کرتے ہیں اور بزعم خود سمجھتے ہیں کہ ہم تبلیغ کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ تبلیغ نہیں فتنہ و فساد پھیلا رہے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب، فرزند اعلیحضرت ایک ضابطہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

...... ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرق مراتب نہ کرے اور ایک مرتبہ کی بات کے لیے اس سے اعلیٰ مرتبہ کی دلیل مانگے، وہ جاہل بیوقوف ہے یا مکار فیلسوف۔ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد۔"[1]

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بہر حال فرق مراتب نہ کرنا جنون نہیں تو بد مذہبی ہے، بد مذہبی نہیں تو جنون ہے۔"[2]

مولانا شبیر احمد عثمانی سورۃ الحجرات کی دوسری آیت کے تحت کہتے ہیں:

"فرق مراتب نہ کرنے سے بہت سے مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔"[3]

مولانا عبدالسمیع فرق مراتب کو مدنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پس ایک بدعت وہ نکلے گی جو ضلالت نہیں۔ پھر ایسی بدعت اگر ضابطہ اباحت میں داخل ہو گی تو مباح ہو گی اور اگر کلیہ استحباب میں شامل ہو گی تو مستحب ہو گی اور اگر قاعدۂ ایجاب کے تحت مندرج ہو گی تو واجب ہو گی۔ انہیں تین قسم کی بدعت کو

---

[1] فیوض الباری۔ پ۳، صفحہ ۲۳ بحوالہ الصارم الربانی صفحہ ۹
[2] انگوٹھے چومنے صفحہ ۱۳۹
[3] تفسیر شبیر احمد عثمانی، تاج کمپنی

بدعت حسنہ کہتے ہیں، کیونکہ واجب اور مستحب اور مباح وہی چیز ہو سکتی ہے جس میں رنگِ حسن موجود ہو۔ اسی حسن کے سبب ایسی بدعتوں کو صفتِ حسنہ نصیب ہوئی"[1]

اور ایسا ہی ہم نے اشکال ششم کے حل میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے بحوالہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہما نقل کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ احمد سعید دہلوی کی کتاب مقاماتِ سعیدیہ ص۱۲۵ اور حضرت علامہ محمد مراد مکی قدس سرہما کے مکتوبات کے حوالہ سے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ "بدعتِ حسنہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت میں داخل ہے اور کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے مطابق اس پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے (یعنی جسے دوسرے علماء بدعتِ سیئہ کہتے ہیں حضرت مجدد اسے بدعت کہتے ہیں اور جسے دیگر علماء بدعتِ حسنہ کہتے ہیں حضرت مجدد اُسے سنت پر محمول فرماتے ہیں)۔ اور یہ محض نزاع لفظی ہے۔"[2]

گویا حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی کل بدعة ضلالة میں بدعت اور گمراہی وہی ہے جسے دیگر علماء بدعتِ سیئہ اور گمراہی کہتے ہیں۔ ہر بات آپ کے نزدیک بھی گمراہی نہیں اور جو نئے امور گمراہی نہیں انہیں بدعتِ حسنہ کی بجائے سنت جانتے ہیں۔

لہٰذا فرقِ مراتب بہت ضروری ہے۔ حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

یعنی فرقِ مراتب نہ کرنے والا زندیق ہے۔

---

[1] انوارِ ساطعہ ص۳۲-۳۱ [2] مسلکِ امام ربانی ص۳۲۷-۳۲۴

سنّت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

حضور سرکار ابد قرار، مدنی تاجدار عرش و فرش کے شہریار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ [1]

کیونکہ میرے بعد تم میں سے جو شخص بھی زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ لہٰذا تم میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنّت پر قائم رہنا۔

اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی مکتوبات شریف میں "اَلَّذِیْنَ ہُمْ عَلٰی مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مقام پر صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کافی ہونے کے باوجود صحابہ کرام کا ذکر ممکن ہے یہ ظاہر کرنے کے لیے ہو کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے صحابہ کرام کا ہے اور نجات کا طریقہ صرف ان کی اتباع کے طریقے سے وابستہ ہے۔" [2]

پس اب ہم اپنے زیر بحث اختلاف کے حل کیلئے سنّت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اور نہایت ہی جلیل المرتبت خلیفۂ دوم رضی اللہ عنہ کا قول و فعل پیش کر دیتے ہیں تاکہ ہر قسم کا اختلاف دور ہو جائے۔ سُنیے! یہ ان کا قولِ مقدّس ہے جن کے طریقہ سے طریقہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی بھی خوب نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ مرادِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بھی ہیں اور ترجمان و ہمزبانِ نبوت بھی۔ عشرہ مبشرہ میں شامل بھی [3] اور علم راسخ میں کامل بھی۔ حق اس ہدایت یافتہ خلیفۂ راشد کی حمایت کرتا ہے اور شیطان سائے سے بھاگتا ہے۔ [4]

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام، اربعین نووی، ریاض الصالحین

[2] دفتر اول مکتوب ۔۔ [3] مشکوٰۃ شریف (وعمر فی الجنۃ)

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ ۔[1]

اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ یَقُوْلُ بِہٖ ۔[2]

اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق رکھ دیا جسے وہ بولتے ہیں۔

مَا لَقِیَکَ الشَّیْطَانُ سَالِکًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَکَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّکَ[3]

شیطان تم سے نہیں ملتا کسی راستہ میں چلتا ہوا مگر وہ تمہاری راہ کے علاوہ دُوسری راہ چلتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ ساری اُمّت انہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایسے منفرد لقب سے یاد کرتی ہے۔ پھر یہ قول و فعل بھی ایسا ہے کہ امت میں سے کسی نے بھی تو انکار نہیں کیا۔ کبھی بھی تو اس کی تردید واقع نہیں ہوئی اور اس پر ایسا اجماعِ اُمّت ہے کہ کہیں مشکل ہی سے ملے پھر مخالفینِ بدعتِ حسنہ بھی تو اس کی قوّت سے اِنکار نہیں کر سکے۔

یہ بات بھی خوب ذہن نشین رکھی جائے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بِلا واسطہ فیض یافتہ درسگاہِ نبوّت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلمیذِ کبیر ہیں۔ لہٰذا وہ احادیث کو خوب سمجھتے ہیں اور ہم سے زیادہ فہم وادراک کے مالک ہیں۔ صرف حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی قرآن فہمی کو حق بتلانے والے خوب غور فرمائیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا احادیث بھی ضرور سنی ہوں گی۔ اور آپ بدعت اور بدعتی کے مفہوم سے بھی ضرور آگاہ ہوں گے، بلکہ آپ کی شان میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

---

[1] مشکوٰۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ   [2] ایضاً

[3] مشکوٰۃ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ، بخاری جلد ۱ ص ۵۲۱ باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ

"تم میں سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں (اس وقت) کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔"[1]

اِس مختصر تمہید کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ملاحظہ کیجیے۔ فرمایا:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ ۔[2]

یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

غور فرمایا آپ نے کہ حضرت نے یہ الفاظ کب اور کیوں ارشاد فرمائے؟ ہم نقل کرتے ہیں۔ توجہ فرمائیں، سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے منسوب غنیۃ الطالبین میں ہے:

"نماز تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے۔ آپ نے ایک یا دو یا تین راتیں (باختلافِ روایات) تراویح کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجرۂ مقدسہ سے آپ کے باہر تشریف لانے کے منتظر رہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف نہ لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں (تراویح کیلئے) باہر آجاتا تو تم پر تراویح فرض ہو جاتیں۔"[3]

وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا ۔[4]

"لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو اور تم اس کی ادائیگی سے عاجز آجاؤ۔"

حتیٰ کہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی رضی اللہ عنہما کا کچھ حصہ لوگوں کو یہ نماز متفرق پڑھتے گزرا، باقاعدہ جماعت[5] نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ [2] مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان

[3] غنیۃ الطالبین اردو ص ۳۶۶ ــــ ایسا ہی ابن جوزی نے الوفا (اردو) ص ۵۶۲ میں ــــ اور علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التراویح میں نقل فرمایا (کتاب التراویح ص ۲)

[4] صحیح بخاری باب فضل من قام رمضان [5] دیکھیے کتاب التراویح ص ۲ اور فیوض الباری پ ہشتم ص ۸۸

نے اپنے دورِ خلافت میں سنتِ تراویح کا باجماعت اجرا فرمایا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو بہترین قاری تھے انہیں امام مقرر فرما دیا۔[1] پھر لوگوں کو یہ نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔[2]

اور یوں یہ نمازِ تراویح جب سے اب تک باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ یہ ایک نیا کام تھا۔[3] اس لیے اسے بدعت سے موسوم کیا۔ لیکن دین میں شغف کی تقویت

---

[1] بخاری شریف (فضل من قام رمضان)، مشکوٰۃ: باب قیام شہر رمضان (مختصراً)

[2] فاضل دیوبند ایڈیٹر "تجلی" جناب عامر عثمانی کہتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ "بدعت" شرعی معنی میں نہیں لغوی معنی میں استعمال کیا (بدعت کیا ہے صـ۲۴۳) اس قول عمر رضی اللہ عنہ میں لفظ "بدعت" اگر شرعی معنی میں لیا جائے تو اقوال رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب ہوتی ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کو مطلقاً بالکلیہ مردود ٹھہرایا (بدعت کیا ہے صـ۲۴۵)

ہم کہتے ہیں تکذیب کا قول درست نہیں۔ اگر آپ کے نزدیک یہ درست ہے کہ بدعت کو مطلقاً بالکلیہ مردود ٹھہرایا ہے تو لغوی بدعت بھی تو اسی مطلق میں شامل ہے، لہٰذا وہ بھی مردود۔ ایسے بھی آپ کے بقول تکذیب تو ہو گئی۔ العیاذ باللہ۔ جبکہ ایسا نہیں ہے اور بدعت کو بالکلیہ مردود نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں اس پر خوب روشنی ڈالی ہے؛ پھر سے ملاحظہ کر لیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کا یہ قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کو مطلقاً بالکلیہ مردود ٹھہرایا، کھلا افترا اور واضح بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارۂ اسلامیات لاہور کو ایسی افترا پردازیوں کی اشاعت سے توبہ کی توفیق بخشے۔

[3] ادارۂ اسلامیات لاہور کے محقق ماہر القادری صاحب کہتے ہیں کہ "حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے باجماعت نمازِ تراویح پر مداومت نہیں فرمائی"۔ (بدعت کیا ہے صـ۶۵)

غزالیٔ زماں محدثِ دوراں امام المحدثین سند المتکلمین حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے کنز العمال جلد ۲ صـ۲۸۴ سے ایک حدیث نمبر ۵۷۸۷ نقل فرمائی ہے انہی سے اس کا ترجمہ سنیئے:

"سید القراء حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں امر (حکم) فرمایا کہ اے ابی ابن کعب! لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قراءت قرآن بخوبی ادا نہیں کر سکتے لہٰذا کیا اچھا ہوتا کہ آپ ان پر (امام صلوٰۃ ہونے کی حالت میں) قراءت فرمایا کرتے۔ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا (یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ هٰذَا شَیْءٌ لَمْ یَکُنْ) اے امیر المومنین یہ ایسی چیز ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

کا سبب ہونے کے باعث اچھا تھا دین کے مخالف نہ تھا اس لیے نعمت البدعة (اچھی بدعت) سے ملقب فرمایا۔ اب بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی جماعت موجود تھی، کسی نے بھی اعتراض نہ کیا بلکہ اسے اچھی بدعت جان کر اس پر عمل کیا۔ نہ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ہی اس بدعت حسنہ کو اپنے عمل سے مشرف و ممتاز فرمایا بلکہ تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین، شارحین، متکلمین، اولیائے کاملین، علمائے دین متین اور جملہ مسلمین نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ اس کے بدعت حسنہ ہونے سے کسی بھی طبقہ امت نے انکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی نے یہ کہا کہ چونکہ یہ عمل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالالتزام ثابت نہیں اس لیے ہم کیوں با جماعت پڑھیں۔

ہماری اس مختصر گفتگو سے درج ذیل امور بڑی وضاحت سے ثابت ہو جاتے ہیں :

۱۔ جو کام سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں نہ ہوا، وہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کر دیا[1] اور بشمول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساری امت نے اس پر عملاً اجماع فرمایا۔

۲۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مقدس فعل کو بدعت فرما دیا۔

۳۔ انہوں نے اپنے فعل کو نعمت البدعة (بدعت حسنہ) سے ملقب فرمایا۔

گویا بدعت ہمیشہ سیئہ ہی نہیں ہوا کرتی بلکہ کبھی حسنہ بھی ہوتی ہے۔ یہ آپ سے ثابت، بدعت پر حسنہ کا اطلاق جائز اور آپ کی سنت بھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے پیوستہ)

جو پہلے نہ تھی (یعنی اہتمام خاص کے ساتھ تراویح کی جماعت اس سے پہلے نہ ہوتی تھی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ وَلٰکِنَّہٗ حَسَنٌ) "میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن یہ کام اچھا ہے پس حضرت ابی ابن کعب نے لوگوں کو بیس۲۰ رکعت نماز تراویح پڑھائی"۔ (کتاب التراویح ص۲۱-۱۸ مکتبہ فریدیہ ساہیوال)

[1] غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال ۱۴ھ میں امر تراویح کا استقرار ہوا یعنی اجتماع علی الامام اور اہتمام کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز تراویح کا امر فرمایا"۔ (کتاب التراویح ص۲)

۴۔ بدعتِ حسنہ کا اجرا سنّتِ فاروقی رضی اللہ عنہ ثابت ہوگیا۔

۵۔ بدعت کو نفسہا بُرا سمجھنا، کسی بدعت کو جائز اور حسنہ نہ ماننا یا بدعتِ حسنہ کے اجرا کو خلافِ سنّت جاننا اور اس پہ عمل کو معیوب سمجھنا درست نہیں ہے۔[۱]

۶۔ ہر بدعتِ حسنہ کا اجرا باعثِ ثواب ہے اگر گناہ ہوتا تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے اور نہ ہی امت اجماع فرماتی۔

۷۔ حدیث شریف میں جس بدعتی کی تعظیم میں وعید[۲] وارد ہوئی ہے وہاں اعتقادی و عملی

---

[۱] مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں، "حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید حج کو گئے۔ انہوں نے فرمایا: جب مدینہ جاؤ تو روضۂ اقدس پہ میرا سلام عرض کرنا چنانچہ انہوں نے عرض کیا وہاں سے ارشاد ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہنا۔ بدعتی اس لیے فرمایا کہ ان سے بعض باتیں بصورتِ بدعت صادر ہوتی تھیں اگرچہ واقع میں بدعت (بدعتِ سیئہ) نہ تھیں الخ۔ (اشرف المواعظ ص ۱۵۵) یعنی واقع میں وہ سنت تھیں اور ان کی اصل سنت سے ثابت تھی صرف ظاہر کے لحاظ سے بدعت تھیں، لہٰذا ہر بدعت معیوب نہ ہوئی جیسا۔

صاحب فیوض الباری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں کہ:

"حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کو بدعتِ حسنہ قرار دیا معلوم ہوا ہر بدعت کو بدعتِ سیئہ قرار دے دینا درست نہیں ہے۔ ہر نیا کام اگر شریعت کے خلاف نہیں ہے تو کم از کم مباح کے درجہ میں ہے۔ ہر نئے کام کو حرام و ناجائز قرار دینا زیادتی ہے۔" (فیوض الباری پ ہشتم ص ۸۹)

حضرت سید محمد بن علوی مالکی استاذ الحدیث مکہ مکرمہ فرماتے ہیں:

(ترجمہ) "ہر بدعت حرام نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو نماز تراویح میں ایک امام کے پیچھے لوگوں کو جمع کرنا بھی حرام ہوتا، جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا اور نعمت البدعۃ ھٰذہٖ فرمایا۔"
(جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۹ مطبوعہ مبارکپور بھارت)

[۲] مشکوٰۃ باب الاعتصام۔ "مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔" جس نے بدعتی کی تعظیم و توقیر کی تو بے شک اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی۔

محدث دہلوی فرماتے ہیں: کیونکہ بدعتی کی تعظیم و توقیر میں سنّت کی اہانت اور اس کا استخفاف ہے اور سنت کی اہانت و حقارت اسلام کے ویران کرنے کا موجب ہے۔ اسی قیاس کے مطابق متبعِ سنت کی تعظیم و توقیر اسلام کی آبادی اور اس کی عمارت و ترقی کا ذریعہ ہے کہ اس کے سبب سنّت کی عظمت بڑھے گی اور اسے رواج حاصل ہوگا۔ (اشعۃ اللمعات اردو)

بدعتِ سیئہ کے حامل بدعتی کی تعظیم مراد ہوگی ورنہ[1] تو آپ یہ سنت جاری کرتے
اور نہ ہی اسے "نعمت البدعۃ" سے ملقب فرماتے۔ پھر ان کی اس سنت پر امت
کے لیے عمل بھی ضروری نہ ہوتا بلکہ آپ کی تعظیم بھی جائز نہ ہوتی (معاذ اللہ)۔ جبکہ
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے کہ "اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ"[2] گویا آپ رضی
اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان کے لیے توشۂ آخرت ہے۔ پھر نبی کریم رؤف رحیم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آپ کی سنت کی پابندی ضروری قرار دے دی ہے فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ۔

(تم پر میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت ضروری ہے)

اِس سنت پر پابندی سے عمل کا فائدہ بھی خود ہی ارشاد فرمایا:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ[3]

صحابہ آسمانِ رشد کے روشن ستارے ہیں
رہِ حق کے دکھانے کو یہ نورانی منارے ہیں

آپ نے سنت خلفائے راشدین اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہمیت و افادیت
ملاحظہ کی۔ محولہ بالا ثابت شدہ امور پر ایک اجمالی نظر اور ڈالیے کہ بدعتِ حسنہ کا اجرا
سنتِ فاروقی ہے جس کی پابندی لازم و ضروری اور اس میں ہدایت کی بشارت و ضمانت
بھی اور وہ بھی ناقابلِ ضبطی۔

پس امت میں سے اگر کوئی شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتدا اور خلفائے راشدین رضی
اللہ عنہم کی سنت کی پابندی میں بدعتِ حسنہ یعنی نیک اور اچھا طریقہ جاری کر دے تو

---

[1] جلیل احسن ندوی لکھتے ہیں:
"بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جس نے اسلام کے اندر کوئی ایسا نظریہ (اعتقاد) یا عمل داخل کیا
جو اسلام سے ٹکراتا ہے یا اس سے میل نہیں کھاتا۔" (راہِ عمل ص ۲۵۷ اسلامک پبلیکیشنز لاہور)

[2] مشکوٰۃ باب مناقب الصحابۃ [3] ایضاً

یہ بدعت "مذمومہ" ہرگز نہیں ہوگی۔

اب اگر بدعتِ حسنہ کا اجرا گناہ قرار دے دیا جائے تو سنتِ خلفائے راشدین اور طریقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم پر عمل کیوں کر ہو۔ جب بدعت حسنہ کا اجرا سنتِ فاروقی رضی اللہ عنہ ثابت ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سنتِ فاروقی رضی اللہ عنہ پر عمل ضروری تو یہ گناہ کیسے قرار دی جاسکتی ہے۔ ؎

اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے مطابق سنت خلفائے راشدین اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر عمل میں بھی ثواب نہیں ہے تو اور ثواب کی صورت کیا ہے؟ کیا اس ثواب کا انکار جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عدمِ اعتماد کا مظہر نہیں ہے؟ ؎ٰ اور ہمارے نزدیک تو اصل گمراہی یہی عدم اعتماد ہے۔

؎ اے چشمِ اشکبار، ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

؎ مخالفین کے مولانا اشرف علی تھانوی اپنی نئی بات (بدعت) کو درست اور جائز ثابت کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ایک عمل کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں نے جو لوگوں کے زعم میں ایک نئی بات (بدعت) جاری کی ہے جو اپنے بزرگوں میں اس درجہ نہ تھی اور وہ محاسبہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت بغیر اس کے کام چلنا دشوار تھا۔ اس کی نظیر (مثال) یہ ہے کہ حد خمر (شراب پینے والوں کے لیے سزا کی حد) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقرر اور قائم کی جو نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی، نہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض کرے (معاذ اللہ) جو مجھ پر کیا جاتا ہے کہ وہ کام کرتا ہے جو بزرگوں نے نہیں کیا تو جو جواب اس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوگا، وہی میری طرف سے بھی خیال کر لیا جاوے الخ۔ (الافاضات الیومیہ حصہ اول صہ ۱۸۲ ملتان) ——— ۲۱۹

لیکن کیا کیا جائے انہی کے عامر عثمانی کہتے ہیں: "حصولِ ثواب کے نئے طریقے ایجاد کرنا بربادی اور خسران کا باعث ہیں" ملخصاً "بدعت کیا ہے"

؎ٰ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: "اگر شارع علیہ السلام سے سُننے کے بعد بھی تردد اور قلبی خلجان باقی ہے تو اس سے بہتر کسی اور دین و مشرب کی تلاش کرنا چاہیے (نعوذ باللہ من ذٰلک)۔ ایمان کی حقیقت بس اسی میں ہے جب شارع علیہ السلام سے سُن لو تو اسے قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرو لیکن اگر تم نے اپنی عقل کو ایمان پر مقدم جانا تو تمہارا ایمان عقل پر تو کامل ہو سکتا ہے شارع علیہ السلام پر نہیں" (تکمیل الایمان اردو صہ ۹۲ مکتبہ نبویہ لاہور)

مسلمانوں کی راہ اور ایک تنبیہ

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

تمام امت نے اس بدعتِ حسنہ نعمت البدعۃ ھٰذہٖ کے وجود کو مانا، اسے مستحسن جانا، اس پر عمل کیا اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت اس پر عمل کرتی رہے گی۔ پس بدعتِ حسنہ کو جائز جاننا اور اس پر عمل کرنا ہی مسلمانوں کی راہ ہے بفضلہٖ تعالےٰ ہم نے مسلمانوں کی راہ کو خوب واضح کر دیا ہے اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ وہ بات ضرور درست بھلی ہے جسے مسلمان درست جانیں۔ سنیئے حدیثِ مبارک میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَا رَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ۔

جس کو مسلمان اچھا سمجھیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔[۱]

---

[۱] اسی کے تحت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"مستحب وہ ہوتا ہے، جسے مسلمان اچھا سمجھیں" (برکاتِ میلاد شریف صـ ۲۳)
حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی دامت برکاتہم العالیہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ:
"بدعتِ حسنہ یہ ہے کہ جسے مسلمان اچھا جانیں اور وہ کام قرآن یا حدیث یا سنت یا اجماع کے خلاف نہ ہو۔ (فیوض الباری پ۲۔ صـ ۳۲۶)
سیدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی امامت پر اعتماد ہے تو آیئے ان کی راہنمائی دیکھیے۔ "سوانح بے بہائے امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ" کے مصنف حضرت شاہ ابو الحسن زید فاروقی نقشبندی مجددی نقل کرتے ہیں کہ مسائل کے استنباط و استخراج کے سلسلہ میں آپ کے سات اصول ہیں ان میں سے ایک "عرف و رواج طریقہ ہے جس پر بندگانِ خدا کا عامل ہو۔ (سوانح بے بہائے امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ صـ ۱۱۳)
پھر وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "امام موفق نے سہل بن مزاحم سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی بات یہ تھی کہ وہ مستند اور صحیح کو لیتے اور برے سے دور رہتے تھے۔ وہ لوگوں کے معاملات پر نظر رکھتے تھے اور دیکھتے تھے کہ ان کا صحیح ہونا کیسا ہے اور ان کے امور کس ڈھب پر درست ہوتے ہیں۔
(باقی اگلے صفحہ پر)

دوسری جگہ فرمان عالیشان صادر ہوتا ہے :

اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ ؎۱ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ؎۲ کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔ ؎۳

اب مسلمان جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں وہ تو اچھا سمجھیں اور درست کہیں یعنی کا اچھا سمجھنا اور درست کہنا اللہ تعالیٰ کے یہاں اچھا ہونے کی دلیل بھی ہے تو پھر ہمیں کیا عذر ہے۔ ہم علیحدہ کیوں رہیں، کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

ہم تو مسلمان ہیں لہٰذا ہم پر مسلمانوں کی موافقت ضروری کہ اس راہ سے علیحدہ راہ میں ہلاکت اور دین سے دوری۔ اور یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ کتاب و سنّت کا یہی اعلان ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ قادر قدیر کا ارشاد ہے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے پیوستہ) ——— حضرت امام قیاس کر کے مسئلہ حل کرتے تھے اور جب قیاس میں قباحت پیدا ہوتی تھی، استحسان سے حل کرتے جب تک کہ استحسان ساتھ دیتا تھا اور جب معاملہ نکل جاتا تھا آپ مسلمانوں کے طور طریقوں اور ان کے تعامل کی طرف رجوع کرتے۔

اس بیان سے دو باتیں ثابت ہوئیں کہ پہلے آپ قیاس اور استحسان سے مسئلہ حل کرنے کی سعی کرتے اگر قیاس و استحسان سے راہ سہولت نہیں نکلتی تھی، آپ لوگوں کے تعامل اور عُرف سے مسئلہ حل کرتے تھے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ اصول ستہ (چھ اصول) کے بعد عرف سے حضرت امام استدلال کرتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے ارشاد "ما راٰہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن" (جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے) سے عرف کا دلیل ہونا ثابت کرتے تھے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، ص۱۲۳-۱۲۲)۔

اور اسی طرح ابو زہرہ مصری نے بھی عرف و عادت کے تحت سہل بن مزاحم سے ایسا ہی نقل کیا ہے — دیکھیے حیات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، اردو ص۴۲۔ ملک سنز فیصل آباد۔

؎۱ بخاری جلد ۱ پ ۵، ص۱۸۳، باب ثناء الناس علی المیت، مشکوٰۃ باب المشی بالجنازہ۔ اس حدیث شریف سے مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی استدلال کیا ہے۔ (اشرف المواعظ ص۴۳)

؎۲ پ۲ البقرہ ؎۳ کنز الایمان

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ [۱]

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔ [۳]

مولوی شبیر احمد عثمانی اِس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں "اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اجماعِ امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے"۔ [۴]

اِسی جگہ تفسیر مظہری میں ہے "اتباعِ اجماع واجب ہے"۔ [۵]

تفسیر نعیمی میں ہے کہ اجماعِ امت دلیلِ قطعی ہے۔ اِس کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کفر ہے۔ یہ فائدہ "ویتبع غیر سبیل المؤمنین" سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مخالفتِ اجماع دونوں کی سزا جہنم قرار دی۔ لہٰذا خلافت صدیقی وفاروقی (رضی اللہ عنہم) کا منکر قطعی کافر ہے کہ وہ اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکاری ہے"۔ [۶]

---

[۱] پ۵۔ نساء ۱۱۵

[۲] لیکن ادارۂ اِسلامیات لاہور اور اس کے مقالہ نگاران قرآن اکس ارشاد کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں:
"محض یہ بات کہ بعض طریقے نہ صرف عوام بلکہ خواص میں بھی رائج و مقبول ہو گئے ہیں اور ان کی ابتدا کرنے والوں میں بڑے بڑے نیک لوگ شامل ہیں۔ اِس بات کیلئے کافی نہیں کہ اسے دین سمجھ لیا جائے"۔
(بدعت کیا ہے ص ۲۱۹)

یعنی ان کو جہنم کا ایندھن بننا تو منظور ہے، مسلمانوں کی راہ کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ راہ اور دین سمجھنا منظور نہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ضد اور تعصب نے اِن لوگوں کو کہاں پہنچا دیا!

[۳] کنز الایمان

[۴] تفسیر شبیر احمد عثمانی۔ تاج کمپنی

[۵] تفسیر مظہری۔ اردو

[۶] تفسیر نعیمی پ۵

اَب اللہ تعالیٰ کے پیارے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مزید ارشادات طیبات ملاحظہ کریں۔ فرمایا:

۱۔ یَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ [۱]

جماعت پر اللہ تعالیٰ کا دستِ کرم ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہو گیا، علیحدہ ہی دوزخ میں جائے گا۔

۲۔ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ [۲]

بڑے گروہ کی پیروی کرو، بے شک جو شخص علیحدہ رہا وہ علیحدہ ہی آگ میں جائیگا۔

۳۔ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ [۳]

جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی بچھڑا (علیحدہ ہوا) اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اُتار دی [۴]

۴۔ عَلَیْکَ بِالْجَمَاعَۃِ فَاِنَّمَا یَاْکُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَۃَ [۵]

تم پر جماعت لازم ہے۔ بھیڑیا دُور والے جانور ہی کو کھاتا ہے۔

"بھیڑیا سے مراد شیطان ہے۔"

---

[۱] مشکوٰۃ باب الاعتصام

[۲] مشکوٰۃ باب الاعتصام۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کی اتباع کرو اور چونکہ سچے مذہب اِن چار کے علاوہ مفقود ہو گئے تو ان مذاہب (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ) کی اتباع سوادِ اعظم کی اتباع، اور ان سے باہر نکلنا سوادِ اعظم سے باہر نکلنا ہے (حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کرنے والے غیر مقلدین غور فرمائیں۔ ضیاء) "عقد الجید باب ۳، مترجم ص ۵۱ قرآن محل کراچی" ایسے پروفیسر محمد سرور نے بھی ارمغان شاہ ولی اللہ میں نقل کیا ہے۔ دیکھیے ص ۱۷۲-۱۷۵)

[۳] مشکوٰۃ باب الاعتصام [۴] ڈاکٹر خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر انگلینڈ لکھتے ہیں کہ "یہ کہ (رسی) یہ ہے کہ مومن مسلمانوں کے اجماع سے بغاوت نہ کرے اپنی علیحدہ راہ نہ چلے کیونکہ جو نہ اسلام سے خروج کرنے والا بالآخر اسلام سے ہی نکل جاتا ہے (آثار الحدیث جلد اول ص ۲۵۱) [۵] مشکوٰۃ باب الجماعۃ۔

۵۔ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ ؎۱

اور جماعت اور اکثریت کے طریقے کے پابند ہو۔

الحمد للہ! قرآن مقدس نے مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلنے پر دوزخ کی وعید سنائی تو احادیث مبارکہ نے اس کی تائید و تفسیر بیان فرما دی۔ گویا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب و سنت کے احکام غیر منصوصہ (جو نص سے واضح نہیں ہیں) کی وضاحت سے متعلق غلط اور درست کے فیصلہ کے لیے اجماعِ امت کو معیار مقرر فرما کر اس کی مخالفت کو گمراہی قرار دے دیا ہے۔

مولانا مودودی کہتے ہیں کہ

"وہ امور جن کے لیے بالاتر قانون ساز (شارع علیہ السلام) نے کوئی قطعی احکام نہیں دیئے نہ حدود اور اصول متعین کیے ہیں، ان میں اسلام کی اسپرٹ اور اس کے اصولِ عامہ کے مطابق مقننہ ہر ضرورت کے لیے قانون سازی کر سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے بارہ میں کوئی حکم نہ ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ شارع علیہ السلام نے ان کو اہلِ ایمان کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔" ؎۲

لیجیے ہم نے اتمامِ حجت کر دیا ہے۔ فیصلہ قارئین کو خود کرنا ہے کہ انہیں کون سی راہ پسند ہے۔ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لیے مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ کا مصداق بننا ہو گا۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور باقی امت کی طرح ہم بھی بدعتِ حسنہ کے وجود اور اس کے استحسان کے قائل ہو جائیں، ہر نو ایجاد امر کو گمراہی نہ سمجھیں اور یوں اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بہت سے اچھے اچھے (نئے) کام کئے مثلاً جمع قرآن اور باجماعت نمازِ تراویح کا باقاعدہ اجرا وغیرہ۔

؎۱ مشکوٰۃ باب الاعتصام ؎۲ خلافت و ملوکیت صد ۳۳

اسی نہج پر بعد ازاں کئی دیگر امورِ خیر کا احداث واجرا ہوا، مثلاً اعراب قرآن، تقلید شخصی، صرف ونحو اور شش کلمات وغیرہ۔ اگر ان جملہ امور کے احداث کو "مَن احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منه فھو ردّ" کے تحت رد نہیں کیا جا سکتا تو کیوں؟ اسی لیے کہ ان کو مسلمانوں نے اچھا سمجھا ہے کہ ان میں اصل دین ہے۔ یہ کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کا باعث ہیں اور ان میں موافقتِ شریعت موجود ہے اور امت کا اسی پر عمل ہے۔ یہی مسلمانوں کی راہ ہے[1] تو بتائیے اب کون سا امر خاص مانع ہے جو آپ اس قدر متردد ہیں۔ خوب یاد رکھیئے کہ حقائق سے اغماض اور حق سے انحراف مسلمانوں کی راہ نہیں ہے جبکہ حصولِ فلاح کے لیے مسلمانوں کی راہ چلنا بہت ضروری ہے اور یہ موافقت عقائد واعمال سب میں معتبر ہوگی۔

ے
مانو، نہ مانو، جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک وبد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

چند اعتراضات کا جائزہ

دربارۂ بدعت بعض دوستوں کے ذہنوں میں چند ایک سوالات عموماً ابھرا کرتے ہیں۔ ان کی تفصیل اور نمبروار حل ملاحظہ کیجیے۔ ہم نے سوال کو "اشکال" کا نام دیا ہے اور جواب کے لیے لفظ "حل" استعمال کیا ہے۔

---

[1] مخالفین کے "مفتیٔ اعظم" کی معتبر تفسیر معارف القرآن جلد اول ص ۳۷۳-۳۷۲ میں زیر آیت نمبر ۱۴۳ سورۃ بقرہ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ) امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے "آپ نے فرمایا: اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ ہر زمانے کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے اجماع کا حجت ہونا صرف قرن اول یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے۔"

اشکالِ اوّل

کیا یہ درست ہے کہ

"بدعت تو ہر حال میں بدعت ہے خواہ اس کی ایجاد کا زمانہ معلوم ہو یا نہ ہو"[1]

حل

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اگر مراد یہ ہے کہ بدعت کے حسنہ اور سیئہ ہونے کا تعلق زمانۂ اجرا سے نہیں، اس کا انحصار تو موافقت و مخالفتِ شریعت پر ہے تو یہ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق و تائید ہے جس کی درستگی ہم مدارِ حُسن و قبح کے عنوان کے تحت ثابت کر چکے ہیں۔

اور اگر صاحبِ اشکال نیلوی صاحب کے نزدیک بدعت کے حسنہ اور سیئہ ہونے کا باعث موافقت اور مخالفتِ شریعت نہیں بلکہ ہر امر کسی زمانہ میں کوئی بھی ایجاد کر دے "بدعت (سیئہ)" ہی ہے تو اس پر دلیل قائم کرنا انہی کی ذمہ داری ہے البتہ اس لحاظ سے مبتدع و مشرف کی طرف اجرا کی نسبت و قید باطل ہو گئی اس لیے کہ "ہر حال" میں کوئی استثنیٰ نہیں جس سے کسی نیک شخص کا جاری کیا گیا عمل ہی درست قرار پا جائے۔[2]

جب زمانۂ اجرا ان کے نزدیک بھی اچھائی اور برائی کی اساس نہیں تو پھر اس

---

[1] کتاب "عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شرعی حیثیت" مصنفہ مولوی محمد حسین نیلوی
(کل اوراق بارہ ہیں)

[2] مذکورہ کتاب میں نیلوی صاحب نے یہ قید بھی وضع کر دی ہے۔

اسی نہج پر بعد ازاں کئی دیگر امورِ خیر کا احداث و اجرا ہوا، مثلاً اعرابِ قرآن، تقلیدِ شخصی، صرف و نحو اور شش کلمات وغیرہ۔ اگر ان جملہ امور کے احداث کو "مَن احدث فی امرنا هٰذا ما لیس منه فهو ردّ" کے تحت رد نہیں کیا جا سکتا تو کیوں؟ اسی لیے کہ ان کو مسلمانوں نے اچھا سمجھا ہے کہ ان میں اصل دین ہے۔ یہ کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت کا باعث ہیں اور ان میں موافقتِ شریعت موجود ہے اور امت کا اسی پر عمل ہے۔ یہی مسلمانوں کی راہ ہے[1] تو بتائیے اب کون سا امر خاص مانع ہے جو آپ اس قدر متردد ہیں۔ خوب یاد رکھیئے کہ حقائق سے اغماض اور حق سے انحراف مسلمانوں کی راہ نہیں ہے جبکہ حصولِ فلاح کے لیے مسلمانوں کی راہ چلنا بہت ضروری ہے اور یہ موافقت عقائد و اعمال سب میں معتبر ہو گی۔

؎ مانو، نہ مانو، جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

چند اعتراضات کا جائزہ

در بارۂ بدعت بعض دوستوں کے ذہنوں میں چند ایک سوالات عموماً ابھرا کرتے ہیں۔ ان کی تفصیل اور نمبر وار حل ملاحظہ کیجیے۔ ہم نے سوال کو "اشکال" کا نام دیا ہے اور جواب کے لیے لفظ "حل" استعمال کیا ہے۔

---

[1] مخالفین کے "مفتیٔ اعظم" کی معتبر تفسیر معارف القرآن جلد اول ص ۳۷۳-۳۷۲ میں زیرِ آیت نمبر ۱۴۳ سورۂ بقرہ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ) امام حصاص رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، "آپ نے فرمایا: اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ ہر زمانے کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے۔ اجماع کا حجت ہونا صرف قرنِ اول یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے۔"

اشکالِ اوّل

کیا یہ درست ہے کہ

"بدعت تو ہر حال میں بدعت ہے خواہ اس کی ایجاد کا زمانہ معلوم ہو یا نہ ہو"[1]

حل

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

اگر مراد یہ ہے کہ بدعت کے حسنہ اور سیئہ ہونے کا تعلق زمانۂ اجرا سے نہیں، اس کا انحصار تو موافقت و مخالفتِ شریعت پر ہے تو یہ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق و تائید ہے جس کی درستگی ہم مدارِ حُسن و قبح کے عنوان کے تحت ثابت کر چکے ہیں۔

اور اگر صاحبِ اشکال نیلوی صاحب کے نزدیک بدعت کے حسنہ اور سیئہ ہونے کا باعث موافقت اور مخالفتِ شریعت نہیں بلکہ ہر امر کسی زمانہ میں کوئی بھی ایجاد کر دے بدعت (سیئہ) ہی ہے تو اس پر دلیل قائم کرنا انہی کی ذمہ داری ہے البتہ اس لحاظ سے مبتدعِ مشرف کی طرف اجرا کی نسبت و قید باطل ہو گئی[2] اس لیے کہ "ہر حال" میں کوئی استثنٰی نہیں جس سے کسی نیک شخص کا جاری کیا گیا عمل ہی درست قرار پا جائے۔

جب زمانۂ اجرا ان کے نزدیک بھی اچھائی اور برائی کی اساس نہیں تو پھر اس

---

[1] کتاب "عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شرعی حیثیت" مصنفہ مولوی محمد حسین نیلوی —— (کل اوراق بارہ ہیں)

[2] مذکورہ کتاب میں نیلوی صاحب نے یہ قید بھی وضع کر دی ہے۔

کا کیا مطلب ہے کہ شاہِ اربل[1] نے فلاں زمانہ میں اس کو رواج دیا، اور یوں یہ قید بھی باطل ہوتی نظر آتی ہے۔

دیگر زمانۂ اجراء سے بے تعلق ہونا اور بات ہے اور زمانۂ ایجاد کا معلوم نہ ہونا علیحدہ بات۔ یہ "معلوم نہ ہونا" عدمِ علم ہے[2] اور عدمِ علم جہالت پر دال، بے علمی میں جاری کیا گیا کوئی بھی فتویٰ کتاب و سنت سے اعراض اور جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عدمِ اعتماد کا مظہر ہو کر گمراہی قرار پائے گا۔ کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے:

فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا [3]

بے علمی میں فتویٰ دیں گے، گمراہ ہوں گے، گمراہ کریں گے۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [4]

یعنی حکم یہ ہے کہ جو شخص نہیں جانتا وہ اہلِ علم سے دریافت کرے۔ اب اہلِ علم تو بتلا دے گا لیکن جو شخص خود بے علم اور جاہل ہو وہ کیا بتلائے گا۔ گویا یہ اشکال بالکل بلا جواز اور انتہائی پریشان ہے۔

۵ فیضِ نظر کیلئے ضبطِ سخن چاہیئے
حرفِ پریشاں نہ کہہ اہلِ نظر کے حضور

---

[1] بارہ ورقی مذکورہ کتاب میں نیلوی صاحب نے یہ دوسری قید بھی اپنی طرف سے وضع کر دی ہوئی ہے!

[2] جناب قاری طیب سابق مہتمم دیوبند کہتے ہیں:
"عدمِ ذکر یا ہماری لاعلمی اس کے عدمِ ثبوت کی دلیل نہیں ہو سکتی بالخصوص ہماری لاعلمی نہ کوئی شرعی حجت ہے نہ عقلی۔ (کلمہ طیبہ ص ۱۰۹)
مولانا اسمٰعیل دہلوی کہتے ہیں:
"سلبی حکم کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور علم کا نہ ہونا کفایت نہیں کرتا۔" (مولانا اسمٰعیل در تقویۃ الایمان ص ۱۱۵ بحوالہ رسالہ چہاردہ مسائل)

[3] مشکوٰۃ کتاب العلم [4] پ ۱۴ النحل ۴۳

اشکالِ دوم

کیا مفتی جنگ کا یہ قول درست ہے کہ

"سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں جو عمل دین کے طور پر نہیں تھا اسے دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔"[1]

حل

بدعت کی مذکورہ تعریف بعض وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ اگر یہ تعریف دینی کام ہے (غیر دینی نہیں) تو اس کا مذکورہ ادوار میں حدیث سے ثابت ہونا ضروری ہوا جبکہ ایسی کوئی روایت نہیں، پس یہ تعریف خود بخود بدعت ہوئی۔

۲۔ ان کی جماعت کے مفتیٔ اعظم مفتی محمد شفیع کراچوی کہتے ہیں کہ نیا کام ایک حیثیت سے عبادت بھی ہو سکتا ہے؛ اور اس زمانہ میں نہ ہونے کے باوجود بدعت بھی نہیں۔ جبکہ مفتیٔ جنگ ہر نئے کام کو بدعت کہنے پر مُصر ہیں؛ اور ایسا کہنا ان کے مفتیٔ اعظم کے نزدیک غلط ہے۔ ملاحظہ کیجئے ان کے مفتیٔ اعظم کہتے ہیں:

---

[1] جنگ میگزین راولپنڈی ۱۵ر نومبر تا ۲۵ر نومبر ۱۹۸۲ء

یوں تو چودھویں صدی کی ایجاد یہ چلّہ کشی "تبلیغی جماعت" بھی بدعت ہوئی اور بانیٔ جماعت مولانا الیاس صاحب کا طریقۂ تبلیغ بھی۔ مولانا الیاس صاحب نے خود فرمایا ہے کہ "تعلیم تو ان (اشرف علی تھانوی صاحب) کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو" (ملفوظاتِ الیاس)۔ تعلیم و طریقہ سے کوئی ایک بھی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منسوب نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تین تین دن کے چلوں والی تبلیغ کہیں ثابت بھی نہیں۔

اور محقق دوراں ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے مطابق تبلیغیوں کا رائے ونڈ میں عرفات کے اجتماع کی نقل کرنا اور بغیر تکلفِ فِسحاں کے لوگوں کو (ہر سال) جمع کرنا بھی بدعت ہے، ملخصاً۔ (جانِ جاناں ص ۱۳۷)

مروجہ مدارس اسلامیہ اور تعلیمی تبلیغی انجمنیں اور دینی نشرواشاعت کے ادارے (نشرواشاعت کے اداروں کو دینی کہہ دیا ہے) اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لیے صرف ونحو اور ادب عربی اور فصاحت و بلاغت کے فنون یا مخالف اسلام فرقوں کا رد کرنے کیلئے منطق اور فلسفہ کی کتابیں یا جہاد کے لیے جدید اسلحہ اور جدید طریق جنگ کی تعلیم وغیرہ کہ یہ سب چیزیں ایک حیثیت سے عبادت (یعنی دینی عمل) بھی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں موجود بھی نہ تھے۔ مگر پھر ان کو بدعت اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ان کا سبب اور داعی اور ضرورت اس عہد مبارک میں موجود نہ تھی۔[۱]

لہٰذا اشکال میں پیش کردہ بدعت کی تعریف باطل ہوئی کہ انہی کے مفتی اعظم نے بعض امور کو مذکورہ ادوار میں موجود نہ ہونے کے باوجود عبادت اور دینی بھی کہا اور بدعت ہونے سے انکار بھی کیا۔

۲۔ اس تعریف کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جو عمل دین کے طور پر نہیں تھا اسے دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے حالانکہ نعمت البدعۃ ہذا کے مطابق اس وقت جو عمل دین کے طور پر تھا وہ بھی بدعت شمار ہوا۔ یوں بھی یہ تعریف باطل ہوئی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:[۲]

---

[۱] عامر عثمانی فاضل دیوبند نے کہا:

"ایسا کوئی نیا طرز عبادت نکال کر یہ ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی عبادتیں ناکافی ہیں اللہ کے قہر و غضب کو بھڑکانے کا باعث ہوگا" (بدعت کیا ہے ص۳۱۵) ـــــ لیکن کیا کریں "مفتی" صاحب تو ان کے بقول اللہ کے قہر و غضب کو بھڑکا کر اس دنیائے فانی سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ زندہ ہوتے تو خود توبہ کرتے یا عامر عثمانی کو غلط فتووں پر سرزنش فرماتے۔ بہرحال دونوں میں سے ایک فرد حق کی مخالفت میں جان نثار کر چکا ہے۔

[۲] سنت و بدعت ص۱۲

جو نئی نئی باتیں خلفائے راشدین نے اپنے دور میں اختیار کیں وہ اگرچہ اس اعتبار سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہ تھیں بدعت کہلائیں گی تاہم وہ بدعتِ ضلالہ نہیں ہیں بلکہ بدعتِ حسنہ ہوں گی" [1]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو اپنے زمانہ کی ایجاد کو بدعت (نعمت البدعۃ) فرماتے ہیں لیکن مفتی جنگ اِس اقرار پر انکار کرتے ہیں۔

۵

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

مخالفتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرتکب مفتی صاحب "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" کے مصداق نہ رہے لہٰذا ایسے قول ناروا سے ضرور توبہ کر لینی چاہیئے۔ حضرت صدر الافاضل خزائن العرفان میں زیر آیت بقرہ ۵۸ فرماتے ہیں کہ مشہور (علانیہ) گناہ کی توبہ باعلان ہونی چاہیئے۔

فائدہ

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ [2] یقیناً اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

تعجب ہے جو لوگ مذاہبِ اربعہ کو درست مانیں اور تقلیدِ شخصی کو واجب [3] جانیں وہی الیاس گھمن گھڑت قاعدہ بنالیں جسے نہ عقل درست مانتی ہو اور نہ ہی نقل روا جانتی ہو حالانکہ انہیں خوب علم ہے کہ مذاہبِ اربعہ اور تقلیدِ شخصی وغیرہ امور مذکورہ زمانوں میں [4] نہ تھے۔ اَب یہ تو خود انہی کو بتانا ہوگا کہ یہ امور دینی کام ہیں یا نہیں؟

---

[1] اشعۃ اللمعات اردو اوّل صـ۳۲۴ [2] البقرہ (۲۲۲)

[3] علمائے دیوبند کی معتبر کتاب میں مرقوم ہے: "اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جاوے بلکہ واجب ہے (المہند علی المفند مترجم صـ۳۳)

[4] مولانا محمد تقی عثمانی نے کہا کہ

"صحابہ و تابعین کے زمانے میں کسی ایک امام کی تقلیدِ شخصی واجب نہ تھی (تقلید کی شرعی حیثیت صـ۷۸ طبع چہارم ـ کراچی)

[5] مشکوٰۃ باب الاعتصام بروایت ترمذی

؎ کہنے کو اُن سے کہہ رہا ہوں حالِ دل مگر
ڈر ہے کہ شانِ ناز پر شکوہ گراں نہ ہو

توضیح

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم جناب قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں:
"بہت سے مباحاتِ اصلیہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں زیرِ عمل نہیں
آئے مگر اباحتِ اصلیہ کے تحت جائز ہیں۔ یا بہت سے اجتہادی مسائل جو زمانۂ
صحابہ میں زیرِ عمل تو کیا زیرِ علم بھی نہیں آئے، مگر بعد میں کسی اصولِ شرعی سے مستنبط
ہوئے تو وہ اس لیے ناجائز نہیں قرار پا سکتے کہ ان کے بارہ میں صحابہ کا عمل منقول
نہیں کہ سرے سے عمل موجود ہی نہیں بلکہ علم بھی سامنے نہیں۔ پس ایسے جائز مسائل
پر جب بھی امت عمل پیرا ہو جائے اسے اس کا حق ہے اور وہ عمل شرعی (دینی) ہو
کر ہی ادا ہو گا۔"[1]

اشکال سوم

کیا یہ بات درست ہے کہ "خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کے کسی عمل
کو نہ تو بدعت کہیں گے اور نہ سمجھیں گے بلکہ خلفائے راشدین کا طریقہ بھی قابلِ
عمل اور قابلِ تقلید ہے۔ اگر کوئی شخص خلفائے راشدین کے کسی عمل کو بدعت
کہتا ہے یا سمجھتا ہے تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ شخص فرمانِ نبوی
(صلی اللہ علیہ وسلم) سے ناواقف ہے یا اپنے آپ کو خلفائے راشدین (رضی اللہ
عنہم) سے بڑھ کر نہ سہی برابر سمجھتا ہے۔" (اظہارِ حقیقت ص۴)

---

[1] کلمۂ طیبہ ص۱۱، ادارۂ اسلامیات۔ لاہور

حل

مصنف اظہارِ حقیقت نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے کسی عمل کو بدعت کہنے یا سمجھنے والے کو فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ناواقف بتایا ہے اور ایسا فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے ذکر بھی نہیں کیا حالانکہ ایسا فرمانِ اقدس اگر ثابت ہو تو اس کا "اخفا" درست نہیں "اظہار" ضروری ہے کیونکہ "اظہارِ حقیقت" کیا جا رہا ہے۔ اَب ناواقف کون ہے؟ ہم نشاندہی کرتے ہیں فیصلہ قارئین کرام پر رہا۔

اشکالِ دوم کے حل کے علاوہ سنتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عنوان کے تحت ہم بڑی تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ میں خلیفۂ ثانی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے جاری کردہ عمل کو بدعت (حسنہ) کہہ دیا ہوا ہے۔ پس اپنے عمل کو بدعت (حسنہ) کہنا خلیفۂ ثانی رضی اللہ عنہ کی سنّت ہوئی۔ اَب اِس سنّت کو ماننا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے یا نہیں؟ اِس بارے میں فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ ہو:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (مشکوٰۃ)

تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنّت ضروری ہے۔

پس خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے خلیفۂ ثانی کے اس عمل کو بدعت (حسنہ) کہیں یا سمجھیں تو یہ ان کی سنت پر عمل ہی ہوگا اور عمل کرنے والوں کی فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت کا ثبوت بھی بلکہ منکرین کی جہالت کا اشارہ بھی۔

ع جہالت ہی نے رکھا ہے صداقت کے خلاف انکو

علاوہ ازیں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے کسی عمل کو بدعت (حسنہ) سمجھنے والے کے بارے میں یہ کہنا کہ ایسا شخص اپنے آپ کو خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) سے

پڑھ کر نہ بھی برابر سمجھتا ہے" عقلاً درست نہیں۔ ہر باشعور جانتا ہے کہ ہمسری اور برابری کا ارادہ رکھنے والا شخص مقابل کی بات نہیں مانا کرتا اور نہ ہی اس کے جاری کیے ہوئے قول پر عمل کو جائز تسلیم کرتا ہے۔ وہ اگرچہ دکھاوے کے طور پر قابلِ تقلید کی رٹ لگاتا رہے عملاً انکار کر دیتا ہے اور یہاں انکار کس سے صادر ہوا ہے؟ محتاجِ بیان نہیں۔

تم آئینہ دیکھو تو ہم بھی یہ دیکھیں
کہ ہے کون سا خوبصورت زیادہ

اور حق بات وہی ہے جو خلیفۂ دوم رضی اللہ عنہ نے خود فرمائی ہے۔ اب اِس حقیقت سے انکار کو بھی اگر کوئی "اظہارِ حقیقت" کہدے تو کیا یہ آنکھوں میں دھول جھونکنے والی بات نہیں؟

اشکال چہارم

جنابِ مفتی جنگ کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ "بدعتی در پردہ[1] نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

---

[1] یہ مفتی صاحب نے پردے میں سے کیونکر جھانک لیا۔ لفظ "در پردہ" دعویٰ علمِ غیب کا غماز ہے۔ اگر ایسا نہیں تو کذب سے خالی نہیں۔ انہی مفتی صاحب کے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی الاعراف ۹۹ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: "یعنی لوگوں کے اعمال و اخلاق میں تہہ اور حقیقت تلاش نہ کیجیے بلکہ ظاہری نظر میں سرسری طور پر جو کام کسی سے اچھا ہو اسکو بھلائی پر محمول کیجیے۔ باطن کا حال اللہ کے سپرد کیجیے"۔ نہ معلوم مفتی صاحب تک یہ الفاظ پہنچے بھی ہیں یا نہیں ے

جن کو اپنی خبر نہیں اب تک وہ میرے دل کا راز کیا جانیں

اب دیکھتے ہیں یہ مفتی صاحب الجھن اور بے خبری سے بچنے کے لیے ان الفاظ سے دستبرداری کا اعلان کب کرتے ہیں؟ کیونکہ تھانوی صاحب کے مطابق یہ اصرار اچھی بات نہیں۔
حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرارِ قلبی پر حکم دینے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس کی حوصلہ شکنی بھی فرمائی۔ غزالیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی صاحب کی نقل کردہ حدیثِ پاک سنیے: اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَھَا اَمْ لَا۔ (رواہ مسلم)
(ترجمہ) تو نے اسکے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ کہا ہے یا نہیں (تفریح الخاطر/التقریح المقال صـ ۲)

وسلم کامل دین لے کر نہیں آئے"۔ (جنگ میگزین۔ ۱۹ نومبر تا ۲۵ نومبر ۱۹۸۲ء)

حل

۱۔ یہ اشتہار بھی ایک فریب ہے۔ کتاب وسنت سے کوئی بھی سند اس کے ثبوت میں نہیں بتائی گئی بلکہ موجود بھی نہیں۔ جب کتاب وسنت میں یہ مضمون موجود ہی نہیں تو اس کے اجرا کا مقصد اور استحقاق کیا ہے۔ گویا انہوں نے دین میں اس مضمون کے فتوی کی کمی سمجھی اور بقولِ خود نامکمل دین کی تکمیل میں معروف ہیں۔ (معاذاللہ)

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاق

۲۔ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یعنی باجماعت نماز تراویح کا باقاعدہ اجرا کرنے والے خود خلیفۂ دوم ہیں تو کیا انہوں نے اسے جاری کر کے کوئی دعوئ نبوت کیا ہے یا دین کو نامکمل سمجھا ہے (معاذاللہ) نہیں بلکہ انہوں نے مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً کے پیارے ارشاد پاک کو راہِ عمل بنایا ہے۔ پھر یہ حدیث پاک بھی اچھے طریقے کے بانی کو درجۂ نبوت نہیں دیتی بلکہ محض ثواب کا وعدہ کرتی ہے پس اگر یہ کہہ دیا جائے کہ بدعتی (کسی بھی بدعت کا مرتکب) دریدہ نبوت کا دعوی کرتا ہے تو ہمارے نزدیک یہ جناب سیدنا فاروقِ اعظم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر محض الزام واتہام ہے۔ اور ایسے میں آیۂ کریمہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ پر ان کا ایمان ثابت کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ تو اس قسم کی جسارت انہی مفتی صاحب کو روا ہو سکتی ہے، کیونکہ اس سے پہلے اشکال میں بھی ان سے مخالفتِ صحابہ رضی اللہ عنہم واقع ہو چکی ہے (اور وہ تو بہ سے بے نیاز ہوئے بیٹھے ہیں)۔ اب مخالفتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑی شقاوت اور کیا ہو سکتی ہے؟

حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ

الخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ۔ لہٰذا اس سنت سے اعراض وانحراف شریعت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں تو روا نہیں۔ کہیں اور ہو تو ہمیں علم نہیں۔

الحمد للہ ہماری اس مختصر تقریر سے اخباری کالم کا مکر و فریب آفتاب نیمروز کی مثل ظاہر ہو گیا۔

اعتراض

بدعت حسنہ کے نام پر جو طریقے دین اور شعائر اسلام میں نکالے گئے وہ طریقے اسلام کے پہلے انصار اور مہاجر کی راہ (طریقے) سے ہٹاتے ہیں یا نہیں۔ اور بدعت حسنہ پر عمل کرنے سے کیا اسلام کے پہلے انصار و مہاجر کی پیروی ہو سکتی ہے؟ (اظہار حقیقت ص۶)

جائزہ

یہ تو آپ نے ملاحظہ فرما ہی لیا ہو گا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے باجماعت نماز تراویح کا باقاعدہ اجرا کیا اور اس کو بدعت حسنہ (نعمت البدعۃ) بھی خود فرمایا جس پر وقت کے تمام انصار و مہاجرین نے عمل کیا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس خوبصورت طریقے اور عمل سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ بدعت حسنہ کے نام سے ایسے طریقے انصار و مہاجرین کی راہ سے ہٹاتے نہیں بلکہ ان کی راہ پر چلاتے ہیں۔ پس ان کے طریقے پر قائم رہنے یعنی ان کی مکمل پیروی کے لیے بدعت حسنہ "باجماعت نماز تراویح" وغیرہ پر عمل ضروری ہوا۔ بصورت دیگر پیروی نہیں ہو گی بلکہ وہی حقیقت ہو گی جس کا اظہار مصنف "اظہار حقیقت" کر رہے ہیں

اشکالِ پنجم

کیا بعض لوگوں کا ایسا کہنا درست ہے کہ

اِسلام میں نئے طریقوں کا ایجاد کرنا بدعت کہلاتا ہے۔ عالمِ اسباب کی چیزوں کو بدعت نہیں کہیں گے۔ (اظہارِ حقیقت م۴)

حل

اللہ تعالیٰ نے عالمِ اسباب کو بنایا اور اپنا نام بدیع فرمایا، دیکھئے قرآنِ پاک میں ہے: بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بے کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔

پس جب اللہ رب العزت نے عالمِ اسباب کو بنانے پر خود کو بدیع فرمایا تو ان لوگوں کا عالمِ اسباب کی نئی چیزوں کو بدعت ماننے سے اِنکار درست نہ رہا بلکہ ان سے مخالفتِ قرآن بھی واقع ہو گئی (نعوذ باللہ)

حدیثِ پاک میں ارشاد ہوا:

کُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ۔ ہر احداث بدعت ہے۔

اِس "ہر احداث" میں عالمِ اسباب کی نئی چیزیں اور دیگر امور سب شامل ہیں سنیئے جناب مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے۔ اقوالِ صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین کے خلاف ہے۔ کل محدثۃ بدعۃ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں"۔[1]

امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی احیاء العلوم میں قدمائے سلف کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ چار چیزیں بدعت ہیں جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد ایجاد

---

[1] جاء الحق اوّل ص۲۲۳

ہوئیں: کھانے کی میز یا صندلیاں، چھلنی، اشنان، پیٹ بھر کھانا۔ اِن اقوال کے بعد لکھتے ہیں کہ گو دستر خوان پر کھانا اچھا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ صندلی پر کھانا مکروہ یا حرام ہے کیونکہ اس قسم کا کوئی حکم شریعت میں وارد نہیں......

...... جن چار چیزوں کو بدعت کہا گیا ہے سب یکساں نہیں ہیں۔[۱]

فرمائیے کتاب وسنت اور علماء کی تصریحات کے سامنے ان کا عالم اسباب کی نئی چیزوں کو بدعت ماننے سے انکار کیا معنی رکھتا ہے؟ گویا اشکال قطعاً بے بنیاد ہے۔ صاحب اشکال یا تو متعصب ہیں یا نِرے جاہل اور علم و عقل سے کورے، ورنہ کتاب وسنّت کی مخالفت نہ کرتے۔

ع جہالت ہی نے رکھا ہے صداقت کے خلاف انکو

اشکال ششم

اِدارۂ اسلامیات لاہور کے ایک محقق کہتے ہیں کہ

"بدعت سے مراد وہی امور ہو سکتے ہیں جو بظاہر باعتبار شکل و شباہت دینی امور معلوم ہوتے ہیں لیکن دین میں ان کا حکم نہ دیا گیا ہو"[۲]۔ کیا یہ درست ہے

حل

اِس اشکال میں دو اصول وضع کیے گئے ہیں:

۱۔ بدعت سے مراد وہی امور ہو سکتے ہیں جو دینی معلوم ہوں۔

۲۔ جن کے کرنے کا حکم نہ دیا گیا ہو۔

جہاں تک پہلے اصول کا معاملہ ہے تو اس کا رد اِس سے پہلے اشکال میں موجود ہے وہیں ملاحظہ کیجیے۔ باقی رہا ان کا دوسرا اصول تو اس کا من گھڑت ہونا بھی

---

[۱] الغزالی ص۶۲ علامہ شبلی [۲] بدعت کیا ہے ص۲۲۱-۲۲۰

ظاہر ہوتا ہے۔ آپ ہماری معروضات غور سے سُنیئے:

'کل محدثۃ بدعۃ' حدیثِ پاک ہے اور صاحبِ اشکال عثمانی صاحب کے مضمون میں بھی صـ۲۱۵ پر نقل کی گئی ہے۔ آپ فرمائیے اس حدیثِ پاک میں کہیں کسی احداث یعنی "نئے کام" کے لیے حکم ہونے یا نہ ہونے کا ذکر ہے؟

'کل محدثۃ بدعۃ' کا تو مطلب ہے "ہر احداث بدعت ہے"۔ یعنی اس میں کسی حکم کا کہیں ذکر نہیں ہے لہٰذا عثمانی صاحب کا یہ کہنا کہ جس کام کے کرنے کا حکم نہ دیا گیا ہو وہ بدعت ہے ایک من گھڑت قول اور حدیثِ پاک میں تحریف ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے شروع میں ایک حدیث شریف ملاحظہ فرمائی جس میں ارشاد ہوا:

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا

جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے اس کا ثواب ہے۔

یہاں بھی کسی کام اور کسی نئے طریقہ کیلئے مُحکم کی شرط موجود نہیں بلکہ اذنِ عام ہے۔ فرمایا جو کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے گا ثواب پائے گا۔

جبکہ عثمانی صاحب کے مطابق تو کسی بھی اچھے طریقے کے بانی کو گناہ ہونا چاہیئے (استغفر اللہ)۔ اور یہ تو حضور نبی کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی مخالفت ہے — جو عامر عثمانی صاحب ایسے کسی فاضلِ دیوبندی کو زیب دیتی ہے۔ یہ بے خوف لوگ ہیں، اللہ ان سے بچائے۔

ہم نے آئندہ صفحات میں ایک بے جان شبہ اور ابطال شبہ کے عنوان کے تحت پانچ آیاتِ کریمہ اور چار احادیثِ مبارکہ کے علاوہ کئی ایک اقوال نقل کیے ہیں، ضرور ملاحظہ فرمائیے، ان صاحب کی ساری فریب کاری ظاہر ہو جائیگی (انشاء اللہ)

یہاں ہم صرف سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تصریح پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ آپ غور فرمائیے! سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"جس کام کا شرع میں کوئی حکم نہیں بایں معنی کہ نہ وہ سخت منع نہ حکم وجوب میں بلکہ مہمل ہے، اس میں بندے کو اختیار دیا گیا ہے خواہ وہ تصرف کرے یا نہ کرے۔ پس اسی کا نام مباح ہے" [۱]

فرمائیے جو لوگ "مباح اور مستحب" کو نہیں سمجھتے ان میں دینی سوجھ بوجھ کیا ہو گی! اور اسی لئے دینی سوجھ بوجھ سے عاری یہ لوگ مباح امور کو بھی بدعت کہہ رہے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا

بے علمی میں فتوے دیں گے، گمراہ ہوں گے گمراہ کریں گے۔

گویا جو خود بے راہروی کا شکار ہیں، ان سے کسی راہنمائی کی توقع عبث ہے۔

ہم نے "حسن وقبح" کے عنوان سے کسی کام کا اچھا برا ہونا بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کیجیے۔ یہاں عامر عثمانی صاحب کی جو اس باختگی کا نمونہ دیکھیے، خود ہی اپنے اشکال کی تردید اور ہماری تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"کوئی بھی ایسا طریقہ جس میں دین کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اس (کرنیوالے) کے لیے جائز ہوگا اور بدعت نہ کہلائے گا" [۲]

"اسی طرح دیگر امور ہیں جو کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہوں اور باعتبار دورِ مبارک کے لغتاً بدعت ہوں ان پر شریعت کو کچھ اعتراض نہیں" [۳]

اب تو عثمانی صاحب کے اپنے کلام سے ظاہر ہوگیا کہ اشکال قطعاً بے بنیاد واضح طور پر خلافِ شرع اور سراسر مردود ہے۔

---

[۱] فتوح الغیب عربی / اردو صہ ۳۲ (مقالہ دہم)

[۲] بدعت کیا ہے صہ ۲۱۷

[۳] بدعت کیا ہے صہ ۲۲۳

اشکال ہفتم

مفتی "جنگ" جناب مولانا حمید الرحمٰن صاحب (جامعہ اشرفیہ لاہور) کہتے ہیں کہ "ہر نئی چیز جسے دین سمجھ کر کیا جائے (اس سے) بچنا فرض ہوا" [1] کیا یہ بات درست ہے۔

حل

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائلِ نظری میں اُلجھ گیا ہے خطیب

جناب "مفتی" صاحب نے یہاں بھی ٹھوکر کھائی اور دین سمجھ کر کی گئی ہر نئی چیز سے بچنا فرض قرار دے کر دین میں خود ایک نیا فرض داخل کر لیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو اس کے لیے نص قرآن و حدیث میں موجود ہوتی جبکہ کتاب و سنت اس من گھڑت حکم سے بری ہیں۔ ملاحظہ کیجیے جنگ میگزین ۳ر جون تا ۹ر جون ۱۹۸۳ء ایک سوال کے جواب میں یہی مفتی صاحب خود فرماتے ہیں کہ

"اگر فرض کہنا قرآن یا متواتر حدیث میں نہ ہوا تو یہ فرض کہنا خدا اور رسول پر تہمت ہوگی جس کا انجام جہنم ہے"۔

دونوں فتاویٰ پھر سے بغور پڑھ لیجیے۔ خود ہی ایک کالم میں ایک فتویٰ جاری کیا اور خود ہی دوسرے موقع پر اپنے فتویٰ کی تردید بھی کی اور سزا بھی جہنم کی سُنا دی۔ اگر فتاویٰ جاری کرتے وقت کتاب و سنت کو اساس بنا لیا جاتا تو یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔

---

[1] جنگ میگزین راولپنڈی ۱۹ر نومبر تا ۲۵ر نومبر ۱۹۸۳ء

؎ کیوں کسی غیر سے میں شکوۂ بیداد کروں
لُطف جب ہے کہ تجھی سے تِری فریاد کروں

یہ ہے خانہ ساز شریعت متضاد فتاویٰ مفتی صاحب کے علم وفن کی خوبیاں ظاہر کر رہے ہیں۔ اشکال میں پیش کردہ فتویٰ چونکہ قرآن یا متواتر حدیث میں نہیں ہے، پس انہی کے قاعدہ کے مطابق اِس فتویٰ سے بچنا فرض ہو گیا ہے (کیونکہ ایک تو یہ دین میں نئی چیز ہو گئی اور دوسرے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت) اور بقولِ خود مفتی صاحب تارکِ فرض اِس لیے کہ اسے بھی تو دین سمجھ کر ہی جاری کیا گیا ہے۔

؎ توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے تیرا؟
ہے تجھ میں مکر جانے کی جرأت تو مکر جا

دیگر حدیثِ پاک مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً میں کیا جو اچھی سنت جاری ہو گی، نئی چیز نہ ہو گی؟ یقیناً ہو گی کیونکہ تبدیل شدہ اور بوسیدہ کی تجدید ہوتی ہے اجرا نہیں ہوتا تو ماننا پڑے گا کہ یہ اچھی سنت نئی چیز ہے اور کیا غیر دین کو اچھی سنت کہا جا سکتا ہے؟ بالکل نہیں کہا جا سکتا۔ حدیث کہتی ہے جو اچھا طریقہ جاری کرے وہ مستحقِ ثواب ہے لیکن یہ مفتی صاحب مانتے ہی نہیں بلکہ کہتے ہیں اس سے بچنا فرض۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب دیتے ہیں یہ روکتے ہیں۔ انہوں نے اطاعت کی بجائے مخالفت ہی سر لے رکھی ہے العیاذ باللہ من ذالک۔ مثنوی شریف میں ہے:

؎ قولِ پیغمبر شنو اے جانِ من
دُور کُن از خود بشنو انکار و ظن

ہم امید کرتے ہیں کہ اپنی فلاح کی خاطر اِس مذموم عادت سے رجوع فرما کر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا جائے گا۔

قرآن فرماتا ہے :

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۔ [1]

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

اشکال ہشتم

کیا بدعتی لعنتِ خداوندی کا مستحق ہوتا ہے اور اس پر لعنت کرنا کیسا ہے؟

حل

لعنت کا معنی ہے خدا تعالیٰ کا اپنی درگاہِ رحمت سے راندنا اور دور ڈال دینا [2]

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں، جس بدعت میں ایسے شدید وعید میں وہ بدعت فی العقائد ہے [3] پس بدعت سے مراد بدعتِ سیئہ اعتقادیہ ہو تو پھر بدعتی (بدعتِ سیئۂ اعتقادیہ کا مرتکب) اپنے وصف کے ساتھ نہ کہ نام کے ساتھ بلاشبہ ایسا ہی ہے لیکن یہاں بدعت کو مطلق بیان کر بدعتِ حسنہ کے بانی و مرتکب (مستحقِ ثواب) کو مستحقِ لعنت سمجھنا بجائے خود لعنت ہے۔ شیخ محقق حضرت عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"مختصر یہ کہ لعنت کرنا ایک بری عادت ہے اور اگر وہ شخص لعنت کا مستحق

---

[1] القرآن پ ۲۶

[2] اشعۃ اللمعات جلد ۱ (اردو) ص ۲۳۷ ۔ فیض الباری پ اوّل ص ۱۴۵

[3] فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب بطرز جدید ص ۱۲۸

نہ ہو تو وہ لعنت، لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے" [1]

حدیث شریف میں فرمایا عورتیں اکثر جہنمی ہیں کیونکہ وہ لعنت زیادہ کرتی ہیں [2]

دُوسری حدیث شریف میں فرمایا:

لَعْنَ الْمُؤْمِنِ کَقَتْلِہٖ ۔ مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کر دینے کے مترادف ہے [3]

پس اس جگہ مطلق بدعت مراد لینا معصیت سے خالی نہیں اور لعنت کرنے سے اجتناب بہتر ہے؛ اس لیے کہ یہ عبادت نہیں ہے اور نہ ہی یہ علامت سنیت سے ہے؛ یہ تو روافض کی خصوصیت ہے۔

اشکال نہم

"کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ" حدیث پاک ہے۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوتی ہے اور بدعت حسنہ کا تصور باطل ہے۔ دیکھیے مفتی محمد شفیع کراچوی اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ

"اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شرع میں ہر بدعت سیئہ اور گمراہی ہے۔ کسی بدعت اصطلاحی کو بدعت حسنہ نہیں کہا جا سکتا"۔ (سنت و بدعت ص ۱۹، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

حل

اچھا جی تو آپ بھی مفتی صاحب کے مغالطے میں آ گئے۔ یہاں "اصطلاحی بدعت" ان کی لفاظی ہے ورنہ وہ تو اپنی اسی کتاب میں احداث فی الدین (دین میں بدعت) اور احداث للدین (دین کے لیے بدعت) کی تقسیم کرنے کے بعد احداث للدین کی

---

[1] اشعۃ اللمعات اُردو جلد ۱ ص ۲۳۷

[2] مشکوٰۃ کتاب الایمان (مختصراً)

[3] فیوض الباری شرح بخاری پ ۱ ص ۷۰

ممانعت سے انکار کر چکے ہیں (دیکھیے سنت و بدعت ص۱۲) ۔ انھوں نے یہاں بھی فریب دیا ہے۔ ہم نے "وجوب بدعتِ حسنہ" کے عنوان کے تحت پہلے ہی ان کی ایسی بیشتر تاویلات و تلبیسات کو طشت از بام کر کے رکھ دیا ہے۔ آپ ہماری معروضات پر پھر سے غور فرمائیں۔ انشاء اللہ حق مزید واضح ہو جائیگا۔

یہاں ہم علمائے حق کی تصریحات نقل کرتے ہیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ یہ مفتی صاحب جماعت سے کتنے دور رہ کر بھیڑیے کا شکار ہو چکے ہیں۔ اگر چہ یہ ہمارے بحث میں شامل نہیں پھر بھی ہم اختصار سے بیان کر دیتے ہیں۔ سنیئے علماء نے بدعت کو مختلف مدارج میں تقسیم فرما دیا ہے۔

مولانا عبدالسمیع رامپوری علیہ الرحمہ علامہ برکلی، مناوی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی سید جلال الدین محدث، علامہ ابن حجر اور علامہ ابن عابد سے نقل فرماتے ہیں کہ

بعض بدعتیں واجب ہیں اور بعض حرام اور بعض مستحب یعنی ثواب کی مستحق اور بعض بدعتیں مکروہ ہیں اور بعض مباح یعنی ان کے کرنے میں نہ ثواب نہ عذاب [۱]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تہذیب الاسماء واللغات سے نقل فرمایا: (ترجمہ) بدعت شرعی اصطلاح میں اس نئی چیز کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی۔ اس کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور قبیحہ —

(اَلْبِدْعَةُ بِكَسْرِ الْبَاءِ فِي الشَّرْعِ هِيَ إِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ. وَهِيَ مُنْقَسِمَةٌ إِلَى حَسَنَةٍ وَقَبِيْحَةٍ)

اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی القواعد کے حوالے سے بدعت کی قسمیں یوں بیان کی ہیں کہ

۵ - اگر یہ قواعد ایجاب میں داخل ہو تو واجب ہے

---

۱ دیکھیے انوارِ ساطعہ ص۲۷

o ۔ اگر تحریم میں ہو تو حرام ہے۔

o ۔ اگر ندب میں ہو تو مندوب ہے۔

o ۔ اگر مکروہ میں ہو تو مکروہ ہے۔

o ۔ اگر اباحت میں ہو تو یہ مباح ہے [1]

آگے بیہقی کی مناقب شافعی سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ

"بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کتاب و سنت اور اثر و اجماع کے خلاف ہو، یہ بدعتِ ضلالت ہے، اور دوسری وہ جسے کسی نیک مقصد کے لیے ایجاد کیا گیا ہو، اور کتاب و سنت اور اثر و اجماع میں سے کسی کے مخالف نہ ہو، ایسی بدعت غیر مذموم ہے (یعنی شرعاً اس میں کوئی برائی نہیں) جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان (تراویح) کے بارہ میں فرمایا نعمت البدعة هٰذه (کتنی اچھی بدعت ہے)[2]

آپ نے مفتی صاحب کی توجیہ و تاویل کا رد ملاحظہ فرمایا۔ یہ تو بزرگ آئمہ و علماء تھے۔ ممکن ہے آپ کو پھر بھی اطمینان نہ ہوا ہو، اس لیئے ہم آپ کی توجہ مفتی صاحب کے ایک اور بیان کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ دیکھیں انہوں نے یہاں کیسے ٹھوکر کھائی اور خود ہی بدعت کے کئی درجات بیان کر دیئے، کہتے ہیں:

البتہ بدعات میں پھر کچھ درجات ہیں، بعض سخت حرام قریب شرک کے ہیں

---

[1] دیکھیے حسن المقصد فی عمل المولد، اردو ص ۳۲-۳۳۔ اور ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد دوم ص ۵۲-۵۳ میں بھی منقول ہے۔

[2] اسے مولانا اسمٰعیل دہلوی نے بھی اپنے رسالہ چہار دہ مسائل میں ذکر کیا ہے۔ (مولانا اسمٰعیل اور تقویت الایمان ص ۱۱۳)

[3] حسن المقصد فی عمل المولد ص ۳۳ - اردو

بعض مکروہ تحریمی، بعض (المکروہ) تنزیہی [1]

اب مفتی صاحب کی ذریت سے پوچھیے کیا یہ تینوں ہی گمراہی ہیں؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نکلا اور ظاہر ہوا بدعت کہلاتا ہے۔ پھر اس میں سے جو کچھ اصول کے موافق اور قواعد سنت کے

---

[1] سنت و بدعت

لیکن مفتی شفیع صاحب کو تو حضرت امام شافعی اور دیگر آئمہ و فقہاء سے سخت بغض اور شدید اختلاف ہے اس لیے وہ لوگوں کو بزرگوں سے برگشتہ کرنے کے لیے بڑے طمطراق سے کہتے ہیں کہ

"فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کے ارشاد یا بعض بزرگوں کے ایسے کلمات کی آڑ لے کر طرح طرح کی بدعتیں بدعت حسنہ کے نام سے ایجاد کرنے والوں کے لیے اس میں کوئی وجہ جواز نہیں ہے"۔ (سنت و بدعت صلا)

اسی طرح ماہر القادری بھی نعمت البدعۃ سے بدعت حسنہ کے استدلال کو نکتہ آفرینی کی بدترین مثال قرار دیتے ہیں۔ (بدعت کیا ہے صفحہ) استغفر اللہ! ثم استغفر اللہ!

نوٹ:

پتہ نہیں آئمہ و فقہاء بلکہ ساری امت سے اختلاف کے بعد ان کے دامن میں رہ کیا جاتا ہے؟ اصل میں ان لوگوں کا ذہنی توازن کہیں قرار نہیں پکڑتا۔ دیکھیے اپنے نظریے کی خود ہی کیسے دھجیاں اڑاتے ہیں، کہتے ہیں:

"ان چیزوں کو بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں جو صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہیں تھیں، بعد میں کسی ضرورت کی بنا پر ان کو اختیار کیا گیا جیسے آج کل مدارس اسلامیہ اور ان میں پڑھائے جانے والے علوم و فنون"۔ (سنت و بدعت صلا)

ان کی عبارتیں غور سے دیکھیے اور ان کی منصبی لاپرواہی کا اندازہ فرمایئے۔ کیا ایسے لوگوں سے درست راہنمائی کی امید کی جا سکتی ہے؟ درست فرمایا حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

مطابق ہو اور کتاب و سنّت پر قیاس کیا گیا ہو "بدعتِ حسنہ" کہلاتا ہے۔ اور جو ان اصول و قواعد کے خلاف ہو اسے بدعتِ ضلالت کہتے ہیں اور "کل بدعۃ ضلالۃ" کا کلیہ اس دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے"۔[۱]

دیکھ لیا آپ نے شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہے۔ اگر اشکال درست ہوتا تو ان کی تصریح مختلف نہ ہوتی۔ آپ نے بدعت کی قسمیں بھی بتا دیں اور "کل بدعۃ ضلالۃ" کا جس بدعت کے ساتھ تعلق ہے اس کی تصریح بھی کر دی۔ آگے فرمایا:

"اور جو جو نئی باتیں خلفائے راشدین نے اپنے دور میں اختیار کیں وہ اگرچہ اس اعتبار سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نہ تھیں بدعت کہلائیں گی تاہم وہ بدعتِ ضلالہ نہیں ہیں بلکہ بدعتِ حسنہ ہوں گی؛ بدعت بھی نہیں؛ درحقیقت سنّت میں داخل ہیں"۔[۲]

اب ہے کوئی شقاوت پسند جو ایجاداتِ صحابہ کو گمراہی کہہ سکے۔ البتہ روافض و خوارج کی جماعت میں شمولیت کا متمنی ایسا کہہ دے تو کون روک سکتا ہے؟

دیگر جنابِ من! سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خود بدعت کو "نعمت البدعۃ" (بدعتِ حسنہ) کہا ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ پس بدعت ہمیشہ سیئہ ہی نہیں ہوا کرتی کبھی حسنہ بھی ہوتی ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ بدعتِ حسنہ کا تصور باطل نہیں بلکہ سنّت سے ثابت ہے۔

مولانا اسماعیل دہلوی کہتے ہیں: "در حُسن بود بعض بدعات شبہ نیست"۔ یعنی بعض بدعتوں کے حسنہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[۳]

---

[۱] اشعۃ اللمعات جلد ۱ (اردو) ص ۴۲۲ [۲] ایضاً

[۳] رسالہ چہاردہ مسائل بحوالہ مولانا اسمٰعیل اور تقویت الایمان ص ۱۱۴

صاحب اشکال مفتی اعظم خود بھی کہتے ہیں،

البتہ لغوی معنی میں ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں۔ اِس اعتبار سے ایسی چیزوں کو بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں۔

پھر کہتے ہیں: "بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں، خواہ عادت ہو یا عبادت جن لوگوں نے یہ معنی لیے ہیں انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسمیں کی ہیں سیئہ اور حسنہ"[1]

اَب دیکھیے اِن مفتی صاحب بہادر کی دیانت داری۔ ہمیں کہا ہر بدعت گمراہی ہے لیکن خود حدیث پاک کی مخالفت میں لغوی اَور اِصطلاحی کی تقسیم کے ساتھ لغوی بدعت کو گمراہی ماننے سے اِنکار کر دیا خود لغوی بدعت کو ہر بدعت سے علیحدہ سمجھتے ہیں۔ اَب پتہ نہیں انہیں یہاں حدیث پاک کی مخالفت کیوں نہیں نظر آتی؟

مولانا رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں:

"جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ سنت ہی ہے[2] مگر یہ اِصطلاح کا فرق ہے مطلب سب کا واحد ہے"۔

یعنی بدعت حسنہ کو سُنّت کہہ کر اِصطلاحی تفریق کے باوجود اِن میں مطلب کی یگانگت و وحدانیت کا اقرار کر لیا گیا ہے۔ بتائیے اگر بدعت حسنہ کا تصور باطل ہے تو یہ سنت کیسے ہو گئی اَور اگر ہر بدعت گمراہی ہے تو یہاں کون سی بدعت کو بدعت حسنہ بلکہ سنت کہا گیا ہے۔ گویا نہ تو بدعت حسنہ کا تصور باطل ہے اَور نہ ہی ہر بدعت گمراہی۔

اندھیری شب ہے جُدا اپنے قافلے سے ہے تو
تیرے لیے ہے میرا شعلۂ نوا قندیل

اشکال دہم

مولوی محمد حسین صاحب نیلوی رقم طراز ہیں:

---

[1] سنت و بدعت ص[illegible] [2] فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرز جدید ص ۱۲۷ مطبوعہ کراچی

"ہم نہیں کہتے کہ اس (شاہ اربل) نے کسی بری نیت سے ایسا کیا تھا[1]۔ ممکن ہے اس کی نیت اچھی ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس فعل کی نیت اچھی ہو خود وہ فعل بھی اچھا ہو"[2]

کیا یہ بات واقعی درست ہے اور کیا واقعی نیت فعل پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے؟

حل

ہر کرا کار از برائے حق بود
کار او پیوستہ بارونق بود

رسول خدا حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی[3]

اعمال صرف نیتوں سے ہیں اور انسان کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرلے۔

لیکن معلوم ہوتا ہے صاحب اشکال شیخ الحدیث صاحب کو یا تو یہ حدیث پاک یاد نہیں یا اس پر اعتماد نہیں کیونکہ ان کے یہاں نیت قابل اعتبار نہیں یعنی نیت خیر بے اثر ہے۔ جبکہ حدیث شریف نے عمل کے ثواب کو نیت کی اچھائی پر منحصر کر دیا ہے۔ لیکن یہ "شیخ الحدیث صاحب" ضروری نہیں جانتے۔ بتائیے جو حدیث کے ضروری کو غیر ضروری جانیں، وہ بھی شیخ الحدیث ہوتے ہیں؟

---

[1] محفل میلاد شریف کا آغاز ـــــ تفصیل کے لیے علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی جلن جاناں کا مطالعہ از حد مفید رہے گا۔

[2] عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شرعی حیثیت

[3] بخاری شریف جلد ۱، مطبوعہ پاکستان چوک کراچی؛ مشکوٰۃ، مدارج النبوت، اربعین نووی، ریاض الصالحین، ابن ماجہ شریف باب السنۃ۔

بعض محدثین کرام اِس حدیث کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر ابتدائے تالیف اِسی حدیث سے کرتے ہیں۔ حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ "یہ حدیث اصول دین میں سے ایک عظیم اصل ہے۔ بعض علما نے تو اسے نصف علم قرار دیا ہے۔"[۱]

آگے فرماتے ہیں:

"اگر یہ اعتبار کیا جائے کہ تمام اعمال، عبادات و عادات کی صحت اور ان کا ثواب حسن و خلوص نیت پر موقوف ہے اور اس طرح اس حدیث کو سارا علم اور پورا دین قرار دے دیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔"[۲]

اَب یہ تو علم اور قانون ٹھہرا کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ دیکھیئے جو قانون ہی سے ناواقف ہو کیا وہ قانون داں ہو سکتا ہے؟ اَور سرورق پر ان کے نام کے ساتھ توشیخ الحدیث والتفسیر کے القابات مندرج ہیں۔

راہزن خضرِ راہ کی قبا چھین کر
رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

ہاں اگر شریعت کی نہی موجود ہو یعنی اگر شریعت منع کر دے تو پھر نیت خیر نہ رہی مخالفتِ شریعت ہو گئی، جو کسی طور درست نہیں ہے۔ اِس لیئے کہ شریعتِ مطہرہ کی مخالفت کا نام حسنِ نیت ہو ہی نہیں سکتا۔ حسنِ نیت تو حصولِ رضائے الٰہی

---

[۱] دیکھیے بخاری شریف، مشکوٰۃ، اربعین نووی، مسند امام اعظم، ریاض الصالحین، بلکہ اس حدیث کو تمام محدثین نے سوائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے روایت کیا ہے لیکن امام مالک سے بھی بخاری نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث معنی کے اِعتبار سے متواتر ہے۔ اور تمام امتِ محمدیہ (علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام) نے اِس کو قبول کیا ہے (تفسیر مظہری اردو اوّل پ ۲ صـ ۳۵۲ حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد ۱ صـ ۳۳)

[۲] مدارج النبوت اُردو اوّل صـ ۲۴۳، اشعۃ اللمعات اُردو۔ اوّل صـ ۱۸۵

[۳] اشعۃ اللمعات۔ جلد ۱ صـ ۱۸۵، اُردو۔

کی غرض کا نام ہے اور مخالفتِ شریعت میں رضائے الٰہی ہوتی ہی نہیں۔ گویا یہاں ان امور کو نیت پر منحصر کیا جا رہا ہے جن پر شریعت میں ممانعت وارد نہیں ہوتی۔

تو جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ "ممکن ہے شاہ اربل کی نیت درست ہو"۔ تو پھر کام کی اچھائی سے انکار کی وجہ؟[له] کیا حدیثِ پاک پر آپ کو واقعی اعتماد نہیں یا شکال میں نیت کی درستگی کا اقرار محض اسی لیے ہے کہ اس پر شریعت میں حکمِ ممانعت نظر نہیں آیا ورنہ ضرور دلیل قائم کر دی جاتی۔ خواہ مخواہ حدیثِ پاک کی مخالفت کر دی اور اس مخالفت کے بدعتِ سیئہ ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔ تو گویا ان صاحب نے سنتِ سیئہ کا اجرا کر دیا، اس طرح اپنا اور حمایت کرنے والوں کا گناہ اپنے ذمہ لے لیا۔ ہم تو توبہ ہی کی درخواست کریں گے۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

جنابِ من! وہ عمل تو مباح ہوتا ہے جس کے لیے شریعت میں ممانعت و کراہت وارد نہ ہو۔ جس کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہو، تو جو مباح ہو وہ حسنِ نیت سے باصواب ہو جائے گا اس لیے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔ حدیث "اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّۃِ وَلِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی" کے تحت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، دیکھیے فیوض الباری پ۱ صد ۲۲۲

وَفِیْهِ الْحَثُّ عَلٰی نِیَّۃِ الْخَیْرِ مُطْلَقًا وَاِنَّهٗ یُثَابُ عَلَی النِّیَّۃِ (عینی جلد اول ۲۶ص)

اِس حدیث میں نیتِ خیر کی ترغیب دی گئی ہے مطلقاً اور یہ کہ آدمی کو اس کے عمل کا ثواب نیت کی وجہ سے مل جائے گا۔

[له] مولانا اشرف علی تھانوی، سورہ مائدہ آیت (۳) وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ کے تحت حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "مدارِ حرمت کا نیتِ خبیثہ پر ہے"۔

فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۴۱ سے غزالیٔ زماں سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا کہ (ترجمہ) ذبیحہ کی حلت و حرمت کا دارومدار ذابح کی نیت و قصد پر ہے" (التقریح العقل ص۲۱)

جناب مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ شامی جلد پنجم بحث قربانی سے نقل کرتے ہوئے مرقات سے مزید فرماتے ہیں:

(ترجمہ) نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔ اسی طرح مرقات بحث نیت میں بھی ہے۔" [۵۱]

فقہ حنفی کی مشہور کتاب الاشباہ والنظائر سے منقول ہے کہ

الامور بمقاصدھا۔ امور اپنے مقاصد کے تابع ہوتے ہیں [۵۲]

مولانا محمد متین ہاشمی کہتے ہیں کہ

"اعمال پر نیت اس قدر اثر انداز ہوتی ہے کہ عمل کا حکم تک تبدیل ہو جاتا ہے" [۵۳]

اسی طرح علامہ ناصر الدین ابن المنیر سے بھی منقول ہے کہ

"مقاصد فعل کے احکام کو تبدیل کر دیتے ہیں"[۵۴]

اسے نقل کرنے کے بعد محقق العصر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ایک دلچسپ مثال سے وضاحت فرماتے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ کیجیے، کہتے ہیں مثلاً

"ایک شخص اپنے بچوں کی شادی پر چراغاں کرتا ہے۔ ہزاروں روپے خرچ کرتا ہے۔ دوسرا شخص جشن عید میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چراغاں کرتا ہے۔ ہزاروں روپے خرچ کرتا ہے۔ دونوں نے چراغاں کیا، دونوں نے ہزاروں روپے خرچ کیے۔ مگر ایک کا مقصود نمود و نمائش کے سوا کچھ نہیں، اور دوسرے کا مقصد تعظیم و تکریم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ــــ پہلے کی نیت مردود، مقصد ناپسندیدہ اور دوسرے کی نیت مقبول اور مقصد پسندیدہ۔ اسی لیے متحدہ عرب امارات کی عدالت شرعیہ کے چیف جسٹس شیخ احمد عبدالعزیز المبارک نے محفل عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار خیال کرتے

---

[۵۱] جاء الحق۔ اول صـ۲۴۰
[۵۲] عجائب الفقہ صـ۴۹
[۵۳] روشنی جلد دوم صـ۱۰۷ ۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
[۵۴] اسلامی عقائد صـ۲۴۷ جانِ جاناں صـ۱۳۷

ہوئے فرمایا:

"بدعت کا مدار اس کے ہونے والے اچھے اور بُرے امور پر منحصر ہے اگر وہ اچھے ہیں تو وہ پسندیدہ ہیں اور اگر بُرے ہیں تو قابلِ مذمت (انوارِ قطب مدینہ مطبوعہ لاہور ص ۲۶۶)[1]

امام محمد بن یوسف الصالحی شامی امام جزری سے نقل فرماتے ہیں کہ

"میلاد شریف کا منانا بدعتِ حسنہ ہے اور بدعات صرف اس وقت مکروہ ہوتی ہیں جب وہ سنت کے مخالف ہوں اور جب کسی کام میں سنّت کی خلاف ورزی نہ ہو وہ مکروہ نہیں، اور میلاد شریف کے دن اظہارِ شادمانی و مسرت پر حسبِ نیت انسان کو ثواب مل جاتا ہے"[2]

شارح بخاری صاحب فیوض الباری "دینِ مصطفےٰ" میں فرماتے ہیں:

اِس حدیث میں اعمال سے کوئی خاص عمل مراد نہیں ہے لہٰذا اس میں وہ عمل بھی داخل ہے جس کے متعلق شریعت میں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ اس سے منع کیا گیا ہے یعنی مباح، تو اس اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر وہ کام جو مباح ہو اور جس کے کرنے پر ثواب بھی مقرر نہ ہو۔ اگر اسی کام کو آدمی نیتِ خیر کے ساتھ کرے تو وہ عبادت ہو جائے گا اور اس پر ثواب ملے گا"[3]

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ

"اصل فعل کو دیکھا جائے گا، اگر قواعدِ شرع ممانعت بتائیں تو ممنوع ہوگا ورنہ اباحتِ اصلیہ پر رہے گا اور بہ نیتِ حسن، حسن و مستحسن ہو جائے گا"[4]

بہرحال ہماری درخواست یہی ہے کہ لوگوں کو نیکی کے کاموں کی ترغیب دی جائے اور قرآن پاک کے فرمان عالیشان وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ[5] اور "ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے"[6] کے مطابق

---

[1] جانِ جاناں ص ۱۲۸-۱۲۷، امام غزالی فرماتے ہیں "مباح پر ثواب صرف اسی صورت ملے گا جبکہ نیت بھی اچھی ہوگی" (کیمیائے سعادت اردو ص ۴۹۰ مسلم پریس لاہور) [2] منہاج القرآن ستمبر ۹۱ء ص ۲۳ بحوالہ سبل الہدیٰ والرشاد۔

[3] دینِ مصطفےٰ ص ۲۸۰-۲۸۱ [4] انگوٹھے چومیے ص ۱۱۴ (منیر العین فی تقبیل الابہامین)

[5] یٰسٓ (۱۲) [6] کنز الایمان

ایسا نیک اور اچھا کام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے الفاظ میں نیک رسم "بطور صدقہ جاریہ چھوڑنی چاہیئے جو ہمارے بعد ہمیں مفید ہو" نہ یہ کہ نیکی سے روک کر بری رسم قائم کر دیں جو باعث خسارہ ہو۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اسی آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات یا نشان جو پیچھے چھوڑے مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھایا یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی[1] نیک یا بد سب اس میں داخل ہیں۔"

دیگر مفتی کا فتویٰ تو ہمیشہ کتاب و سنت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ لہٰذا جس نے قرآن و حدیث سے مختلف فتویٰ دیا، مفتری تو ہو سکتا ہے، مفتی ہرگز نہیں، اس لیے من گھڑت فتاویٰ کے اجراء سے احتیاط بہت ضروری ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ایک بے جان شبہ

اس وقت جو کام اہل سنت و جماعت کرتے ہیں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا صدور اس خاص ہیئت میں منقول نہیں لہٰذا بدعات سیئہ اور حرام ہیں مثلاً محفل میلاد، جلوس میلاد، ایصال ثواب کی رسم، عرس اور قبل اذان صلوٰۃ و سلام وغیرہ۔

ابطال شبہ

پچھلے صفحات میں ہم نے اگرچہ اسی شبہ کا رد قدرے تفصیلاً پیش کر دیا ہے، پھر بھی

---

[1] یا کوئی رسم ڈالی نیک سے ثابت ہوا کہ نئی جاری کی گئی رسم نیک بھی ہو سکتی ہے اور کسی ایسی نیک رسم کا اجرا بھی جائز ہوا۔

شکوک و شبہات کے مزید ازالہ کے لیے ذیل میں حرمت، حلت اور اباحت سے متعلق چند قواعد و ضوابط پیش کیے دیتے ہیں تاکہ بے علمی[1] میں فتاویٰ جاری کرنے والے حضرات کا جنون قرار پکڑے۔ وہ غیر شرعی فتویٰ کے اجرا سے اجتناب کریں۔ افتاء کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنے مناصب جلیلہ و رفیعہ کی خود حفاظت[2] کریں۔

ملاحظہ فرمائیے قرآن پاک:

پہلی آیت

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ [3]

ترجمہ اعلیٰ حضرت

اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں؛ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔[4]

ترجمہ اشرف علی تھانوی

اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں وہ فلاح نہ پاویں گے۔[5]

تفسیری حواشی

مولانا شبیر احمد عثمانی رقمطراز ہیں:

۱؎ فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا (الحدیث)

۲؎ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ (فاطر-۱۸-پ۲۲) اور جو ستھرا ہو تو اپنے ہی بھلے کو ستھرا ہوا۔ (کنز الایمان)

۳؎ نحل-۱۱۶-پ۱۴ ۴؎ کنز الایمان ۵؎ مطبوعہ تاج کمپنی

یعنی بدون کسی سند شرعی کے کسی چیز کے متعلق منہ اٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام، بڑی سخت جسارت اور کذب و افترا ہے" [1]

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں:
زمانہ جاہلیت کے لوگ اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حلال بعض کو حرام کر لیا کرتے تھے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیا کرتے تھے اس کی ممانعت فرمائی گئی اور اس کو اللہ پر افترا فرمایا گیا۔ آج کل بھی جو لوگ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام بتا دیتے ہیں، جیسے میلاد شریف کی شیرینی، گیارہویں، فاتحہ، عرس وغیرہ ایصالِ ثواب کی چیزیں جن کی حرمت شریعت میں وارد نہیں ہوئی۔ انہیں اس آیت کے حکم سے ڈرنا چاہیئے کہ ایسی چیزوں کی نسبت یہ کہہ دینا کہ یہ شرعاً حرام ہیں اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا ہے" [2]

دُوسری آیت

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ [3] الخ

اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور وہ تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا مگر جب تمہیں اس سے مجبوری ہو [4]

تفسیری حواشی

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ حرام چیزوں کا مفصل ذکر ہوتا ہے اور ثبوتِ حرمت کے لیے حکمِ حرمت درکار ہے اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم نہ ہو وہ مباح ہے [6]

---

[1] تفسیر شبیر احمد عثمانی مطبوعہ تاج کمپنی
[2] خزائن العرفان (تفسیر صدر الافاضل) مطبوعہ تاج کمپنی۔
[3] الانعام (۱۱۹)
[4] ترجمہ کنز الایمان
[6] تفسیر خزائن العرفان

مولانا شبیر احمد عثمانی رقم طراز ہیں:

"یعنی اضطرار اور مجبوری کی حالت کو مستثنیٰ کر کے جو چیزیں حرام ہیں ان کی تفصیل کی جا چکی۔ ان میں وہ حلال جانور داخل نہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، پھر اس کے نہ کھانے کی وجہ" [۱]

تفسیر بیان السبحان میں ہے:

"آخر شبہ کی گنجائش بھی کیا ہے جب خدا تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے، کہ فلاں فلاں چیزوں کو بغیر کسی اضطراری حالت کے نہ کھاؤ تو اب ان کے علاوہ اور چیزوں کو نہ کھانے کا سبب" [۲]

مخالفین کی معتبر کتاب 'ہدایۃ المستفید' میں ہے: "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ دین کی ایک ایک تفصیل ہمیں بتا دی۔" (طبرانی) [۳]

ہماری عرض

جن امور کو شرع میں بدعات سیئہ اور حرام کہا گیا ہے کیا ان کی حرمت کے تفصیلی ذکر پر کوئی واضح نص پیش کی جا سکتی ہے؟ کیونکہ حرام چیزوں کا تو مفصل ذکر ہو چکا۔ اگر کوئی واضح دلیل نہیں تو بتائیے پھر کیا یہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان نہیں ہے! توبہ کرو توبہ، اور ڈرو اس آگ سے جو فلاح نہ پانے والوں کے لیے تیار پڑی ہے۔

تیسری آیت

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۔ [۴]

---

[۱] تفسیر شبیر احمد عثمانی
[۲] تفسیر بیان السبحان مطبوعہ دیوبند
[۳] ہدایۃ المستفید اول ص۱۰۸ (ترجمہ فتح المجید شرح کتاب التوحید)
[۴] المائدہ (۴)

اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہوا، تم فرما دو کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک چیزیں۔[۱]

حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی حرمت پر دلیل نہ ہونا بھی اس کی حلت کے لیے کافی ہے۔"[۲]

مولانا شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں: پچھلی آیات میں بہت سی حرام چیزوں کی فہرست دی گئی، تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال چیزیں کیا کیا ہیں؟ اس کا جواب دے دیا کہ حلال کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان تھا، دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہی ہیں" (الخ)[۳]

چوتھی آیت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ (المائدہ-۱۰۱)

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے، نہ پوچھو تم ان چیزوں کے متعلق اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں، اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی واسطے تمہارے اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے[۴]

اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ نے یہی آیۃ کریمہ نقل کرنے کے بعد فرمایا: "معاف ارشاد ہے کہ شریعت نے جس بات کا ذکر نہ فرمایا وہ معافی میں ہیں جب تک کلام مجید اتر رہا تھا، احتمال تھا کہ معافی پر قناعت نہ ہو کر کوئی پوچھتا۔ اس کے سوال کی شامت

---

[۱] کنز الایمان
[۲] خزائن العرفان
[۳] تفسیر شبیر احمد عثمانی
[۴] کنز الایمان

سے منع فرمادی جاتی۔ اب کہ قرآنِ کریم اُتر چکا، دین کامل ہوگیا، اب کوئی حکم کرنے کو نہ رہا جتنی باتوں کا شریعت نے نہ حکم دیا نہ منع کیا انکی معافی ہو چکی جس میں اب تبدیلی نہ ہوگی۔[۱]

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں کہ

"اِس آیت سے ثابت ہوا کہ جس امر کی شرع میں ممانعت نہ آئی ہو وہ مباح ہے۔"[۲]

شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں:

"یا تو مراد یہ ہے کہ ان اشیاء سے درگذر کی یعنی خدا نے ان کے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان ان کے بارے میں آزاد ہے، خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا۔ چنانچہ اسی سے بعض علمائے اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے"[۳]

ابوبکر جابر الجزائری اور مشتاق علی ندوی ایسے امور کو مستحب کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"اگر وہ کام ایسا ہے جس کے کرنے اور اس پر پابندی کا حکم دیا ہے، تو یہ واجبات ہیں جن کا چھوڑنا مسلمان کے لیے جائز نہیں اِس کے علاوہ مستحبات ہیں جن کے کرنے والے کو ثواب اور چھوڑنے والے پر کوئی عتاب نہیں"[۴]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہ العزیز اسی آیۃ مبارکہ کے فوائد میں فرماتے ہیں کہ، "اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جو چیز حرام نہ کی گئی وہ مباح ہے۔"[۵]

پانچویں آیت

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر، پ۲۸)

"اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روک دیں اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو۔ اور اللہ سے ڈرو"[۶]

---

[۱] فتاویٰ افریقہ صفحہ ۹۹-۱۰۰ بحوالہ ارشادات اعلیٰ حضرت صفحہ ۱۰۱-۱۰۲ مطبوعہ کلکتہ
[۲] خزائن العرفان
[۳] تفسیر شبیر احمد عثمانی
[۴] محفل میلاد ص ۹ مطبوعہ جدہ، ترجمہ مشتاق علی ندوی
[۵] تفسیر نعیمی
[۶] ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
ایمان کی حقیقت بس اس میں ہے جب شارع علیہ السلام سے سن لو تو اسے قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرو۔ لیکن اگر تم نے اپنی عقل کو ایمان پر مقدم جانا تو تمہارا ایمان عقل پر تو کامل ہو سکتا ہے شارع علیہ السلام پر نہیں۔[1]
لہٰذا قرآن پاک کے حکم کے مطابق یہاں بھی ہم احادیث پاک کی طرف رجوع کرتے ہیں:

حدیثِ اوّل

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَحَرَّمَ اَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ رَحْمَةً لَكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا۔[2]

یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں پس انہیں ضائع نہ کرو۔ اور کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور بعض چیزیں حرام قرار دیں پس تم ان کی حرمت کو نہ توڑو۔ اور بعض چیزوں کے بارے میں خاموشی فرمائی، تم پر رحم کرتے ہوئے بھول سے نہیں، پس ان میں بحث نہ کرو۔

حدیث دوم

وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفٰى عَنْهُ[3]

اور جس سے خاموش رہا تو وہ اس میں سے ہے جس سے معافی دے دی۔
شارح بخاری، صاحب فیوض الباری علامہ سید محمود احمد رضوی اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر فقہائے کرام سے نقل فرماتے ہیں کہ: "یہ حدیث دلیل

---

[1] تکمیل الایمان (اردو) ص۱۲ مکتبہ نبویہ لاہور۔
[2] اربعین نووی
[3] مشکوٰۃ کتاب الاطعمۃ

ہے اِس اَمر میں کہ اصل اشیا میں اباحت ہے۔ (اشعۃ اللمعات۔ ج ۳، ص ۵۴۶)

تمام حنفیوں اور شافعیوں کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے۔
(حموی ص ۸۷؛ در مختار۔ ج: ۱۔ ص ۴۳؛ رد المحتار ج ۱ ص ۹؛ میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱، ص ۴۸)

اِن حوالہ جات سے واضح ہوا کہ کسی فعل کو جائز و مباح قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں۔"[1]

حدیثِ سوم

وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ [2] اور جن سے خاموشی فرمائی وہ معاف ہیں۔

مراۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: "اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں میں اصل اباحت ہے کہ جس سے سکوت یعنی خاموشی ہے وہ مباح ہے۔ اسلام کا کلیہ قانون ہے، جس سے لاکھوں چیزوں کے حال معلوم ہو سکتے ہیں۔ آم، مالٹا وغیرہ کیوں حلال ہیں، اِس لیے کہ شریعت میں ان کی ممانعت نہیں آئی۔"[3]

مولانا عبد السمیع رامپوری کہتے ہیں: "پس معلوم ہوا کہ جس چیز میں اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے سکوت ہو اس کو مباح جاننا چاہیے نہ کہ بدعت و مکروہ و حرام۔"[4]

حدیثِ چہارم

وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا۔ [5]

اور بغیر بھولے کچھ چیزوں کے بیان سے خاموشی اختیار کی ان سے بحث نہ کرو۔

---

[2] مشکوٰۃ باب مایحل اکلہ وما یحرم

[1] اسلامی تقریبات ص ۹۹، ۱۰۰

[3] مراۃ جلد: ۵، ص ۶۸۱۔ مولانا عبد الرحمٰن جامعہ اشرفیہ لاہور۔ جنگ (راولپنڈی) جمعہ میگزین ۱۷ تا ۲۳ جولائی ۱۹۸۷ء جواباً کہتے ہیں: سوال: اپنے نام کے آگے اپنا تخلص قیصر رکھا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو کوئی اور تخلص تجویز فرما کر ممنون فرمائیں۔ جواب: جائز ہے۔ کیونکہ ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

[4] انوار ساطعہ ص ۳۶

[5] مشکوٰۃ باب الاعتصام

اشعۃ اللمعات میں مرقوم ہے کہ بھول اور نسیان سے وہ ذات پاک اور منزہ ہے۔ اس نے تو تم پر رحمت کرنے اور تمہارے لیے کارِ دین میں آسانی کے لیے ایسا کیا ہے تو ان کے بارہ میں کاوش اور کھود کرید نہ کرو۔[۱]

مراۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ "یعنی بعض چیزوں کی حلت و حرمت صراحتاً قرآن یا حدیث میں مذکور نہیں، ان کی بحث میں نہ پڑو، وہ مباح ہیں۔[۲]

غور فرمائیے، ہماری پیش کردہ احادیثِ مبارکہ معانی و مفاہیم کے اعتبار سے چنداں مختلف نہیں؛ اور سبھی اباحت کے اصل ہونے پر دال ہیں۔ خصوصاً حدیث اول کے جملہ رحمۃ لکم سے خوب واضح ہوتا ہے کہ جس چیز کے بارے میں حلت و حرمت سے متعلق کوئی حکم مذکور نہ ہو وہ جائز اور مباح ہے؛ ورنہ اس کے حکم سے خاموشی کو رحمت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ غیر مقلدین کے چوٹی کے رہنما مولانا ثناء اللہ امرتسری سے کسی نے دریافت کیا کہ:

"لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شیروانی نہیں پہنتے تھے اور پمپ جوتا نہیں پہنتے تھے، اور کوٹ نہیں پہنتے تھے اور بندوق نہیں چلاتے تھے اور پان نہیں کھاتے تھے اور آج کل یہ سب چیزیں استعمال کی جاتی ہیں، اس لیے یہ سب بدعت ہیں لہٰذا اس کے لیے کیا حکم ہے؟" تو مولانا صاحب نے فرمایا:

"حدیث میں آیا ہے: ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُمْ۔ یعنی جب تک میں تمہیں کسی چیز سے منع نہ کروں تم اس کو منع مت سمجھا کرو، بلکہ جائز سمجھو۔ اشیائے مذکورہ اس حدیث کے تحت جائز ہیں کیونکہ ان کے بارے میں ممانعت نہیں آئی۔"[۳]

ڈاکٹر محمد مسعود احمد فرماتے ہیں:

"معلوم ہوا جس کو اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف لفظوں

---

[۱] اشعۃ اللمعات اول۔ اردو۔ ص ۲۸۱ [۲] مراۃ اول۔ ص ۸۵

[۳] اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۰ شوال ۱۳۴۲ھ بحوالہ واعظ حمید سوم۔ ص ۲۱۲

میں حلال فرمایا وہ حلال ہوگیا۔ اور جس کو حرام فرمایا حرام ہوگیا۔ اور جن امور کے بارے میں کچھ نہ فرمایا گیا وہ مباح ہیں۔ یہ ایک فطری اصول ہے"۔[1]

بتائیے

جو رب تعالیٰ کی معافی کی مخالفت کرے، اور رب تعالیٰ کی معاف کی ہوئی چیزوں میں خواہ مخواہ پابندی لگائے، کیا وہ مفتیٔ شریعت ہوتا ہے یا خوفِ خدا سے بے نیاز بندہ خواہشات؟ اللہ تعالیٰ کی معافی کو معافی نہ سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی سہولت میں اپنی طرف سے پابندی یا حکمِ ممانعت لگانا اطاعتِ خداوندی سے بغاوت اور بجائے افتاء افترا ہے۔ اور یہ جسارت اس معاف کرنے والے کو بالکل پسند نہیں کہ کوئی دوسرا اس کی مخلوق کو مشکل میں ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔

اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، تمہارے ساتھ دشواری نہیں چاہتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہما) کو یمن کی طرف روانہ کیا تو آپ نے ان سے فرمایا، آسانیاں پیدا کرنا، دشواریاں پیدا نہ کرنا۔ لوگوں کو خوشخبری دینا، انہیں متنفر نہ کرنا۔ ایک دوسرے کی رعایت کرنا اختلاف نہ کرنا۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مختلف فتنوں سے خبردار کیا۔[3]

ان میں سے بہت سے فتنوں کی تفصیلی صورتیں بیان کرتے کے بعد شاہ صاحب موصوف فتنہ کی ایک صورت یوں نقل کرتے ہیں:

---

[1] جانِ جاناں صفحہ ۱۳۰ [2] ارمغان شاہ ولی اللہ صفحہ ۲۴ بحوالہ حجۃ اللہ البالغۃ

[3] ازالۃ الخفاء۔ اردو۔ اوّل صفحہ ۳۰۵

عبادات میں تشدد اور سختی اختیار کرنا اور رخصتِ شرعی کے ساتھ راضی نہ ہونا۔[1]
مصابیح میں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک دین سراپا آسانی ہے الخ
گویا شاہ صاحب کی اس منقولہ تصریح کے مطابق رخصتِ شرعی (معافی) کے ساتھ راضی نہ
ہونا دین میں فتنہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ اور فتنہ کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ:
اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔

جناب عامر عثمانی فاضلِ دیوبند "بدعت کی کسوٹی" کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں:
"آزادی اور سہولت کا حق، جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیا ہے اس
حق (رعایت) کو سلب کرنے کا کسی کو کیا حق (اختیار) ہے"۔[2]

اُمید ہے اب قارئین کرام کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں رہی ہوگی کہ خدا و
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر کون کاربند ہے؟ اللہ تعالیٰ کی دی گئی معافی
سے فائدہ اٹھانے والے یا اس کے مخالفین؟

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن پاک نے تو یوں فرمایا ہے:
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ۔[3]
اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

دیکھ لیجیے ایسے باغیوں کے اعمال کی حالت جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی
کو معافی نہ سمجھ کر اطاعت سے بغاوت کر رہے ہیں۔ الحمد للہ ہم اہل سنت و جماعت اپنی
طرف سے کبھی ممانعت قائم نہیں کرتے۔ اور ایسے معاف کیے ہوئے امور کو مباح جانتے ہیں۔
ہمارا مدعا اگرچہ خوب واضح ہو چکا ہے اور کتاب و سنت نے اسے خوب نکھار بھی دیا
ہے۔ پھر بھی ہم چند مشاہیر علمائے کرام کی تصریحات پیش کر دیتے ہیں تاکہ اسے سمجھنے اور فیصلہ کرنے

---

[1] ازالۃ الخفا۔ اردو۔ اول۔ ص ۳۲
[2] بدعت کیا ہے۔ ص ۲۳۸ ادارہ اسلامیات۔ لاہور
[3] پ ۲۶۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ۳۳

میں مزید آسانی ہو۔ دیکھیے:

۱۔ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

حضور سیدنا غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جس کام کا شرع میں کوئی حکم نہیں ہے بایں معنیٰ کہ نہ وہ سخت منع ہے نہ حکم وجوب میں، بلکہ وہ مہمل ہے، اس میں بندے کو اختیار دیا گیا ہے، خواہ وہ تصرف کرے یا نہ کرے بس اسی کا نام مباح ہے"۔ [۱]

علامہ مولانا عبدالسمیع رامپوری فرماتے ہیں:

"جس چیز میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت ہو اس کو مباح جاننا چاہیے نہ کہ بدعت و مکروہ و حرام"۔ [۲]

حضرت سید محمود احمد رضوی نقل فرماتے ہیں:

"اباحت کا مطلب ہے جائز ہونا کہ اگر حدیث ضعیف بھی ہو تو جو کچھ اس میں مروی ہے اس کا جائز ہونا ثابت رہے گا اور جائز کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں فرض، واجب یا حرام یا مکروہ تحریمہ ہرگز ہرگز نہیں قرار پائیں گی کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اور اباحت کو حرمت میں بدلنے کا حق صرف اور صرف شارع علیہ السلام کو ہے"۔ [۳]

"جواز کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا، کسی چیز کی ممانعت قرآن و حدیث میں نہ ہو تو اسے منع کرنے والا خود حاکم و شارع بننا چاہتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں طہارت و حلت اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں"۔ [۴]

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

"اصل فعل کو دیکھا جائے گا۔ اگر قواعدِ شرع ممانعت بتائیں تو ممنوع ہو گا، ورنہ اباحت

---

[۱] فتوح الغیب۔ عربی، اردو۔ صـ۳۲
[۲] انوارِ ساطعہ صـ۳۶
[۳] فیوض باری۔ پ۲۔ صـ۲۱۵
[۴] فیوض باری۔ پ۲۔ صـ۲۱۹

اصلیہ پر رہے گا، اور بہ نیت حسن، حسن و مستحسن ہو جائے گا۔[1]

تفسیر نعیمی میں ہے: "اصل اشیاء میں اباحت ہے، جو چیز حرام نہ کی گئی وہ مباح ہے۔"[2]

قاری طیب سابق مہتمم دیوبند لکھتے ہیں:

"بہت سے مباحات اصلیہ جو صحابہ کرام کے زمانہ میں زیر عمل نہیں آئے مگر اباحتِ اصلیہ کے تحت جائز ہیں۔"[3]

اشعۃ اللمعات سے منقول ہے: "اصل در اشیاء اباحت است" یعنی چیزوں میں مباح ہونا اصل ہے۔[4]

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری سے یوں منقول ہے:

"یقینی بات یہ ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے (ان الاصل فی کل مسئلہ ھو الصحۃ) اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماعِ امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔"[5]

مولانا مودودی کی سن لیجیے، وہ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ:

"قدیم نظریہ یہ تھا کہ سب کچھ حرام ہے بجز اس کے جسے حلال ٹھہرایا جائے۔ قرآن نے اس کے برعکس یہ اصول مقرر کیا کہ سب کچھ حلال ہے بجز اس کے جس کی حرمت کی تصریح کر دی جائے۔"[6]

۲۔ عدمِ نقل عدمِ وجود کو مستلزم نہیں۔

حضرت علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عدم النقل لایدل علیٰ عدم الوقوع ثم لو سلم لایلزم منہ عدم الجواز۔[7]

عدمِ نقل عدمِ وقوع پر دال نہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے تو اس سے عدمِ جواز لازم نہیں آتا۔

---

[1] انگوٹھے چومیے صہ ۱۱۶ [2] تفسیر نعیمی "مائدہ" (۱۰۱) کے تحت [3] کلمہ طیبہ صہ ۱۱۰

[4] اقامۃ القیامہ صہ ۵ بتفسیر نعیمی پ ۲ صہ ۱۶۵ بحوالہ تفہیم احمدی [5] اقامۃ القیامہ صہ ۲۹

[6] تفسیر مودودی جلد اول صہ ۴۳۵ [7] فتح الباری شرح صحیح بخاری جز ثالث صہ ۳۸۲

فتح القدیر ج ۱ صہ ۲ از علامہ ابن ہمام بحوالہ لمعات الاصلیۃ المتمادہ، صہ ۲۳-۲۴ از مفتی محمد ہدایت الحق جھنڈو

مواہب لدنیہ سے منقول ہے:

اَلْفِعْلُ يَدُلُّ عَلَى الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ لَا يَدُلُّ عَلَى الْمَنْعِ۔ کرنا جواز پر دلالت کرتا ہے اور نہ کرنا ممانعت کی دلیل نہیں۔[۱]

حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (مخالفین کی کتب احادیث میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو جنت کی) بشارت کی روایت کا نہ ہونا عدم بشارت پر دلالت نہیں کرتا۔[۲]

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ پہلے شیعوں کا اعتراض نقل کرتے ہیں:

"شیعوں کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے امور کا متولی بنایا اور پوری امت کا ان کو خلیفہ (امیر) بنا دیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں وہ صرف ایک سال کے لیے صدقات کی تحویل پر مامور ہوئے اور پیغمبر علیہ السلام کے معزول کردہ کو پھر بحال کرنا اور خدمت سپرد کرنا، پیغمبر علیہ السلام کی کھلم کھلا مخالفت ہے"۔ اور پھر اس اعتراض کے رد میں اپنے تیسرے جواب میں فرماتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت تو اس وقت لازم آتی کہ آپ اس کی ممانعت فرما دیتے اور پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو برسر کار کرتے اور معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے مخالفت لازم ہی نہیں آتی۔

یہاں تو صورت یہ ہے کہ ایک کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد نہیں فرمایا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ ان کے سپرد کر دیا۔"[۳]

یہی شاہ عبد العزیز آگے فرماتے ہیں:

"تیسرے یہ کہ خلیفہ نہ بنانا ایک الگ بات ہے۔ اور اس سے منع کرنا الگ بات

---

[۱] اقامۃ القیامۃ صفحہ ۴۹ بحوالہ مواہب لدنیہ [۲] مکتوبات حصہ ہفتم دفتر دوم مکتوب ۹۶

[۳] تحفہ اثنا عشریہ اردو صفحہ ۵۲۶ دار الاشاعت کراچی

مخالفت اُس وقت ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ بنانے سے منع فرما دیتے اور جناب صدیق رضی اللہ عنہ اس کے باوجود خلیفہ مقرر فرماتے۔

یہ صورت مخالفت کی نہیں ہے کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمایا وہ کام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کر دیا۔"[1]

علامہ ابن الہمام کی فتح القدیر جلد اول صفحہ ۳۸۴ سے منقول ہے،

ارجمہ "کسی شئے سے سکوت اس کے ترک کا تقاضا نہیں کرتا"[2]

فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب "الاشباہ والنظائر" سے منقول ہے:

الاصل العدم	نہ ہونا بھی اصل ہے،
الاصل الوجود	ہونا بھی اصل ۔[3]

غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں:

"عدمِ نقل عدم وجود کو مستلزم نہیں، اس لیے محض منقول نہ ہونے سے اس کا عدم ثابت نہیں ہوتا۔ اور ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کی حرمت کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں۔"[4]

جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب فرماتے ہیں:

"کسی چیز کا عہدِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم، عہدِ خلافتِ راشدہ اور عہدِ تابعین و تبع تابعین میں ہونا اس کی فضیلت کی دلیل ہے اور نہ ہونا اس کی حرمت کی دلیل نہیں۔"[5]

مولانا اسماعیل دہلوی رقم طراز ہیں:

"آنکہ عدم قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ دلیل عدم جواز نمی شود، چہ برائے حکم سلبی دلیل می باید۔ عدم علم برائے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول اور فعل کا نہ ہونا کسی قول اور فعل کیلئے عدم جواز کی دلیل نہیں۔ سلبی حکم کیلئے دلیل

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ - اردو - صفحہ ۵۲۸

[2] لمعات الاصلیۃ المتازہ فی استحباب الدعاء خلف الجنازہ صفحہ ۲۳

[3] عجائب الفقہ صفحہ ۴۹-۵۰

[4] معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۳۴

[5] جانِ جاناں صفحہ ۱۳۰

آں کفایت نہ مے کند۔ کی ضرورت ہے۔ علم کا نہ ہونا کفایت نہیں کرتا[۱]

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کہتے ہیں:

"عدمِ جواز کے واسطے یہ دلیل نہیں ہے کہ کسی نے قرونِ خیر میں اس کو نہیں کیا" ـــ اور "جواز و عدمِ جواز میں جواز کی طرف جانا چاہیئے"[۲]

جناب قاری محمد طیب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کی سُنیے، وہ بھی کہتے ہیں:

"مذکور نہ ہونے کے معنی مطلقاً عدمِ ذکر یا عدمِ جواز کے نہیں ـــ عدمِ ذکر، عدمِ شئی کو مستلزم نہیں ـــ عدمِ ذکر کے معنی دنیا میں کہیں بھی نفی اور ممانعت کے نہیں ہوتے"[۳] گویا کسی نقل کا نہ ملنا سنت ہونے کی نفی تو کر سکتا ہے وقوع و جواز کی نہیں۔

۳۔ فتویٰ عدمِ جواز کیلئے نصِ صریح درکار ہے اور یہ مفتی عدمِ جواز کی ذمہ داری ہے

صاحب فیوض الباری نقل کرتے ہیں کہ:

جب کوئی کسی کو کسی شے سے منع و انکار کرے اور اسے حرام و مکروہ یا ناجائز کہے، سو جان لو کہ بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کر دے، اس کا دعویٰ اس پر مردود اور جائز و مباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لیے تمسک باصل موجود۔ یہ قاعدہ نصوص علیہ احادیث نبویہ و تصریحاتِ جلیلہ حنفیہ شافعیہ وغیرہم عامہ علماء و ائمہ سے ثابت ہے۔ یہاں تک کسی عالم کا اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔[۴]

میاں نذیر حسین دہلوی کا ایک قول ملاحظہ ہو، کہتے ہیں:

"اور مدیحہ بش یہ کہ نقل خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جائز نہ کہنا اور بات ہے اور ناجائز کہنا اور بات۔ یہ تو بتاؤ کہ تم جو ناجائز کہتے ہو، خدا اور رسول نے ناجائز کہاں کہا ہے؟"[۵]

فیوض الباری میں ہے: "جو شخص کسی بات کا مدعی ہو اس کا بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ آپ اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ دے اور دوسروں سے الٹا ثبوت مانگتا پھرے،

---

[۱] مولانا اسمٰعیل اور تقویت الایمان ص ۱۰۸، ۱۱۵ بحوالہ چہار دہ مسائل؛ [۲] فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۲۴، ۹۹

[۳] کلمہ طیبہ ص ۹۱، ص ۸۵، ص ۸۲؛ [۴] فیوض الباری ص ۲۱۹ پ ۳؛ [۵] اقامۃ القیامہ ص ۲۹

وہ پاگل و مجنون کہلاتا ہے یا مکار پر فتون۔[1]

۴۔ مفتی شریعت کیلئے احتیاط کس قول میں ہے؟

مقتدائے اہلِ سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں:

یعنی یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افترا کر دو کہ حرمت و کراہت کے لیے تو دلیل درکار ہے۔ بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مان لی جائے کہ اصل وہی ہے۔[2]

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرماتے ہیں:

"عمل مباح کو حرام اور ضلالت سمجھنا بھی مذموم ہے"۔[3]

سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ دفتر اول مکتوب نمبر ۱۹۳ میں فرماتے ہیں،

"مباحات میں حق سبحانہٗ کی رضا ہے اور حرام اشیاء میں خدا تعالیٰ کی رضا نہیں"۔

اب جس میں حق تعالیٰ کی رضا ہے، اسے حرام اور ممنوع کہنا درست نہ رہا۔

پس اس بے احتیاطی سے احتیاط ضروری ہو گئی۔

توضیح

مندرجہ بالا تصریحات نے اگرچہ اس شبہ کو بے جان اور لغو ثابت کر دیا ہے پھر بھی ہم صحیح بخاری شریف سے ایک عظیم الشان اور ناقابلِ تردید واقعہ مختصراً بیان کر دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ کوئی قصہ کہانی نہیں ہے بلکہ امر واقع ہے جس سے انکار ممکن نہیں اور محض بخاری شریف پر اعتماد کا اعلان کرنے والوں کے لیے بہت بڑا ثبوت۔ تو ملاحظہ کیجیے:

---

[1] فیوض الباری پ۲۔ ص۲۳۰

[2] فیصلہ ہفت مسئلہ

[3] اقامۃ القیامۃ ص۲۹

جنگ یمامہ میں جب بہت زیادہ حفاظ و قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا:

كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تم وہ کام کیونکر کرو گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ [۱]

تو جناب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے، اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ "هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ" پھر کچھ بحث کے بعد جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رجوع فرمالیا۔ بعد ازاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کے لیے فرمایا، تو انہوں نے بھی ایسا ہی استفسار کیا یعنی "كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ اس پر حضرت والا گوہر جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی فرمایا: "هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ"۔ یعنی خدا کی قسم کام تو بھلائی کا ہے پھر یہاں بحث ہوئی حتیٰ کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ [۲]

اب غور فرمائیں جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تو اس پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا، اگرچہ نہیں کیا مگر خدا کی قسم کام اچھا ہے۔ اور ایسا ہی حضرت زید سے صداقت کے تاجدار خلیفۂ اول

---

[۱] جناب سعید احمد اکبر آبادی پروفیسر مسلم یونیورسٹی انڈیا کہتے ہیں: یعنی کہیں اس طرح یہ کام "بدعت اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تجاوز" نہیں ہو جائے گا۔ پس یہ خیال تھا جس کے باعث حضرت ابو بکر کو تامل ہوا۔ لیکن بعد میں حضرت عمر کے بار بار کہنے سے آپ کو اطمینان ہو گیا۔ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ص ۲۷۸۔ مکتبہ رشیدیہ کراچی)

[۲] بخاری شریف باب جمع القرآن، کتاب التفسیر پ۱۹ میں بھی قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ہے۔ مخالفین کے مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بھی معارف القرآن جلد اول ص ۳۸ میں نقل فرمائی ہے اور حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے نقل فرمایا ہے۔ دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن ص ۱۶۸ اردو۔ ادارہ مطالعات لاہور

جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ بھی نہیں بلکہ جمع قرآن عمل میں آ بھی گیا۔

لیجیے اب تو یقیناً اس شبہ کا بطلان ظاہر ہو گیا۔ لفظ "خیر" کا استعمال ایک ہی دفعہ کافی تھا: دو دو دفعہ وارد ہوا بلکہ "واللہ۔ خدا کی قسم" کا خوبصورت اضافہ بھی۔ لہٰذا عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو گیا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا اسے اچھا کہا بھی اور کیا بھی۔ سُنیوں کے لیے یہ ایک مستند دلیل ہے۔ جو شخص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے قول و فعل کو قابلِ اتباع نہیں جانتا وہ مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کا مصداق بننے کے لیے اس شبہ کو غلط کہنا ہو گا۔

دیگر جب یہ شبہ پیش کیا جائے تو اس شبہ کا صدور بھی اسی ہیئت میں اسی مفہوم کے ساتھ منقول ہونا ضروری ہے۔ جب یہ شبہ ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو کیوں نہ اپنے ہی قاعدہ سے بدعتِ سیئہ اور حرام ہو گیا۔ رہی محفلِ میلاد، جلوسِ میلاد، ایصالِ ثواب، عرس اور قبل اذان صلوٰۃ و سلام اور ان کا جواز، تو اس پر آئندہ صفحات میں مفید بحث ہو رہی ہے وہاں ملاحظہ کر لیجیے۔

دُوسرا شُبہ

جو کام قرونِ ثلاثہ میں تھا وہ خیر ہے اور جو بعد میں نکلا وہ شر۔ دیکھیے حدیث شریف میں فرمایا: خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ الخ

ازالۂ شُبہ

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ القوی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص میں فرماتے ہیں کہ "اس امت کے اولین بعد والوں سے افضل ہیں اس کی ایک ترتیب بھی اس ضمن میں شارع علیہ السلام سے واقع ہے، فرمایا:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ الَّذِیْنَ اَنَا فِیْھِمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ

سب سے بہتر میرا وہ زمانہ ہے جس میں مَیں ہوں پھر وہ جو اس سے متصل ہے پھر وہ جو ان سے متصل ہے۔

مشہور یہ تین مرتبے ہیں اول صحابہؓ دوم تابعین، سوم تبع تابعین۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے مرتبہ چہارم بھی معلوم ہوتا ہے جس کو اتباع تبع کہتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثُمَّ یَفْشُوا الْکِذْبُ (پھر جھوٹ پھیل جائے گا) مطلب یہ کہ ان تین یا چار مرتبوں کے بعد جس طرح اوائلِ زمانہ میں دین، صدق، تقویٰ اور یقین میں جو ربط و ضبط تھا اس کے بعد کذب جھوٹ اور افترا عام ہو جائے گا۔[1]

صاحب انوار ساطعہ شاندار تحقیق کے بعد فرماتے ہیں "پس اصل مطلب حدیث یہ ہوا کہ سب آدمیوں میں اچھے میرے قرن[2] کے آدمی ہیں۔ پھر ان کے بعد والے، پھر ان کے بعد والے، اور بعد ان کے فاش طور پر کذب ظاہر ہو گا یعنی جس طرح قرونِ ثلاثہ میں خیریت غالب تھی اسی طرح بعد کو کذب غالب ہو گا لیکن غلبۂ خیر کے معنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرونِ اولیٰ میں جو کچھ ہو گا سب خیر ہو گا اس لئے کہ تمام بدعتیں

---

[1] مدارج النبوت اردو اول ص۲۶۷ [2] درج ذیل احادیث بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں
(ا) خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم الخ۔ بخاری شریف باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ التجرات الحسان (ب) خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم الخ۔ بخاری شریف باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ مشکوٰۃ باب مناقب صحابہ۔
(ج) اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم الخ۔ مشکوٰۃ باب مناقب صحابہ
مراۃ جلد ہشتم ص۳۳۵ پر یوں مرقوم ہے:۔ قرن کے لفظی معنی ہیں ملنا اسی سے ہے اقتران اور قرین اصطلاح میں زمانہ کو بھی قرن کہتے ہیں اور زمانہ والوں کو بھی جو بیک وقت موجود ہوں۔ یہاں قرن بمعنی اہل زمانہ ہیں یعنی ساتھی اسی لئے آگے ہے۔ ثم الذین یلونھم الخ

قدر و ارجاء، خروج و رفض وغیرہ سب قرون ثلاثہ ہی میں ہوئیں اور اوقات خیر القرون میں ہونے کے سبب ان کو کوئی اہل سنت وجماعت خیر نہیں کہتا پھر اسی طرح مابعد قرون ثلاثہ کے کذب کا حال اس کے مقابل میں سمجھنا چاہیے کہ ظہور کذب مابعد کے معنی یہ نہیں کہ جو کچھ ظاہر ہوگا سب کذب ہوگا جس طرح یہ نہ ہوا کہ جو چیز خیر القرون میں ایجاد ہو وہ سب خیر ہو اسں تقریر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ بعض چیزیں بعد قرون ثلاثہ کے جن کو عباد الصالحین نکالیں گے وہ درست اور احسن ہوں گی اور بعض باتیں جو خلاف شرع ایجاد ہوں گی وہ گمراہی کا سبب اور قبیح ہوں گی جس طرح خود قرون ثلاثہ کی بعض بدعتیں نکلی ہوئی سب خراب اور ضلالت ہیں۔ قول جمہور اور مذہب منصور یہی ہے[1]"

گویا اب اگر یہ شبہ جائز تصور کر لیا جائے تو قرون ثلاثہ میں جو امر بھی جاری ہو گیا تھا وہ درست اور خیر ماننا پڑے گا۔ مثلاً رفض وخروج وغیرہ اور جو کچھ بھی بعد میں جاری ہوا وہ باطل محض۔ مثلاً اعراب قرآن، تقلید، صرف ونحو اور باطل فرقوں کے رد کے لئے نئے نئے دلائل لیکن یہ نقل وعقل کے خلاف ہے پس یہ قاعدہ اور شبہ ہی باطل ہو گیا کہ زمانہ خیر وشر کا مدار ہو۔

رہا یہ کہنا کہ حدیث "خیر القرون قرنی" میں خیر کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرون ثلاثہ میں جو امر بھی جاری ہو گیا وہ خیر ہوگا اور بعد میں جاری ہونے والا برا تو آئیے ہم لفظ خیر کا جائزہ لیتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات فرماتے ہیں۔ "مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ[2]" میری امت کی

---

[1] انوار ساطعہ ص ۲۹ [2] مشکوٰۃ باب ثواب ہذہ الامۃ۔

مثال اس بارش سی ہے نہیں معلوم کہ اگلی خیر ہے یا پچھلی" یعنی ساری امت ہی خیر ہے واضح ہو گیا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ خیر ساری امت کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے اگرچہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کی افضلیت میں شک نہیں فرمایا "اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ[1] میرے صحابہ کی تکریم کرو کیونکہ وہ تمہارے بہترین ہیں" اب دیکھئے تمام صحابہ "خیار" ہیں یعنی امت میں صحابہ رضی اللہ عنہم افضل ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل۔ (افضل البشر بعد الانبیاء[2]) لیکن جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ دیگر صحابہ "خیار" نہ تھے۔ گویا کسی کی افضلیت و برتری دوسروں کی اچھائی کو مضر نہیں۔

؎ تار دل کی اگر چرخ پہ بارات سجی ہے
گلشن کی پھبن بھی تو سہاگن سے نہیں کم

اگر اب بھی کوئی الجھن باقی ہے تو ایک مشہور و معروف اور فیصلہ کن حدیث شریف پہ توجہ فرمائیں انشاء اللہ دور ہو جائے گی فرمایا "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ[3]" یہاں بھی لفظ "خیر" قرون ثلاثہ کی خصوصیت نہیں بلکہ یہ لفظ "خیر" ہر قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے سیکھنے اور سکھانے والے کو محیط ہے اور لفظ "مَن" کی عمومیت اس استدلال پہ دال ہے۔

دیگر ہماری پیش کردہ حدیث نے یہ نہ فرمایا کہ قرون ثلاثہ میں جو

---

[1] مشکوۃ باب مناقب الصحابۃ [2] اعلیحضرت نے ابن عساکر کے حوالہ سے افضل الناس اور خیر الناس بعد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ نقل فرمائے ہیں (ختم النبوۃ ص۵۲)۔ [3] مشکوۃ کتاب فضائل القرآن۔

آدمی طریقۂ حسنہ جاری کرے گا اُسے ثواب ہو گا یا جو بعد ازاں جاری کرے گا اُسے ثواب نہیں ہو گا بلکہ یوں فرمایا "مَنْ سَنَّ" یعنی جس قرن میں بھی جو کوئی جب کبھی اچھا طریقہ جاری کرے گا ثواب کا مستحق ہو گا۔ تو یہاں ثواب کا استحقاق خیر ہی کے لئے ہے[1] شر کے لئے قطعاً نہیں۔

آپ نے احادیث مبارکہ میں لفظ "خیر" اور اس کا حکم ملاحظہ کر لیا ہے ہم چونکہ اپنا مدعا قرآن کریم سے بھی ثابت کرنے کے عادی ہیں لہٰذا آیات کریمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے

پہلی آیت

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[2] تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو[3]

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کہتے ہیں :-

"یہ خطاب تمام امت محمدیہ کو عام ہے پھر ان میں سے صحابہ اول اور اشرف مخاطبین ہیں[4]"

مراۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے :-

"اس میں خطاب ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے[5]"

شبیر احمد عثمانی رقمطراز ہیں :-

"اے مسلمانو! خدا تعالیٰ نے تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے[6]"

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں:

"تم بہتر ہو اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم"[7]

---

[1] بلکہ حدیث ترمذی میں تو خاص لفظ خیر موجود ہے۔ فرمایا: مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ الخ (ترمذی ابواب العلم)
[2] پ۴ آل عمران (۱۱۰) [3] ترجمہ کنز الایمان [4] تفسیری حاشیہ مطبوعہ تاج کمپنی [5] مراۃ جلد ۸ ص۵۹۶
[6] تفسیر مولانا عثمانی [7] تفسیر خزائن العرفان

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

" یہ خطاب بے واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ہے۔"[۱]

(یہاں لفظ بے واسطہ بتا رہا ہے کہ بالواسطہ خطاب ساری امت سے ہے ورنہ لفظ" بے واسطہ" غیر ضروری ہو جاتا ہے)۔ سنیے!

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں : آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ ماضی میں بھی بہترین امت تھے اور وقت خطاب میں بھی بہترین امت ہیں اور آئندہ بھی بہترین ہوں گے"[۲]

دوسری آیت

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ[۳] " وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ ہیں سب خلق سے بہتر"[۴] یہاں بھی لفظ "خیر" تمام اہل ایمان نیکو کاروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

اب فرمایئے کیا رہا ہمارا استدلال۔ ہم نے کتاب و سنت سے ساری امت کے لئے لفظ "خیر" کا اطلاق ثابت کر دیا ہے۔ کہیے جب ساری امت ہی خیر ہے تو پھر برا کب ہوگا اور اجماع امت کی حیثیت کیا ہوگی؟

مولانا عبدالسمیع رامپوری فرماتے ہیں: "کیونکہ کسی اصولی نے تصریح نہ فرمائی کہ اجماع بعد قرون ثلاثہ کا کذب و افترا ہوگا"[۵]

مولانا جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: "مسلمانوں کا اجماع حجت ہے"[۶]۔
اور حجت خیر ہونے کا تقاضہ کرتی ہے شر ہونے کا نہیں۔

---

[۱] مدارج النبوت اردو اول ص ۲۶۰
[۲] تفسیر مظہری۔ اردو
[۳] پ ۳۰ البینۃ[۷] ترجمہ محمود الحسن
[۵] انوار ساطعہ ص ۴۳
[۶] الخصائص صغری اردو ص ۳۳

توضیح

یہاں توضیح کیلئے ہم نے معتقدینِ بدعت حسنہ مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی کا انتخاب کیا ہے کہ دیکھیں وہ قرونِ ثلاثہ کے ساتھ "خیریت" کو کہاں تک ضروری جانتے ہیں اور انہوں نے اپنی ذریت کیلئے کیا پیغام چھوڑا ہے تو ملاحظہ کیجیے سوال اور مولانا کا جواب۔

سوال

"کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرونِ ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں۔"

جواب

"قرونِ ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کا اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں[1] فقط۔"

---

[1] فتاوی رشیدیہ ص۲۴۲۔ اب گنگوہی صاحب فرمائیے اگر بدعت نہیں تو کیا یہ سنت ہے آپکی توجیہہ؟

گنگوہی صاحب دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"اور عدم جواز کے واسطے یہ دلیل نہیں ہے کہ کسی نے قرونِ خیر میں اس کو نہیں کیا۔" (فتاوی رشیدیہ ص۲۴۸)

اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کہتے ہیں:

"خیر القرون میں نہ ہونا اور اب ہونا بدعت کو مستلزم نہیں" (الافاضات الیومیہ حصہ دوم ص۱۰۸)

علاوہ ازیں مولانا عبدالحق سابق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے خطبات کا مجموعہ "دعوات حق جلد ا ص۳۲۱ مرتبہ مولانا سمیع الحق" سے ایک خطبہ کا اقتباس ملاحظہ کیجیے۔ بخاری شریف کو دافع البلاء قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"بخاری شریف کے ختم میں بعد فوائد ہیں اور برکات میں علماء نے تجربہ سے لکھا ہے کہ کوئی بڑی مشکل اور مصیبت پیش آئے اور مشکل حل کرنے کی نیت سے بخاری شریف کا ختم کیا جائے اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان فرما دیتے ہیں۔ طاعون کی وبا ہو یا قحط ہو اور کسی گھر میں بخاری شریف کا ختم ہو جائے تو اس گھر میں طاعون کی وبا داخل نہ ہوگی۔ بارش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ خشک سالی دور فرما دیتے ہیں۔ یہ حضور کے اقوال (یعنی گویا دافع البلاء) ہیں

غور فرمایا کہ گنگوہی صاحب نے کیا کہہ دیا ہے۔ کہتے ہیں۔ گو یہ عمل "بوقت مصیبت ختم بخاری" قرونِ ثلاثہ میں جاری نہیں ہوا تھا پھر بھی درست ہے بدعت نہیں ہے۔ لیکن صاحبِ اشکال دوم کے یہاں یہ بھی بدعت ہے یا وہ اسے دینی عمل کی بجائے غیر دینی عمل سمجھتے ہوں گے؟ اب مقتدا کیا کہہ رہا ہے اور مقتدی کیا۔ گنگوہی صاحب کہتے ہیں یہ بدعت نہیں اگرچہ یہ دینی کام قرونِ ثلثہ میں نہیں تھا لیکن صاحبِ اشکال دوم مولوی صاحب کہتے ہیں کہ" سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں جو عمل دین کے طور پر نہیں تھا اسے دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔" تو کیا ختم بخاری شریف غیر دین (لے دینی) ہے؟ اب دیکھیں باقی ذریت کس کی حمایت میں بہتری جانتی ہے۔ ہمارے نزدیک تو صاحبِ اشکال دوم اپنے امام صاحب کی بنائی ہوئی پٹڑی سے اتر گئے ہیں۔ اور انکے امام صاحب نے تو ہمارے استدلال کی توثیق کر ہی دی ہے کہ کسی کام کا درست ہونا قرونِ ثلاثہ میں اجرا کے ساتھ خاص نہیں یعنی استحسان و خوبی کا مدار زمانہ پر نہیں بلکہ اصولِ شریعت سے موافقت پر ہے۔ الحمد للہ یہ شبہ بھی زائل ہو گیا۔

بہرو پیت (زیابٌ فی ثیاب)

بعض مانعین و معترضین' بدعت حسنہ کی تردید میں ناکامی پہ اپنی خفت چھپانے کے لئے بڑی ہی دلفریب ہمدردی کا مظاہرہ شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھیں جی' حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین نے کوئی یہ عمل کیا تھا جو ہم کریں انہوں نے جو ایسا نہ کیا تو کیا انہوں نے دین پر عمل نہ کیا؟ ہمیں دین سے زیادہ محبت ہے جو انھیں نہ تھی؟ کیا انھیں یہ بھلائیاں معلوم نہ تھیں جو ہم نے جان لیں؟ کیا ہم ان سے بڑھ کر قرآن و حدیث کا فہم و شعور رکھتے ہیں؟ جبکہ انہوں نے یہ کام نہ کئے اور آیات و احادیث سے یہ مطالب اخذ نہ کئے[1] وغیرہ وغیرہ۔

اس ہیرپھیر اور دلفریبی کا حل

ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ ان کا وہی مکر و فریب ہے جو سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع کی پہلی دو آیات مبارکہ میں ظاہر فرمایا گیا ہے ان سے ضرور خبردار رہیے گا ؎

رنگت ہے نزاکت ہے لطافت ہے مگر حیف
اک بوئے وفا یہ گل رعنا نہیں رکھتے

پہلے شبہ کے ابطال میں حلت و حرمت اور اباحت سے متعلق متذکرہ قواعد و ضوابط پھر سے ملاحظہ کر لیجئے۔ ان سے پوچھئے کیا یہ لوگ ان قواعد سے آگاہ نہیں کہ ان واضح قواعد کی روشنی میں بھی ایسی باتیں آخر کیوں؟ جب ان میں اباحت موجود ہے تو پھر ایسی باتیں کہ جی ہم کیوں کریں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے نہ کیا۔ حالانکہ یہ بات کسی فعل کے حرام یا ناجائز ہونے کا قاعدہ نہیں ہے[2] اور یہ کہ انھوں نے کیا دین

---

[1] کتاب "عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی شرعی حیثیت" مصنفہ مولوی محمد حسین نیلوی

[2] بدعت حسنہ کے منکرین کے ہیڈ کوارٹر دار العلوم دیوبند کے سابق اور جید مہتمم قاری طیب کہتے ہیں:

"جواز کا مدار کتاب و سنت اور اجماع پر ہے نہ کہ فعل صحابہ پر کہ یہ حجت مستقلہ ہی نہیں اس لیے حجت کے سلسلہ میں مستقلاً فعل صحابہ کا مطالبہ کیا جانا شرعی فن استدلال کو چیلنج کرنا ہے" (کلمہ طیبہ ص ۱۱۳ ادارہ اسلامیات لاہور)

پر عمل ہی نہ کیا۔ یہ بات تو جب ہو کہ ہم کہیں یہ دین کا ضروری حصہ ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم بھول گئے تھے (معاذ اللہ تعالیٰ)

ہمارے بیشتر معمولات ایسے ہیں جو سب اہل سنت وجماعت سر انجام نہیں دے سکتے تو کیا کبھی ہم نے انھیں برا یا تارک فرض و واجب کہا۔ نہیں۔ ہم تو محض ان لوگوں کو برا جانیں جو ان نیک معمولات کو بلا دلیل و حجت ناجائز و حرام بتاتے ہیں۔

پھر نیلوی صاحب کے نمبر ۳۵ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے تو بالکل نہیں کہا کہ چونکہ "ختم بخاری" صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں لہٰذا اب جائز نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا نہیں مصیبت ضرور دور ہو جاتی ہے اور اب "ختم بخاری" کرنا درست ہے۔

دیگر آپ نے جمع قرآن پاک کے بارے میں نہایت معتبر روایت ملاحظہ کرلی ہے۔ غور کریں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جمع قرآن کی رائے پر جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کیا نہیں تم کیونکر کروگے؟ تو جواباً سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا گو حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا لیکن اللہ کی قسم یہ کام اچھا ہے۔

اب بتائیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہی نہیں تو پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کس بنیاد پر کہہ دیا کہ "اللہ کی قسم یہ کام اچھا ہے"۔ آخر اسی بنیاد پر کہ جناب سرورِ دو عالم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ اب جب یہ کام حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کیا ہی نہیں اور سیدنا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کی قسم اچھا ہے اور یہی نہیں بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمنوا ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جمع قرآن عمل میں بھی آ جاتا ہے تو کیا کوئی سلیم العقل مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن پاک سے زیادہ محبت تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھی یا صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کو اس کام کی اچھائی کا زیادہ علم تھا (نعوذ باللہ من ذٰلک)

نیلوی صاحب یہاں کونسا فتویٰ صادر فرمائینگے؟

اتنی کاوش تو نہ کر میری اسیری کے لئے
تو کہیں میرا گرفتار نہ سمجھا جائے

جناب نیلوی صاحب نے اہل سنت وجماعت کو عام طور پر بدعتی کے لقب سے نوازا ہے اور من گھڑت الزامات عائد کرنے میں بھی اپنی مہارت کا لوہا منوایا ہے کہ ان بدعتیوں (ہم اہل سنّت وجماعت) کا خیال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کو آیات کا مطلب واضح نہیں ہو سکا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) جبکہ ایسے الزامات عائد کرنے کے لئے انہوں نے کوئی ایک حوالہ تک درج کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ فلاں کتاب میں فلاں نے ایسا لکھا ہے ؏

فریاد کریں کس سے کہ احساس نہیں ہے

اب کون سمجھے کہ جناب نیلوی صاحب جمع قرآن کے بارے میں کیا فہم رکھتے ہیں۔ یا نعمت البدعۃ ھذہ کے متعلق ان کا تصور کیا ہے ختم بخاری شریف کے بارے کیا کہتے ہیں اگر یہ ذکر خیر ہے اور ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہےؔ لہٰذا ان کے نمبرہ ۲۵ مولوی صاحب کے

ؔ فتاویٰ رشیدیہ

نزدیک درست ہے تو نفسِ ذکرِ میلاد کی خیریت سے کون منکر ہے[1]
"المھند علی المفند" میں ذکرِ ولادت شریفہ کو اعلیٰ درجہ کا مستحب اور پسندیدہ
کہا گیا ہے[2] جب ذکرِ خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے تو یہ فائدہ یہاں کیوں
نہیں مانا جاتا۔ ختم بخاری بھی ذکرِ خیر اور ذکرِ میلاد بھی ذکرِ خیر تو فرمایئے
جب ختم بخاری بدعت نہیں اور درست ہے تو ذکرِ میلاد کیوں بدعت
اور ناجائز ہو گیا۔ اچھا تو یہ ہی کہدیں کہ درس و تدریس میں صرف و نحو
کا پڑھایا جانا کب کی ایجاد ہے بلکہ جناب کا یہی کتابچہ حضرات صحابہ
رضی اللہ عنہم کی کونسی سنت کا آئینہ دار ہے ؎

نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ رہ نشیں نہ راہی

خیال رہے کہ نیلوی صاحب کی بارہ ورقی کتاب کا جواب ہمارے مبحث
میں شامل نہیں۔ اس کے لئے علمائے اہل سنت کی کتابیں تحقیق سے
بھری پڑی ہیں مطالعہ کیجئے۔ ہمیں تو صرف اُن شبہات کا جائزہ لینا
مقصود ہے جو ناجائز طور پر اختراع کئے جاتے ہیں پھر اس اختراع کو
شریعت کا نام دے دیا جاتا ہے۔ کیا یہ شبہات حضرات صحابہ رضی اللہ
عنہم سے منقول ہیں تو کیا انھیں علم نہ تھا جو انھیں حاصل ہو گیا (معاذ اللہ)
اگر یہ کہیں کہ اسباب بعد میں حادث ہوتے لہٰذا یہ شبہات بھی بعد
میں حادث ہوئے تو فرمایئے جب ان کا قاعدہ یہ ہے کہ بعد میں حادث
ہونے والا ہر امر رد ہے۔ تو یقیناً یہ شبہات بھی رد ہو گئے۔ ہمیں کچھ

---

[1] محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان المیلاد النبوی، اور امام جلال الدین سیوطی کی حسن المقصد فی عمل المولد ملاحظہ کریں، آنکھیں کھل جائیں گی۔ [2] حوالہ آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں نیز فیصلہ ہفت مسئلہ دیکھیں

[3] عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شرعی حیثیت۔

کہنے کی ضرورت ہی نہ رہی ہے

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازہ اذاں سے

آئیے اب یہ دیکھتے ہیں کہ فہم و عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے درست اور واجب العمل ہونے کی رٹ لگانے والے خود کہاں تک حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور سنت صحابہ رضی اللہ عنہم کو کیا اہمیت دیتے ہیں۔ یہ تو مانعین بدعت حسنہ کو تسلیم ہی ہے کہ صحابہ کرام (خلفائے راشدین) رضوان اللہ علیہم کا عمل سنت اور حجت ہی ہے۔ جس کی متابعت ضروری اور ہم بھی اسی کے قائل و مؤید ہیں۔

اب غور فرمائیے کہ جب یہ امر صحابۂ کبار یعنی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت ٹھہر چکا کہ پہلے جو کام نہ ہو سکا اُسے اچھا کہا بھی اور ثواب سمجھ کر کیا بھی۔ تو اب اگر بھلائی کا کام بغرض ثواب جاری کر دیا جائے تو یہ انہی کی سنت کی متابعت ہو گی آپ خود دیکھ لیجئے متابعت پر کون کاربند ہیں، مخالفت کن کا مقدر بن چکی ہے اور کس نے

"اپنے ہاتھوں سے جلایا ہے نشیمن اپنا"

دیگر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نہ کرنا علیحدہ بات ہے اور منع فرمانا علیحدہ بات۔ یہیں دیکھئے جمع قرآن اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا لیکن چونکہ منع نہ فرمایا اس لئے اچھا قرار پایا اور باعث ثواب بھی۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس عمل خیر کے سامنے مخالفین کی بہروپیت و دلفریبی خوب عیاں ہو گئی ہے

نگاہِ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے
وفا کے بھیس میں بیٹھا ہے کوئی بیوفا ہو کر

توضیح

کلام الامام امام الکلام

حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی طرف مطالب آیات سے بے علمی کی نسبت کا " اہل سنت وجماعت پر جو بے سر و پا " الزام عائد کیا جاتا ہے اس کا جواب ملاحظہ کریں۔ خود امامِ اہل سنت دانائے علم وحکمت اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اقامۃ القیامہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ توجہ فرمائیں، ایمان تازہ ہو جائے گا (ان شاء اللہ)۔

" حقیقت الامر یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کو اعلائے کلمۃ اللہ و حفظ بیضۂ اسلام و نشرِ دین متین و قتل وقہر کافرین و اصلاحِ بلاد و عباد و اطفائے آتشِ فساد و اشاعتِ فرائض و حدود الہٰیہ و اصلاح ذات البین و محافظت اصولِ ایمان و حفظ و روایتِ حدیث وغیرہا امورِ کلیہ مہمہ سے فرصت نہ تھی لہٰذا یہ امورِ جزیہ مستحبہ تو کیا معنے بلکہ تاسیس قواعد و اصول و تفریع جزئیات و فروع و تصنیف و تدوین علوم و تعلیم دلائل حق و ردِ شبہاتِ اہل بدعت وغیرہا امورِ عظیمہ کی طرف بھی توجہ کامل نہ فرما سکے جب بفضل اللہ تعالیٰ انکے زورِ بازو نے دین الہٰی کی بنیاد مستحکم کردی اور مشارق و مغارب میں ملت حنفیہ کی جڑ جم گئی اس وقت ائمہ وعلمائے مابعد نے تحت و بخت سازگار پا کر بیخ دین جمانے والوں کی ہمت بلند کے قدم لئے اور باغبانِ حقیقی کے فضل پہ تکیہ کر کے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے اب تو بے خلش صرصر واندیشۂ سموم

اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں مگر صاحبِ زمین تدقیق میں نہریں کھودیں۔ فرسِن رواں نے زلالِ تحقیق کی ندیاں بہائیں علماء اولیاء کی آنکھیں ان پاک مبارک نونہالوں کے لئے تھالے بنیں خواہانِ دین ملت کی نسیم انفاسِ متبرکہ نے عطر بیزیاں فرمائیں یہاں تک کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باغ ہرا بھرا پھولا پھلا لہلہا یا اور اس کے بھینے پھولوں سہانے پتوں نے چشم وکام ودماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے کہ یہ ٹہنیاں جو اب پھوٹیں جب کہاں تھیں یہ پتیاں جو اب نکلیں پہلے کیوں نہاں تھیں یہ پتلی پتلی ڈالیاں جو اب جھومتی ہیں تو پیدا ہیں یہ ننھی ننھی کلیاں جو اب مہکتی ہیں تازہ جلوہ نما ہیں اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے تو اس (بے خرد) کی حماقت پر اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے محروم رہے گا۔

بھلا غور کرنے کی بات ہے۔ ایک حکیم فرزانہ کے گھر آگ لگی اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھولے بھالے اندر مکان کے گھر گئے اور لاکھوں روپوں کا مال اسباب بھی تھا۔ اس دانشمند نے مال کی طرف مطلق خیال نہ کیا اپنی جان پر کھیل کر بچوں کو سلامت نکال لیا۔ یہ واقعہ چند بے خرد بھی دیکھ رہے تھے اتفاقاً ان کے یہاں بھی آگ لگی یہاں نرا مال ہی مال تھا کھڑے

ہوئے دیکھتے رہے اور سارا مال خاکستر ہوگیا کسی نے اعتراض کیا تو بولے تم تو احمق ہو ہم اس حکیم دانشور کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں اس کے گھر آگ لگی تھی تو اُس نے مال کب نکالا تھا۔ جو ہم نکال لیتے مگر بیوقوف اتنا نہ سمجھے کہ اس اولوالعزم حکیم کو بچوں کے بچانے سے فرصت کہاں تھی کہ مال نکالتا نہ یہ کہ اس نے مال نکالنا بُرا جان کر چھوڑا تھا۔[1]

فائدہ

ہم اہل سنّت وجماعت صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم کے متعلق قطعاً یہ نہیں کہتے کہ انھیں علم نہ تھا[2] اور ہم اہل سنّت کو علم ہے یہ محض الزام ہے جس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ امام اہل سنّت کا فرمان آپ کے سامنے ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ معترضین کا اعتراض رفع کرنے میں یہ بیان خوب ممد ومعاون ثابت ہوگا ضرورت تعصب سے بالاتر رہنے کی ہے۔

خدا تجھ کو شعور امتیاز حق وباطل دے
نظر جلوؤں کی طالب ہے جبیں سجدوں پہ مائل ہے

مرّوجہ بدعات

اب چند مروجہ بدعات (حسنہ) کی مختصر فہرست ملاحظہ کرلیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ان میں سے اکثر وبیشتر بلکہ ماسوائے چند تمام تر معترضین و مخالفین بدعت حسنہ کے اپنے یہاں بھی جلوہ افروز ہیں۔

---

[1] اقامۃ القیامۃ ص۱۴

[2] دارالعلوم دیوبند کے قاری طیب کہتے ہیں: "بہت سے اجتہادی مسائل جو زمانۂ صحابہ میں زیر عمل تو کیا زیر علم بھی نہیں آئے۔" (کلمہ طیبہ ص۱۱، ادارہ اسلامیات لاہور)

۱۔ تزئین وطباعت قرآن، اعراب قرآن، ترجمہ وحاشیہ قرآن، تیس پاروں میں تقسیم، بیع قرآن۔[۱]

۲۔ کتب حدیث، اقسام حدیث اور ان کے احکام

۳۔ ایمان مجمل، ایمان مفصل اور مع نام تعداد کلمات۔

۴۔ کتب فقہ واصول، کتب درسیہ، علم الکلام اور صرف ونحو وغیرہ

۵۔ گمراہ فرقوں کے رد میں نئے نئے دلائل۔

۶۔ رسائل دینیہ کی مقررہ تواریخ میں قیمتاً ماہانہ اشاعت۔

۷۔ بود وباش میں وسعت۔

۸۔ گاڑیوں کے ذریعہ امکان حج کی ادائیگی۔

۹۔ مدارس دینیہ اور ان میں تنخواہ دار اساتذہ کا تقرر۔ جماعتوں کی ترتیب نصاب تعلیم، طرق تعلیم، اوقات کار، تقریری وتحریری امتحانات اور تقرر

---

[۱] تفسیر عزیزی پارہ الم مطبع ولی محمد لکھنوی ص۲۱۲ میں بیع قرآن شریف کو بدعت حسنہ فرمایا گیا ہے (انوار ساطعہ ص۵۰)

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"امام جلال الدین سیوطی نے کتاب الاتقان میں جس قدر احادیث وروایات واقوال قرآن عظیم کے ایسے امور کے متعلق ہیں جمع فرما دیئے ہیں ان میں پاروں کا کہیں ذکر نہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے وقت تک یہ (پاروں کی) تقسیم نہ تھی"۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص۹ فرید بکسٹال لاہور)

مولانا اسمٰعیل دہلوی رسالہ چہاردہ مسائل میں فرماتے ہیں:

"آں کہ اعراب قرآن بدعت حسنہ ہست کہ صحت قرأت عجمیاں بل عربیاں حال برآں موقوف ہست۔ (ترجمہ)، قرآن مجید میں حرکات کا لگانا اچھی بدعت ہے کیونکہ عجمیوں کا قرآن مجید صحیح پڑھنا بلکہ اس زمانے کے عربوں کی صحت قرأت کا مدار ان ہی حرکات پر ہے۔ (رسالہ چہاردہ مسائل بحوالہ انوار ساطعہ ص۲۴۳ وبحوالہ مولانا اسماعیل اور تقویۃ الایمان ص۱۰۲)

ممتحن، سالانہ جلسے اور ان کے لئے اشتہارات جلسگاہوں کی آرائش و زیبائش، دستار بندیاں اور تقسیم اسناد وغیرہ۔

۱۰۔ تزئین مساجد، تنخواہ دار خطیب و امام و مؤذن، لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نماز باجماعت کے لئے تعین اوقات اور زبان سے نیت نماز[1]

۱۱۔ مذاہب اربعہ، تقلید شخصی اور سلاسل طریقت اور انکے اشغال مخصوصہ[2]

۱۲۔ محفل میلاد، جلوس عید میلاد، عرس، سیرت کانفرنس، پریس کانفرنس۔ کنونشن۔ استقبالیہ اور الوداعی تقریبات۔ جلوس شوکت اسلام مصیبت کے موقع پر ختم بخاری شریف۔

---

[1] نیت دل کے پکے ارادے کا نام ہے اور نماز میں نیت فرض ہے جبکہ ہم نے زبان سے نیت نماز کو بدعات حسنہ میں شمار کیا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ نیت قلبی جو فرض ہے اس سے غفلت پر بھی بدعت حسنہ ہوگی نہیں بلکہ یہ بدعت حسنہ اسی وقت ہوگی جب موافقت قلب میں ادا ہوگی یعنی زبان سے ضروری نہیں دل سے ضروری ہے تو اگر دل کے ساتھ زبان سے بھی ادا کر لی جائے تو مستحن ہے۔ اگر خدانخواستہ نیت قلبی سے غفلت کا باعث ہوئی جو فرض ہے تو رفع فرض کے باعث بدعت سیئہ ہو جائیگی کیونکہ جب رفع سنت سے سیئہ ہو جاتی ہے تو رفع فرض سے بدرجۂ اولیٰ سیئہ ہوگی حسنہ نہ ہوگی۔ جو یقیناً نماز کی خرابی بلکہ بربادی کا باعث ہوگی پس نیت نماز کے بدعت حسنہ ہونے کے لئے موافقت قلبی ضروری ہے۔

جناب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرماتے ہیں" نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و لسان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے (فیصلہ ہفت مسئلہ ص)

اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فقہائے کرام رحمہم اللہ سے ایسا ہی نقل فرماتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات اردو۔ اول ص ۱۹۶)

[2] تفصیل کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی " انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ " اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی " کلیات امدادیہ " دیکھیے۔

لمحۂ فکریہ

آپ نے مروجہ بدعتوں کی ایک اجمالی فہرست ملاحظہ کی منکرین بدعت حسنہ میلاد و عرس وغیرہ کے علاوہ تقریباً تمام بدعتوں پر خود عمل کرتے ہیں اور یہ امر تو مسلم ہے کہ یہ بدعات حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد جاری ہوئیں اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ان پر عمل نہ کیا۔ پس ان کے بدعت (نئی چیز) ہونے میں تو شک نہ رہا۔ اگرچہ ہم اہل سنت وجماعت کے نزدیک شغف فی الدین کا ذریعہ ہونے کے باعث "حسنہ" ہیں[1] لیکن معترضین کے نزدیک تو بدعت حسنہ کا تصور باطل اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور یوں یہ تمام گمراہیاں "معترضین کے زیر عمل ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہر بدعت کو گمراہی کہنے والے ایسی بیسیوں گمراہیوں پر عمل کرنے کے بعد بھی سنی رہیں اور بدعتی بدعتی کے فتاویٰ صرف ہم اہل سنت وجماعت کے لئے خاص کر دیئے جائیں ؎

تم آئینہ دیکھو تو ہم بھی یہ دیکھیں
کہ ہے کون سا خوبصورت زیادہ

جب مانعین بدعت حسنہ سے اس عجیب وغریب منطق کے متعلق استفسار کیا جاتا ہے تو جواباً بڑی معصومیت سے للدین اور فی الدین میں فرق کرنا شروع کر دیا جاتا ہے کہ للدین یعنی "دین کے لئے" بدعت جائز ہے اور فی الدین یعنی "دین میں" بدعت ایجاد کرنا ناجائز ہے۔ ہمارا (معترضین کا) عمل للدین ہے اور اہل سنت وجماعت کا فی الدین۔

---

[1] مولوی خرم علی صاحب بھی کہتے ہیں کہ
"یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے"
(شفاء العلیل - ترجمہ القول الجمیل ص ۱۱)

معترضین کی اس تفریق کا ہم تجزیہ کرتے ہیں ؎

منظور ہے گذارشِ احوال واقعی
اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے

یاد فرمائیں کہ ان لوگوں نے ہر جگہ ایک نیا قاعدہ پیش کیا اور ہم نے ایسے خود ساختہ قاعدوں کا مضبوط دلائل کے ساتھ رد کیا۔ اب بھی انہوں نے حسب عادت اپنے سابق الذکر، خود ساختہ قاعدوں اور ضابطوں کے وضع اطلاق سے بچنے کی خاطر للدین اور فی الدین کا ایک اور پُر فریب قاعدہ اختراع کر لیا ہے[1] آپکی یہ الجھن حضور نبی کریم جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عدم اعتماد کی مظہر ہے ؎

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

خدارا انصاف فرمائیے! محولہ بالا بدعتوں میں سے کیا صرف میلاد و عرس وغیرہ ہی ایسی بدعتیں ہیں جو فی الدین ہیں اور باقی سب للدین۔ للدین اور فی الدین کا یہ معیار کسی اصول شریعت کے مطابق نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اصول شریعت بتایا جاتا محض "للدین" اور "فی الدین" کی لفظی کا چکر نہ چلایا جاتا۔

اور دیکھیے ہمارے دین کا نام "اسلام" ہے۔ "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ"[2] پس فی الدین یا فی الاسلام ایک ہی بات ہے اور حدیث پاک "مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً" میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] احداث للدین اور احداث فی الدین کا پرفریب قاعدہ مخالفین کے حکیم الامت "مولانا اشرف علی تھانوی نے الافاضات الیومیہ حصہ اول ص۲۳۰ اور حصہ ہفتم ص۱۲۱ میں اختراع فرمایا ہے۔ اور ان کے مفتی اعظم محمد شفیع نے سنت و بدعت ص۱۳-۱۲ پر پیش کیا ہے ہم نے "وجوب بدعت حسنہ" کے تحت بھی ان کے اس استدلال کا جائزہ لیا ہے۔ وہاں بھی ضرور دیکھیے۔ ضیاء

[2] آل عمران (۱۹) پ۳ نیز فرمایا وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ آل عمران (۸۵) پ۳ اور جو اسلام کے سوا دین چاہے گا وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا

فی الاسلام یعنی فی الدین کو مستحسن فرما دیا ہے گویا قباحت کو فی الدین سے مشروط کرنا اور محض فی الدین کو برا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ لہٰذا کسی امر کے حسن و قبح کا مدار اس قاعدہ بے اصل سے مختلف ہے اور وہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ یہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الدین کو مستحسن فرما دیا ہے۔ اس لئے فی الدین امر کے استحسان سے انکار کی گنجائش نہیں اور ہمارے معمولات فی الدین ہونے کے باعث بھی مستحسن اور جائز ہی ٹھہرتے ہیں کہ مستحسن امر سے نفرت تو بجائے خود نفرت ہے۔

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو دین میں سے نہ ہو" یعنی جس کی اصل دین میں ثابت نہ ہو وہ رد ہے بلکہ خود مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے ختم بخاری شریف کی صحت کے لئے اصل شرع کا ثابت ہونا بیان کیا ہے۔ لفظ "للدین" سے فائدہ نہیں اٹھایا پس ان فی الدین کے منکرین کو "ما لیس منہ" "جو دین میں سے نہ ہو"۔ اس پر بھی غور کرنا چاہیے۔ یہ لوگ فی الدین (دین میں) کو برا کہتے ہیں اور حدیث پاک "جو دین میں سے نہ ہو" اسے برا کہتی ہے ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

اب ان کے للدین یعنی "دین کے لئے بدعت" کا حال دیکھئے اور غور فرمائیے کہ ان کے یہاں تو ہر بدعت گمراہی ہے تو جس دین کے لئے گمراہی پر عمل ضروری ہو وہ کیسا دین ہے۔ گمراہی تو بہر صورت گمراہی ہے اور یہ حدیث شریف میں قطعاً نہیں کہ دین کے لئے گمراہی ضروری اور اس پر عمل درست ہے۔ پس یا تو اس قاعدہ میں خرابی ہے یا انکے دین میں۔ اور فائدہ اسی میں ہے کہ اس قاعدہ کو غلط مان لیا جائے

گویا محولہ بالا من گھڑت قاعدہ اپنے ہی موجدین کو شرمندہ کر گیا۔

؎ آئینہ دیکھ، اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غرور تھا

جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عدم اعتماد کی شکار اس خانہ ساز شریعت میں میلاد و عرس (عظمتِ رسالت اور شانِ ولایت) سے متعلقہ امور تو بدعت و حرام ہیں لیکن ان کے علاوہ تقریباً سب بدعتیں جائز[1] و باصواب۔ کیا کتاب و سنت سے کوئی ایسا حوالہ پیش کیا جا سکتا ہے جو میلادؐ و عرس وغیرہ کو بدعت و حرام قرار دے کر دیگر متذکرہ امور کو سنت و حلال ثابت کر دے۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

؎ بجھا سکے گا نہ ہرگز چراغِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم)
شرارِ بولہبی لاکھ ساز باز کرے

لطیفہ

اگر صاحبِ فیصلہ ہفت مسئلہ جناب حاجی امداد اللہ صاحب لطف و لذت[2] محسوس کرتے ہوئے یہی معمولات تبحر ادعل میں لائیں تو اس طائفہ

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کہتے ہیں:
"میں چاہتا ہوں کہ دین اپنی اصلی حالت پر آجائے مگر اکیلے میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ متبع سنت (ہونے کے مدعی) ہیں اور اپنی ہی (دیوبندی) جماعت کے ہیں ان کے یہاں بھی بس یہی دو چار چیزیں تو بدعت ہیں جیسے مولد کا قیام، عرس، تیجا، دسواں۔ اس کے علاوہ جو اور چیزیں بدعت کی ہیں انہیں وہ بھی بدعت نہیں سمجھتے چاہے وہ بدعت ہونے میں ان سے بھی اشد ہوں۔"
(الافاضات الیومیہ حصہ دہم ص ۱۲۰ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

؎ "تم جو بھی کرو بدعت و ایجاد روا ہے — اور ہم جو کریں محفل میلاد بُرا ہے"

[2] حاجی صاحب فرماتے ہیں "اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص)

معترضین کے پیر و مرشد[1] قرار پائیں اور اگر یہی امور ہم اہل سنت وجماعت بجا لائیں تو بدعتی گردانے جائیں آخر کیوں؟ یا اللہ یہ کیسے مولوی ہیں کیسا انصاف ہے اور یہ کیسی شریعت ہے؟

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

معترضین کا عقیدہ

مصنف کتاب "عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شرعی حیثیت" جناب محمد حسین نیلوی اپنا عقیدہ یوں بتاتے ہیں:۔ "ہمارا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآن فہمی برحق اس کے خلاف جو قرآن فہمی کا دعوی کرتا ہے وہ جھوٹا ہے اور محرف قرآن ہے"۔

اور خود اسی کتاب کے صـ۱۲ پر آیۃ کریمہ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ[2] کے متعلق اپنا قول جاری کر دیتے ہیں کہ "اس کے یہ معنے نہیں کہ ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ[3] کیونکہ یہ ترجمہ تو ذکرھم ایام اللہ کا ہے نہ کہ ذکرھم بایام اللہ کا اور دونوں میں جو فرق ہے وہ ایک معمولی استعداد والے

---

[1] ان دونوں بزرگوں (مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی صاحب) نے امام الاولیاء قطب العارفین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب چشتی مہاجر قدس سرہ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ (المہند علی المفند مترجم صـ۲)۔

[2] پ۱۳ ابراہیم ۳[3] دیکھئے ان کی علمائے حق کی فہرست میں نمبر ۳۶ مولانا محمود الحسن صاحب یہی معنی بیان کرتے ہیں کہ "اور یاد دلا ان کو دن اللہ کے" اب انکا معیار ملاحظہ کیجئے کہ جن مترجمین کو یہ خود معمولی طالبعلم کی سی استعداد سے عاری سمجھتے ہیں انہیں بھی علمائے حق کی فہرست میں شامل کر لیتے ہیں یہ قد کا ٹھ بڑھانے کا بہانہ ہے یا محض تجاہل عارفانہ۔ خیر یہ علیحدہ بات ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی بھی تفسیر میں یہی ترجمہ اختیار کرتے ہیں۔ اب بتائیے جناب عقیدے کے مطابق

(بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر)

طالب علم پر مخفی نہیں اور اگر یہی مطلب ہو تو اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں۔ لہٰذا ہر روز اور ہر کام کے لئے جشن منانا چاہیے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس قول کا اجرا قرآن فہمی کا دعویٰ ہے یا نہیں۔ اگر کہیں نہیں تو یہ تفہیم قرآن سے جہل ہوا اور جب جہل ہو تو لغو ٹھہرا اور اگر دعوئ قرآن فہمی کا اقرار کریں تو وہ وہی ہونا چاہیے جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہو۔ اس صورت میں اس قول کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہونا ضروری ہوا تو کیا یہ بتانے کی زحمت گوارا کی جائے گی کہ یہ کس صحابی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے اور کہاں منقول ہے؟

یہ تو "مشتے نمونہ از خروارے" ہے ورنہ نیلوی صاحب نے اپنی اس کتاب میں آیات قرآن بیان کرنے کے لئے اپنی تائید میں ارشادات صحابہ رضی اللہ عنہم سے استدلال عام طور پر ضروری نہیں سمجھا۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی ان کے عقیدہ کی لہٰذا توجہ فرمائیے۔

نیلوی صاحب نے چند آیات کریمہ ذکر کرتے ہوئے ان سے عید

(بقیہ صفحہ گذشتہ) آپکی قرآن فہمی صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے یا ان دو صاحبان کی۔ کیا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت کرنیوالے بھی "علمائے حق" ہوتے ہیں۔ دیکھتے رہیے کہ جھوٹ اور تحریف قرآن کا تمغہ کون حاصل کرتا ہے۔

پھر آپکے علمائے حق میں سے ہی ایک مولانا صاحب نے مطلب تو وہی بیان کر دیا ہے لہٰذا آپ ہر کام کے لئے ہر روز جشن منانا شروع کر دیں۔ اگر آپ اپنے علمائے حق پر بھی اعتبار نہ کریں —— تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ دیگر آپ پر یہ عدم قید کا راز کہاں سے منکشف ہوا۔ کیا یہ بھی فرمان صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان جتلانے کیلئے قید رکھی تو کہیے یہ عدم قید کا تصور مخالفت خداوندی نہیں؟ خود "ایام اللہ" میں اللہ کے دنوں کی قید موجود ہے "ہر روز" کے الفاظ میں جو مخالفت پائی جاتی ہے اس پر اصرار اور اس کی ترغیب کوئی اچھی بات نہیں۔

کہیں عجلت میں تیار ہو گئی تھی۔ پھر گنگوہی صاحب تقلید کے وجوب کا حکم سنانے میں منفرد نہیں۔ دیگر ساتھی بھی یہی اعلان کرتے ہیں ملاحظہ ہو

"اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جاوے بلکہ واجب ہے۔" دیکھ لیجیے یہاں حق کو چار ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید میں حصر کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ہے یا محض جھوٹ اور تحریف ہے؟ یہاں کونسی توجیہ ہو گی دیکھئے اس پر فتویٰ جھوٹ کا لگتا ہے یا تحریف قرآن کا۔ یہاں تو امتحان ہے نیلوی صاحب کے عقیدہ کی صحت کا ؎

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنے بیگانے ذرا پہچان کر

یہ "علماء" تقلید شخصی کو واجب کہہ رہے ہیں۔ اور میلاد شریف کو اگر کوئی مستحب اور ثواب کا ہی کام کہہ دے تو کیا مضائقہ ہے۔ پھر کسی "شیخ الحدیث والتفسیر" پہ یہ امر تو مخفی نہیں کہ واجب کس دلیل کا

ل المہند علی المفند مترجم ص۳۲

جبکہ جناب محمد تقی عثمانی (دیوبندی) لکھتے ہیں

"صحابہ و تابعین کے زمانہ میں کسی امام کی شخصی تقلید واجب نہ تھی" (تقلید کی شرعی حیثیت ص۶۹ مکتبہ دار العلوم کراچی)

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تقلید شخصی کو ضروری و واجب نہیں سمجھا جاتا تھا۔" (درس ترمذی تقریر جامع ترمذی ص۱۷ حصہ اول مطبوعہ دیوبند)

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ

"جو کوئی فقیر سے اخلاص رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ صوفی المشرب و حنفی المذہب ہو" (امداد المشتاق ص۳۶ ملفوظ ۱)

فقہ حنفی کی بہت ہی معتبر کتاب بہار شریعت میں ہے کہ

"مطلق تقلید فرض ہے اور تقلید شخصی واجب" (بہار شریعت اول)

متقاضی ہے اور مستحب کس کا۔ لیکن برا ہو تعصب کا۔ جب یہ یار لوگوں کی فہم و فراست پر غالب ہوتے لگتا ہے تو حق ان کی نظروں سے اوجھل ہونے لگ جاتا ہے ؎

رسم دیارِ حسن سے ناآشنا تھا میں
لبیک کہہ اٹھا جو پکارا خود آپ نے

اب ہم اپنے مبحث کی طرف آتے ہیں اور حسبِ وعدہ محفل میلاد جلوس میلاد، ایصال ثواب عرس اور قبل اذان صلوٰۃ وسلام پر اجمالی گفتگو کرتے ہیں۔

محفل میلاد

؎ جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردہ سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

ماہ ربیع الاوّل شریف وہ مبارک مہینہ ہے جس کی آغوش میں نورمبین کے جلوے چمکتے نظر آتے ہیں۔ اس ماہ مبارک میں حضور نبی کریم رؤف و رحیم تاجدار ارض و سماء حبیب کبریا، علیہ التحیۃ والثناء کا ظہور قدسی ہوا۔ جن کی ولادت باسعادت اہل ایمان کے لئے کمال فرحت و سرور کا موجب[1] ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن دنوں کی

---

[1] فلیفرحوا پ ۱۱ ع ۱۱ کے تحت غزالی زماں حضرت سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کے ظہور پر جتنی بھی خوشی منائی جائے کم ہے۔ اسے ناجائز قرار دینا انہی لوگوں کا کام ہے جو ظہور ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خوش نہیں"۔ (میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۷)

نواب صدیق حسن بھوپالی کہتے ہیں: "جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت (خوشی) حاصل نہ ہو اور شکر خدا کا حصول پر اس نعمت کے نہ کرے وہ مسلمان نہیں" (الشمامۃ العنبریہ ص ۱۲)

یاد کا ذکر فرمایا ہے۔ محققین کے نزدیک ان میں یوم ولادت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو خصوصی امتیاز اور فوقیت[1] حاصل ہے۔ اس لئے کہ اسے اُن سے نسبت ہے جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔

ے
سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اُولیٰ تمہیں تو ہو

خداوند قدوس کی سب سے بڑی نعمت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہے اور سب سے مبارک اور عظمت والا دن وہ ہے جس دن مقصود کائنات کی ولادت باسعادت ہوئی۔ پھر ان کے صدقے میں امت کو دیگر نعمتیں ملیں۔

قرآن کریم اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کو وہ دن خصوصی طور پر یاد دلائے جائیں جن میں اس کو خدا کے انعامات ملتے رہے اور انعقادِ محفل میلاد کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔ وذکرھم بایام اللہ "اور یاد دلا ان کو دن اللہ کے"[2] مفسرین کرام نے ایام اللہ سے اللہ کی نعمتیں مراد ہونا بیان فرمایا ہے۔ بعض نے وہ دن مراد لئے جن میں اللہ نے اپنے بندوں پر انعام فرمائے[3] پس جیلا اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے

---

[1] سند المفسرین حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں:
"بموجب فرمانِ خداوندی: وذکرھم بایام اللہ، آج ہمیں اس دن کی یاد تازہ کرنی ہے جو سید ایام اللہ یعنی یوم ولادت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے"۔ (میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم صـ۳)
شیخ جمال الدین مخلص کتانی فرماتے ہیں: "میلادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دن بڑی عظمتوں اور خصائل کا دن ہے۔ اس دن کو مقدس عظیم اور مکرم بنایا گیا" (منہاج القرآن ستمبر ۱۹۸۸ء بحوالہ السبل الہدیٰ)
ابن کثیر فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری والی رات بڑی مقدس، بڑی مبارک، بڑی عظیم اور بڑی پرنور رات تھی"۔ (میلاد مصطفےٰ اردو صـ۱۶، صلی اللہ علیہ وسلم)

[2] پ۱۳۔ ابراہیم [3] ترجمہ مولانا محمود الحسن صاحب [4] جلالین، خزائن العرفان، ضیاء القرآن، تتمہ ترجمہ شیخ الہند بیان السبحان مطبوعہ دیوبند۔ الفوز الکبیر اردو صـ۲۴

کہ اس کی نعمتوں کا ذکر کیا جائے۔ دوسروں کو اللہ کی نعمتیں اور وہ دن جن دنوں میں یہ نعمتیں ملیں یاد دلائے جائیں۔ اس لئے کہ بندے جب خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرتے اور سنتے ہیں تو وہ ان نعمتوں کی قدر کرتے ہیں اور نعمتیں عطا کرنیوالے سے تعلق پیدا ہوجاتا ہے

غور کیجئے محفل میلاد میں ذکر خدا اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا ہے خالق کون ومکان کے تخلیقی شاہکار، حامل خلق عظیم کی ولادت باسعادت کا تذکرہ اور آمد کا اعلان و بیان ہوتا ہے کہ کس شان وعظمت کے ساتھ سرکار دو عالم محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا پیدا ہوئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی تشریف آوری پہ کیسے کیسے حسین انتظامات اور کیا کیا عجیب حالات و نادر واقعات رونما کئے[1] پھر خصائل ومحامد اور اسوۂ کاملہ کے ساتھ ساتھ معجزات اور فضائل و کمالات کا بیان ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ جذبہ حب رسول[2] صلی اللہ علیہ وسلم کی عکاسی کرتا ہے جو اتباع کاملہ کا سبب بن جاتا ہے اور شغف فی الدین کا ذریعہ۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب رب کے محبوب کے ذکر کی محفل کو سجایا جاتا ہے تو شغف فی الدین کا جذبہ نمایاں ہو جاتا ہے اور اہل اسلام کثرت سے شرکت کرتے ہیں اور شوکت اسلام ظاہر ہو جاتی ہے۔ مصطفےٰ آباد (رائیونڈ) میں مارچ ۱۹۷۹ء میں میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتماع تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے۔

بہر حال یہ ذکر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ خود قرآن مجید میں اس ذکر دلپسند کے چرچے موجود ہیں۔ ذکر رسول مقبول صلی اللہ

---

[1] تفصیل کے لیے مدارج النبوت دوم اردو ص ۲۵-۲۶، شواہد النبوت اردو ص ۵۵، جواہر البحار اردو ج ۱ ص ۱۷۸، ج ۲ ص ۱۲۹، اور میلاد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ترجمہ مولد العروس از علامہ ابن جوزی ص ۳۸-۴۲، بیان المیلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵-۶، الوفا اردو ص ۱۲۳-۱۲۷، ما ثبت من السنۃ مترجم ص ۱۴۱ بحوالہ فتح الباری کتاب الشفا جلد ۱ اردو ص ۵۵-۵۵ دیکھیے۔

[2] مدارج النبوت اردو اول ص ۵۲۷ میں ہے کہ کثرت ذکر لوازم محبت میں سے ہے مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ یعنی جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے۔

علیہ وسلم پر مشتمل آیات بیّنات کا ذکر اور ان کی تفصیل ایک علیحدہ باب ہے البتہ ان آیات کی نشر و اشاعت عین ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان کا گھروں میں پڑھنا اور سُننا بھی اچھا اور مسجدوں میں خطبات جمعہ میں اچھا تو عام اجتماعات میں بھی اچھا بلکہ خاص اسی بیان قرآن یعنی ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انعقاد محفل ہو تب بھی اچھا۔

بلکہ قرآن کریم فرقان مجید نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر اور ان کی یاد کو ہماری بھلائی کا واضح ذریعہ بتلایا۔ ارشاد ہوا۔

فَاذْكُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[1] تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو[2]۔

معلوم ہوا محفل میلاد کا انعقاد فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے اور ہماری بھلائی کا ضامن بھی۔ قرآن پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پاک یوں بیان فرمایا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[3] بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان[4]۔

اس پر عثمانی صاحب لکھتے ہیں: جس کے حسب و نسب، اخلاق و اطوار اور دیانت و امانت سے تم خوب واقف ہو[5]۔

---

[1] الاعراف ۶۹ پ۸۔ [2] کنز الایمان۔ [3] التوبہ ۱۲۸ پ۱۱۔ [4] کنز الایمان امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے من انفسکم کی تفسیر میں حسب و نسب اور سسر یعنی سسرال کا ذکر کیا (جواہر البحار۔ اردو ج ۱۰ ص ۲۵)

[5] تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عربی قریشی جن کے حسب و نسب کو تم خوب پہچانتے ہو" الخ [1]

ہم کہتے ہیں یہ ذکر حسب و نسب ذکر میلاد پہ دال ہے یعنی میلاد کب ہوا، کیسی خوب عظمت کے ساتھ کس خاندان عالی میں ہوا۔ تو فرمائیے ایسے بیان قرآن کو نشر کرنا کیوں بھلائی کی بات نہ ہوگی ضرور ہوگی ؎

؎ اس کے صدقے سے امت پہ نازل ہوئیں
رحمتیں پے بہ پے بخششیں دمبدم،
وہ ہے خیر الوریٰ وہ ہے خیر البشر
اسکے صدقے سے ہیں ہم بھی خیر الامم

قرآن میں حضرات یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا میلاد بیان ہوا ہے گویا میلاد کا بیان رسم ہنود ہی نہیں بلکہ خود قرآن کا بھی کام ہے لہٰذا جو لوگ میلاد کے بیان کو محض پولوسیوں، ہندوؤں اور

---

[1] خزائن العرفان تفسیر حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ

مزید دیکھیے مخالفین کی معتبر کتاب هدایۃ المستفید میں بھی اس آیہ کریمہ کے تحت مرقوم ہے:

"حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ نجاشی سے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قاصد سے کہا تھا: "اور اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایسا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا جس کے حسب و نسب کو ہم جانتے ہیں جن کے اوصاف حمیدہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔" (هدایۃ المستفید ص۔۔۔ ج-1)

ابوبکر جابر الجزائری اور مشتاق علی ندوی نے بھی لکھ دیا کہ

"ہر مسلمان مرد اور عورت پر ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ آپ کے عادات و اطوار اور صفات کو اس طرح پہچانے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کو سیکھتا ہے"
(تحفۂ اسلام اردو ص۲۳ مطبوعہ جدہ)

عیسائیوں ہی کا طریقہ بتاتے ہیں۔ وہ البقرہ ۲: ۱۷۴[1] میں مذکورہ کتمانِ حق کی سزا سے بے نیاز قرآن پاک کے بیان کو چھپا کر اخفائے حق کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ یہ بڑی دیدہ دلیری اور قرآن مقدس کے ساتھ زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

غور فرمائیں نفس ذکر میلاد قرآن پاک سے بلا تاویل ثابت ہو کر جائز ہوا اور کسی کا یہ کہنا کہ یہاں میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو بلا تاویل ثابت نہیں۔ بہر حال دبے لفظوں میں جواز ذکر میلاد کا اقرار ہے۔ کسی کا بھی ہو اس کے استحسان سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ استدلال کہ ذکر میلاد عیسیٰ علیہ السلام درست ہے نہ کہ میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام۔ ان کا استدلال اگر انہی کے یہاں درست ہوتا تو ضرور یہ میلاد عیسیٰ علیہ السلام منا کر اپنی شناخت و حقیقت بھی ظاہر کر دیتے اور یوں ہمیں پہچاننے میں آسانی بھی رہتی قول و فعل کا تضاد مکر و فریب کی نشاندہی کرتا ہے نہ کہ دلائل کی حقانیت کی

---

[1] آیت اور اس کا ترجمہ:- اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی اتاری کتاب اور اس کے بدلے ذلیل قیمت لے لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انہیں ستھرا کرے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حدیث پاک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی اور اس نے جاننے کے باوجود اسے چھپا لیا قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی"۔ (ترمذی مترجم ابواب العلم فرید بکسٹال لاہور)

[2] يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ (القرآن)۔ (اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے)

ہمارے لئے تو قرآن مقدس کا یہ بیان ذکر میلاد کی سند جید ہے لہٰذا ہم ذکر میلاد بھی کرتے ہیں اور میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں منعقد کر کے اپنی نسبت و شناخت کا اظہار بھی ؏

آبروئے ما زنام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم است

پھر اگر ذہن میں اس قید کا خیال آئے کہ ذکر میلاد کے لئے میلاد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی کو کیوں خاص کر لیا جاتا ہے تو ہم کہیں گے کہ ایسا خیال محبت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ذہن کی پیداوار ہے[1] بلکہ دین کی سمجھ بوجھ سے بھی عاری ہے۔ غور فرمائیے اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ نے ہمیں لاتعداد نعمتوں سے نوازا: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[2] اس قدر بیشمار نعمتیں عطا فرمائیں لیکن احسان نہ جتلایا اور جب احسان جتلایا تو اپنی بے شمار نعمتوں میں اس نعمت عظمیٰ "حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا" احسان جتلانے کے لئے خاص کر لیا لہٰذا ہماری یہ تخصیص نئی بات نہ ہوئی بلکہ سنت الٰہیہ ہوئی اس لئے اس تخصیص سے کوئی امر مانع نہیں۔

گویا اللہ تبارک و تعالیٰ نے لاتعداد اور اَن گنت انعامات و احسانات فرمائے لیکن احسان نہ جتلایا۔ اور جب رب لم یزل ولا یزال نے اپنا بے مثل و بے مثال محبوب مبعوث فرمایا تو احسان جتلا دیا۔ احسان اسی نعمت پہ جتلایا جاتا ہے جو سب نعمتوں سے انوکھی، منفرد، ممتاز اور بے مثل و بے مثال ہو جس کی نظیر نہ پہلے ہوئی ہو اور نہ ہونے والی ہو اور اس پہ خود منعم کو بھی ناز ہو۔ یعنی احسان جتلائے جانے سے خود

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں کہ "ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان ہر ذکر سے اسی کا ذکر نکال لیتا ہے اور ہر گفتگو کا خاتمہ اسی کے تذکرہ اور یاد پر ہوتا ہے۔" (اشرف المواعظ ص ۱۵، سعید کمپنی کراچی)

[2] پ ۱۳ ابراہیم ۳۴۔ پ ۱۴ النحل ۱۸

نعمت کی انفرادیت واضح ہوجاتی ہے کہ یہ ضرور کوئی ایسی باکمال و لاجواب نعمت ہے جس کے لئے احسان جتلانے کی قید ضروری جانی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا[1]

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔[2]

صدر الافاضل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :۔

" منت نعمت عظیمہ کو کہتے ہیں اور بے شک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نعمت عظیمہ ہے"[3]

مولانا شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں۔

" بہر حال مؤمنین کو خدا کا احسان ماننا چاہیے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا جس سے بے تکلف فیض حاصل کر سکتے ہیں"[4]

اب اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ یہاں تو نعمت اور احسان کا ذکر ہے وہ ہم نے مان لیا اس کے چرچے کا تو کوئی حکم نہیں[5] پھر بشکل جلسہ و جلوس، گلی کوچوں، بازاروں اور میدانوں میں اس کا چرچا کہاں سے مستفاد ہوا۔ تو سنئے قرآن فرماتا ہے :۔

---

[1] پ ۴ آل عمران ۱۶۴ [2] کنز الایمان [3] تفسیر خزائن العرفان ..... اور تفسیر کبیر سے منقول ہے " انعم علیهم واحسن الیهم۔ اللہ نے ان پر انعام اور احسان فرمایا ہے"۔ (جواہر البحار ج ۱ ص ۴۹) دیوبند کے سابق مہتمم جناب قاری طیب فرماتے ہیں: " چونکہ ولادت شریفہ کا اصل مقصد بھی بعثت تھی اور آپ کی نبوت و رسالت کو عالم میں پھیلانا تھا اس لیے قرآن حکیم میں بصراحت اور بار بار اور بعد احسان دمنیت وہی اسی کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے (اور آگے یہی آیت نقل کی) (آفتاب نبوت ص ۹۵)

[4] تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی [5] اگر کوئی حکم نہیں تو پھر " نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" ایسی کتب کی تصنیف رطب اللسانی سے مقصود ہے

"وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" [1]

"اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو" [2]

اگر نعمت اور احسان ہونا مان لیا ہے تو اس کے چرچے کا حکم خداوندی بھی تسلیم کر لیں اور رب کی نعمت عظیمہ کا خوب خوب چرچا کریں۔" کیونکہ تحدیث نعمت بھی شکرگزاری ہے اور یہ لعر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے خاص اور آپ کی امت کے لیے عام ہے" [3]

فائدہ

رب تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے مومنین پر اور انھیں سے تحدیث نعمت کا مطالبہ بھی ہے۔ گویا احسان ماننا —— ایمان ہے تو تحدیث نعمت اظہار ایمان۔ یعنی یہ نعمت ملی ہے ایمان والوں کو تو ظاہر ہے جن پر احسان ہوا اور تحدیث نعمت جن کا نشان ہوا وہی تحدیث نعمت بجا لائیں گے اب کسی رام چندر یا گاندھوی پر تو احسان ہوا نہیں یعنی انھیں تو محبوب عطا ہوا نہیں۔ وہ کیوں اس کو مانیں اور وہ کیوں اس اعلان و بیان میں شریک ہوں وہ تو کہہ دیں گے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں اور یہ مسلمانوں پر ضروری [4] کہ وہ اس احسان و منت پر تحدیث نعمت بجا لائیں ہم کہیں گے انہوں نے درست کہا۔ تحدیث نعمت یقیناً ہم مومنین پر ہی ضروری ہے اور

---

[1] الضحٰی پ ۳۰ [2] کنز الایمان [3] جواہر البحار اردو ج ۱ ص ۲۴

[4] بلکہ غیر مقلدین کے نامور مصنف نواب صدیق حسن کہتے ہیں:

"جس کو حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے میلاد کا حال سن کر فرحت (خوشی) حاصل نہ ہو اور شکر خدا کا حصول پر اس نعمت کے نہ کرے وہ مسلمان نہیں (الشمامۃ العنبریہ ص ۱۲)

اسی میں ہمارا بھلا۔ ارشاد ربانی ہوا :۔
"تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو"۔ معلوم ہوا تحدیث
نعمت کس قدر عمدہ اور ضروری بات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے
احسانات کو یاد رکھنا، بیان کرنا اور شکر گزاری بجالانا ہی
اچھائی کی بات ہے بلکہ وَاشْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ
تَعْبُدُوْنَ[1] کے مطابق شکر نعمت اعتراف بندگی ہے۔

ایک اعتراض کا جائزہ

یہ کہنا کہ ان محفلوں میں فاسق اور فاجر لوگ بھی شریک ہو کر نعتیں
وغیرہ پڑھتے ہیں تو اس پر ہم عرض کرینگے کیا فاسقین کے لئے نیکی
ممنوع ہے یوں تو ان کے لئے تلاوت قرآن پاک بلکہ مس قرآن بھی
جرم ہو جائیگا۔ صورت و سیرت کے بیان کا ایک یہ بھی تو مدعا
ہوتا ہے کہ فاسق اپنے فسق سے باز آجائے اور ظالم ظلم سے۔ ہر
گنہگار گناہ و معصیت سے توبہ کرکے خود کو صورت و سیرت سرکار
صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بنا لے اگر ان کی شرکت ممنوع قرار دے دی
جائے تو پھر پند و نصائح کن کے لئے ہوں گے گویا ان کی شرکت
حارج نہیں مفید ہے اور کوئی کیا جانے کہ انکی عقیدت کب انہیں
عمل صالح پر ابھار دے۔ بلکہ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگوں
کو توفیق توبہ نصیب ہو گئی۔

دلوں کو مرکز مہر و وفا کر — حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نان جویں بخشی ہے تو نے — اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر
(رضی اللہ عنہ)

---

[1] النحل (۱۱۴) ۱۴

سوال

اچھا جی یہ بتائیے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا میلاد بیان فرمایا ہے۔ ؟

جواب

ضرور بیان فرمایا ہے۔ بغرض اختصار صرف ایک ہی روایت پیش خدمت ہے ارشاد ہوتا ہے۔ "میں تمہیں اپنی پہلی حالت بتاتا ہوں۔ میں دعائے ابراہیم ہوں اور بشارت عیسیٰ ہوں میں اپنی ماں کا وہ نظارا ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا جس سے ان کے لئے شام کے محل چمک گئے"[1]

یہاں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا میلاد شریف خود بیان فرما رہے ہیں اور مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین کی کئی دیگر روایات میں بھی سرکار کی اپنی زبانی اپنا میلاد اور ذکر حسب نسب بیان کیا جانا ثابت ہے

دوسرا سوال

یہ تو پتہ چل گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا میلاد بیان فرمایا ہے اب کوئی ایسی مثال پیش کر دیجئے جس سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے میلاد پڑھنا، سننا اور سنانا ثابت ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (اس حدیث کو علامہ ابن کثیر نے بھی کتب علوم حدیث [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا [illegible] نے نقل کیا ہے

جواب

مشہور و معروف روایت ہے کہ حضور سرکار دو عالم فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت کے لئے مسجد میں منبر رکھوانے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منبر پہ بٹھایا گیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یوں آپ کا میلاد پڑھا ؎

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنٌ	اے اللہ کے محبوب آج تک آپ سے زیادہ حسین کسی آنکھ نے دیکھا ہی نہیں
وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ	اور نہ کسی عورت نے آپ سے زیادہ کوئی جمیل بچہ جنا
خُلِقْتَ مُبَرَّاءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ	آپ کو ہر عیب سے پاک اور مبرا پیدا کیا گیا ہے
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ	گویا آپ کو آپ کی منشا کے مطابق پیدا کیا گیا ہے

اب بھی اگر یہ کہدیا جائے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا میلاد پڑھا نہ پڑھایا۔ نہ سنا نہ سنایا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی اہتمام وغیرہ کیا نہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ اگر لوگ بے علمی میں کہتے ہیں تو جہالت کے پرچارک و نقیب ہیں ورنہ افترا کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا عمل اور رائے

سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۴۴ میں حدیث حسب و نسب کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو ان کی طرف سے ذکر میلاد پر دال ہے۔ دفتر ہشتم مکتوب نمبر ۷۲ میں جواباً فرمایا:

"اور پھر آپ نے مولود خوانی کے متعلق لکھا تھا اچھے آواز سے صرف قرآن مجید اور نعت و منقبت کے قصائد پڑھنے میں کیا حرج ہے" ؟ ۴

اتنی واضح تصریح اور آپ کے عمل کے ہوتے ہوئے بھی بعض لوگ کتنا بڑا مغالطہ دے جاتے ہیں۔

دیکھئے آپ نے مکتوب ۲۷۴ میں خود میلاد بیان فرمایا۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ میلاد کا تحریر کرنا درست ہے تقریر درست نہیں؟ توجہ فرمائیں برائی تو بہر صورت برائی ہے۔ پتہ چلا کہ میلاد شریف کا بیان برائی نہیں کیونکہ آپ نے خود میلاد بیان فرما دیا ہے۔ اب اگر کہیں آپ سے انکار ثابت ہے تو وہ منکرات پر ہے اصل مولود خوانی پر انکار نہیں ہے ورنہ آپ خود ہی اس کو بیان نہ کرتے مکتوبات شریف میں عام طور پر یہ شعر منقول ہے ؎

کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او محمد عربی کا برُوئے ہر دو سرا است

ترجمہ (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہان کی آبرو ہیں جو شخص آپ کے دروازے کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پہ خاک پڑے۔)۔

---

۴ لیکن نعت کے مخالفین " ابوبکر جابر الجزائری اور مشتاق علی ندوی سعودی ریالوں کے زور پر کہتے ہیں کہ :

" نعتیں اور قصیدے جو کہ خوش الحانی و غم انگیز آواز سے پڑھے جاتے ہیں یہ تو اور بھی مکروہ بدعت ہے " (محفل میلاد ص ۲۳ مطبوعہ جدہ)

فرمائیے جن کے نزدیک نبی کی تعریف (النعت) مکروہ ہو کیا وہ بھی مسلمان ہو سکتے ہیں؟ کیا ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم (نا) جو بیشمار تعریف کے لائق ہے) ان کی تعریف بدعت لگتی ہے (استغفر اللہ)

یہاں دیکھئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورت نعت وقصیدہ خوانی بھی بیان کردی ہے یہ بھی ہمارے لئے ایک خوبصورت سند ہے۔

مانعین کے پیر ومرشد اور بعض دیگر بزرگوں کا عمل

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرماتے ہیں۔

"اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں"[1]۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کے استاذ حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کرنے اور فاتحہ پڑھ کر آپ کی روحِ مبارکہ کو ثواب پہنچانے میں اور میلاد کی خوشی کرنے میں ہی انسان کی کامل سعادت ہے"[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث علیہ الرحمۃ دہلوی نے "الدر الثمین" میں اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمۃ کا ہر سال خوب اہتمام سے ایام مولد شریف میں کھانا پکا کر لوگوں کو کھلانا بیان

---

[1] فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵

[2] شفاء السائل بحوالہ جانِ جاناں ص ۸۱ ۔ دینِ مصطفےٰ ص ۳۵۳ ، اسلامی تقریبات ص ۲۵ برکات میلاد شریف

مولانا عبدالحق دیوبندی (اکوڑہ خٹک) اپنی حدیث کی سند کا سلسلہ بیان کرتے ہیں کہ "مجھے حضرت شیخ مولانا حسین احمد مدنی نے حدیث کی اجازت دی۔ انہوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے حاصل کی شیخ الہند نے الشیخ الامام محمد قاسم النانوتوی اور شیخ رشید احمد گنگوہی سے ان دونوں نے شاہ عبدالغنی مجددی (دعوات حق اول ص ۲۲۳)

کیا ہے۔"[1]

پھر مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" میں تیسری فصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و نزاہت نسب کے بیان میں لکھی ہے بلکہ ساتویں فصل تک ولادت شریفہ ہی کا تذکرہ ہے۔ یہی تھانوی صاحب ایک جگہ کہتے ہیں کہ "اس محفل کا اصل کام ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سب کے نزدیک خیر و سعادت اور مستحب ہی ہے"

(مجالس حکیم الامت ص۱۹۰ بحوالہ دیوبندی علماء کی حکایات)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی مجلسِ میلاد کے موقع پر قیام فرماتے اور درود و سلام پڑھتے رہے۔ (اخبار الاخیار۔ اردو ص۶۲۴)

حضرت ملا علی قاری ابن جوزی (رحمۃ اللہ علیہما) کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:
"جب نصاریٰ اپنے نبی کی پیدائش کی رات کو عید اکبر مناتے ہیں تو اہل اسلام کو اُن سے زیادہ اپنے نبی کی تکریم و تعظیم کرنی چاہیئے۔"[2]

۱۹۳۵ء میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں جالندھر چھاؤنی کے جلسے اور جلوس میں شریک ہوئے اور تقریر میں فرمایا:
"چند سال ہوئے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ خدا تعالیٰ مولود شریف کے ذریعے سے اس امت کو متحد کریگا۔ مجھے ایک عرصہ تک حیرت رہی کہ یہ واقعہ کس طرح رونما ہوگا۔ اب تحریک یوم النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس خواب کی تعبیر کو حقیقی طور پر نمایاں کر دیا ہے۔"[3]

---

[1] در الثمین۔ بائیسویں حدیث [2] المورد الروی بحوالہ جانِ جاناں ص۹۲
[3] اخبار "ایمان" ۴ تا ۱۱ مئی ۱۹۳۵ء بحوالہ ضیائے حرم ص۲۶۸
عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۱۰ھ

منکرات سے اجتناب

محفل میلاد شریف کے تقدس کے پیش نظر اس کا خالی از منکرات ہونا بہت ضروری ہے علمائے حق اہل سنت وجماعت یہی تنبیہ کرتے ہیں اس لئے عوام وخواص اہل سنت وجماعت سے ہماری درخواست یہی ہے کہ منکرات یعنی خلاف شرع امور سے بہرصورت اجتناب کیا جائے۔ جب عام طور پہ یہ منکرات جائز نہیں ہیں تو ان مقدس محافل کو آلودہ کرنے کے باعث اور بھی قبیح ہو جائینگے۔

البتہ صرف منکرات کو ختم کیا جائے نہ کہ محافل میلاد کو۔[1] بلکہ ان محفلوں کو بہتر سے بہتر طور پہ جاری وساری رکھا جائے۔ دیکھئے اگر سر میں درد ہو تو درد سر کا علاج کیا جائے گا نہ یہ کہ سر ہی اڑا دیا جائے۔ یونہی شادی بیاہ میں اگر کوئی بری رسم در آئے تو اُسے روکا جائیگا اصل نکاح پر انکار نہیں کیا جائے گا یعنی منکرات کے بہانے نکاح کو بند کرنے کی اجازت نہیں[2] دی جائیگی

---

[1] حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
"اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دُور کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے منع کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے"
(شمائم امدادیہ ص۱۲۹ بحوالہ دیوبندی مذہب ص۲۴۳۔ امداد المشتاق ص۸۸ بلال گنج لاہور)

[2] مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"کوئی سنت حرام کام سے ملنے سے ناجائز نہیں ہو جاتی۔ نکاح سنت ہے مگر لوگوں نے اس میں ہزاروں خرافات ملا دیں تو نکاح کو نہیں روکا جاتا بلکہ ان بری چیزوں کو منع کیا جاتا ہے"۔
(علم القرآن ص۲۰۱۔ گجرات)

محفل میلاد کی خوبصورت سجاوٹ منکرات سے نہیں ہے بلکہ سامعین کے لئے رغبت کا ذریعہ ہو کر منتظمین کے لئے ثواب کا باعث ہے[1]

اعتراض

نعمت پر شکر اور خوشی دل سے ہونی چاہیے' اظہار اور چرچا درست نہیں۔ مال و دولت خرچ کرنا محض ضیاع۔ پھر زیب و زینت اسراف ہے اور اسراف میں بھلائی نہیں' لہٰذا یہ منکرات سے ہے۔

جائزہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ (یونس)

ترجمہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ

بگو بفضلِ خدا و برحمتِ او بایں چیزہا باید کہ شادمان شوند آں بہتر است از آنچہ جمع می کنند۔ (تاج کمپنی)

ترجمہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے (کنز الایمان)

ترجمہ محمود الحسن

کہہ اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے سو اس پر ان کو خوش ہونا چاہیے۔ یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (تاج کمپنی)

شبیر احمد عثمانی تفسیر میں کہتے ہیں:

---

[1] حضرت صدر الافاضل حضرت ملا علی قاری سے نقل فرماتے ہیں (ترجمہ)
"خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی طرف نظر کرنا حسن کی طرف مائل کرے اور خدا کی یاد دلائے وہ عبادت ہے" (آدابِ کا تعظیم ۲۰)

"کسی نعمت پر اس حیثیت سے خوش ہونا کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ملی ہے،
محمود ہے جیسے یہاں فرمایا: فبذالک فلیفرحوا"

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
مسلمانوں کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ملنے پر خوشیاں منانے کا حکم دیا گیا ہے[1]

پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں: "فلیفرحوا" یعنی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا کرو[2]

قرآن پاک میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا
وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو

ایک مقام پر فرمایا:
قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ۔[3]
تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا:
(ترجمہ) لوگوں پر کسی صبح کا گزر نہیں ہوتا کہ اس میں دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما۔ اور دوسرا کہتا ہے یا اللہ بخیل کو تباہی سے دوچار کر دے[4]

اب علمائے حق کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔

سیدنا مجدد الف ثانی امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
"نعمت (حاصل کرنے) والے پر نعمت عطا کرنے والے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ازروئے عقل و شرع ضروری ہے اور یہ بات بھی معلوم کہ شکر کا وجوب نعمتوں کی مقدار

---

[1] مواعظ نعیمیہ ص ۳۶۹۔ گجرات
[2] ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم ص ۴۶
[3] الاعراف ۳۲
[4] بخاری مترجم اول ص ۵۲۵ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کے مطابق ہوتا ہے پس جس قدر نعمتیں زیادہ ہوں گی شکر کا وجوب بھی زیادہ ہوگا۔[1]

اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر شکر ظاہر کرنا ہمارے لیے مستحب ہے۔"[2]

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نعمتِ عظمیٰ ہے، سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر شکر واجب اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی شکر کا ظاہر کرنا مستحب ہے تو پھر اعتراض کیا اور مستحب کی شان کیا ہے، ہم دین کو تازہ کرنے والے دوسرے ہزار سال کے مجدد یعنی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"مستحب کو لوگ کیا جانیں۔ مستحب اللہ کا پسند کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پسند کیے ہوئے ایک عمل کے بدلے اگر دنیا و آخرت کو دے دے تو کچھ بھی نہ دیا۔"[3]

اور سنیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں علماء کی طرف سے فرمایا کہ لاخیر فی الاسراف ولا اسراف فی الخیر۔ (اسراف میں بھلائی نہیں اور بھلائی میں اسراف نہیں)۔ آگے فرمایا:

"جس شے سے تعظیم ذکر شریف مقصود ہو، ہرگز ممنوع نہیں ہو سکتی۔"[4]

یہاں ربِ کائنات کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمائیے، حکم ہوا: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ یعنی بھلائی کے کاموں میں (ایک دوسرے پر) سبقت حاصل کرو۔ ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ اب شکرِ نعمت اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیکی بلکہ بڑی نیکی[5] تو اس

---

[1] مکتوبات دفتر اول حصہ دوم مکتوب ۱۰ — بحوالہ روح البیان جلد ۹ ص ۵۶
[2] علامہ کاظمی میلاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم
[3] زبدۃ المقامات۔ اردو ص ۲۷۵ سیالکوٹ
[4] ملفوظات اول ص ۱۱۲
[5] شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں:
"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور پروردگارِ عالم کی عظیم ترین نعمت ہے، نعمت الٰہی کا ذکر اور اس پر شکر اور یادگار قائم کرنا اور خوشی منانا شریعت میں ثابت ہے" (اصلاحی تقریبات ص ۲۲)

میں سبقت کے لیے مال خرچ کرنا اسراف کیونکر ہوگا۔ اگر یہ اسراف ہے (معاذ اللہ) تو کیا اللہ تعالیٰ ایسا حکم دیتا ہے؟ (استغفر اللہ)! فاستبقوا الخیرات کی روشنی میں ٹھیک فرمایا علماء نے کہ لا اسراف فی الخیر۔ یعنی نیکی کے کام میں مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے۔

اب رہا آرائش و زیبائش اور زیب و زینت کا اہتمام تو اس کے بارے میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے بلفظہ ملاحظہ کیجیے۔ فرمایا:

"جس چیز کی طرف نظر کرنا حق کی طرف مائل کرے اور خدا کی یاد دلائے، وہ عبادت ہے۔"[1]

آج کل مسجدوں میں آرائشی محرابیں، فلک بوس مینار اور طرح طرح کی گلکاریوں کا بھی تو کوئی جواز ہوگا؟ پھر "صد سالہ جشنِ دیوبند کی تقریبات کے انتظامات وغیرہ پر ۵۰ لاکھ روپے سے زائد رقم خرچ کی گئی، پنڈال پر چار لاکھ سے بھی زیادہ رقم خرچ ہوئی"۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲ اپریل، امروز لاہور ۹ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء)[2]

کیا یہاں اسراف نہیں ہوا؟ پوری دیوبندی ذریت اپنے علم و فضل اور جبہ و دستار سمیت موجود تھی، کیا کوئی فتویٰ نہ جاری ہو سکا؟

رہی محفل میلاد اور اس کا اہتمام و انتظام وغیرہ، یعنی ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل کا سلیقہ طریقہ ــــ تو یہ کوئی نیا کام بھی نہیں۔ محقق دوراں جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے بقول

"ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل سجانے کا سلیقہ جلیل القدر امام حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے سکھایا جب آپ محبوب کی باتیں سناتے اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تو کیا کرتے، توجہ فرمائیے اور ذرا غور سے سنیے! پہلے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہنتے، طلسان اوڑھتے اور عمامہ باندھتے، چادر سر مبارک پر رکھتے ــــ ان کے لیے ایک تخت

---

[1] تبرکات کی تعظیم ص ۱۰
[2] دیوبندی حقائق ص ۲۰۳

مثلِ عروس بچھایا جاتا ـــــــ اس وقت باہر تشریف لاتے اور نہایت خشوع و خضوع سے اس پر جلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے ، اگر سُلگاتے اور اس تخت پر اس وقت بیٹھتے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنی ہوتی ۔ (مشکوٰۃ جلد ۳ ص ۴۲۰) ۔ عرض کیا گیا آپ اتنا اہتمام کیوں فرماتے ہیں ـــــــ فرمایا ، مجھے تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار ہے " [1]

گویا قرآن و حدیث ، علماء کی تصریحات اور جلیل القدر امام کے عمل نے اعتراض کو لغو ثابت کر دیا پس اہلِ سنت کا عمل درست اور باعثِ ثواب ہے منکرات سے نہیں

ایک اور اعتراض

تم لوگ ہر سال ۱۲ ربیع الاوّل کو میلاد کی خوشیاں مناتے ہو ۔ لیکن بارہ ربیع الاول اگر یوم ولادت ہے تو یوم وصال بھی ہے ۔ لہٰذا تم آدھا دن خوشی کیا کرو اور آدھا دن غم منایا کرو ۔ یہ غم نہ منانا تو ضرور منکرات سے ہے ۔

اس کا جائزہ

گویا یوم منانے پہ اعتراض نہ رہا ، البتہ خوشی کے ساتھ ساتھ غم منانے کا بھی مطالبہ کر دیا گیا ۔ ہاں یہ مطالبہ ہم اہل سنّت و جماعت سے ہے معترضین اس سے بری ہیں ، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی منائیں تو بھی ہم سُنّی اور غم منائیں تو بھی ہم سُنّی ۔ ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واسطہ نہیں لہٰذا اس خوشی اور غم سے انہیں غرض نہیں ۔

---

[1] جشنِ بہاراں ، رضا اکیڈمی ، لاہور

ہم تو خوشیاں مناتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں اور ہمیں ع

خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور ہم خوشیاں مناتے رہیں گے کہ شریعت میں غم کا نہیں خوشی منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، قرآن پاک نے فرمایا:

فَلْيَفْرَحُوْا چاہیے کہ (نعمت ملنے پر) خوشی کریں۔

لہٰذا ہم ضرور میلاد شریف کی خوشیاں منائیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرمایا:

"شریعت نے ولادت کے موقعہ پر عقیقہ کا حکم دیا ہے اور یہ بچہ پیدا ہونے پر اللہ کے شکر اور خوشی کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ لیکن موت کے وقت ایسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ نوحہ جزع وغیرہ سے منع کر دیا ہے۔ شریعت کے مذکورہ اصول کا تقاضا ہے کہ ربیع الاول شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کیا جائے نہ کہ کسی وصال پر غم۔" [1]

۱۲ ربیع الاول یوم وصال نہیں بلکہ یوم میلاد ہے۔ صدر المناظرین حضرت علامہ مفتی محمد اشرف قادری مراڑیاں شریف نے اس پر دلائل و معقولیت سے لبریز شاندار علمی و تحقیقی مقالہ لکھا جو ماہِ طیبہ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ آپ نے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے یکم، دو ربیع الاول یوم وصال اور بارہ ربیع الاول کو یوم ولادت باسعادت ثابت کیا ہے۔ مفتی صاحب اپنی لاجواب تحقیق کے آخر میں فرماتے ہیں:

"ہم ثابت کر چکے ہیں کہ بارہ ربیع الاول یوم میلاد ہے نہ کہ یوم وفات، لیکن اگر بالفرض یوم وفات بھی مان لیا جائے تو میلاد کی خوشی منانا اس تاریخ کو تب بھی جائز

---

[1] ضیائے حرم، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ص ۳۶۲

ہی رہے گا اور وفات کا سوگ (غم) منانا ممنوع ہوگا، کیونکہ نعمت کی خوشی منانا شرعاً اور بار بار محبوب ہے، جیسے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے نزولِ مائدہ کے دن کو اپنے اولین و آخرین کے لیے یوم عید قرار دیا (القرآن ۵ - ۱۱۴) لیکن وفات کا غم وفات سے تین روز کے بعد منانا قطعاً جائز نہیں۔

اس سے پہلے نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف کے حوالے سے فرماتے ہیں،
"جمعہ کا دن آدم علیہ السلام کا یوم میلاد بھی ہے اور یوم وفات بھی۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے وفات کی غمی کو نظر انداز کرتے ہوئے میلاد کی خوشی کو باقی رکھا اور جمعہ کو عید منانے کا حکم دیا۔ لہٰذا اگر بارہ ربیع الاول کو یوم میلاد اور یوم وفات بھی مان لیا جائے تو وفات کی غمی وفات سے تین روز بعد ختم ہو چکی اور میلاد کی خوشی قیامت تک باقی رہے گی۔"[1]

اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ [2]

میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔
ہاں معترضین خود کو مخاطبین سے خارج سمجھتے ہیں تو انہیں حق ہے، ہمیں تو اپنے

---

[1] ماہِ طیبہ، اکتوبر ۹۰ء [2] شارح مشکوٰۃ صاحب مرأۃ

مفتی احمد یار خاں سے اس کی شرح سماعت فرمائیے:
روح البیان سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ ہماری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور ہماری وفات بھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، زندگی پاک تو ظاہر ہے کہ بہتر ہے، وفات شریف کس طرح بہتر ہے؟ فرمایا، ہماری قبر انور میں ہر جمعہ اور دوشنبہ کو تمہارے اعمال پیش ہوتے رہیں گے۔ نیک اعمال دیکھ کر تو ہم رب کا شکر کریں گے اور برے اعمال دیکھ کر تمہارے لیے مغفرت کی دعا کریں گے (شانِ حبیب الرحمٰن ص ۱۳۳)

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمانِ عالیشان سے خوشی اور مسرت ہی حاصل ہوتی ہے اور ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

پھر ہم غم کیوں منائیں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثِ پاک:

"الانبیاء احیاء فی قبورھم   تمام نبی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں (علیہم السلام)"

کو کئی دیگر محدثین کے علاوہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت، دوم اردو ص۴۴۳ میں حضرت شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین (مترجم ص۹۴) میں علامہ سید احمد سعید کاظمی نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۹ میں (رحمۃ اللہ علیہم)، علامہ سید محمود احمد رضوی نے فیوض الباری پ ص۱۱۶، اور مولانا اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب (اٹھائیسویں فصل) میں نقل کیا ہے۔

علامہ سید محمود احمد رضوی نے اسی فیوض الباری پ میں ص۱۱۴ پر حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اجماع نقل کیا ہے۔ دیوبندی مفتی محمد شفیع کراچوی سیرۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۳۱ میں جمہور امت کا عقیدہ قرار دیتے ہیں، اور جید علمائے دیوبند کہتے ہیں: "ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے۔"[۱]

پھر حضور اقدس رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہر ہر چیز آپ کی رحمتوں اور برکتوں سے فیض یاب ہو رہی ہے اور یہ سب کچھ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث ہے۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اختیارات وصفات کے ساتھ زندہ ہیں تو غم کس بات کا؟

لہٰذا خوشیاں منانا ہی جائز ہے نہ کہ غم۔ اور غم نہ منانا منکرات سے نہیں بلکہ غم منانا یا اس کی ترغیب دینا منکرات سے ہے۔ الحمد للہ! یہ اعتراض بھی باطل ہوا۔

---

[۱] المہند علی المفند، اردو ص

منکرات کیا ہیں ؟

ہم یہاں چند منکرات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ شائقین محفل میلاد شریف انتظام و اہتمام کے وقت محتاط رہ کر زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر سکیں اور یوں ان محافل کا تقدس بھی خراب نہ ہونے پائے۔

۱۔ آلات محرمات کا استعمال۔
۲۔ فرض نمازوں سے غفلت۔
۳۔ چندہ کرتے وقت اہل محلہ اور راہ گیروں پر بیجا پابندی۔
۴۔ مخلوط اجتماعات (ایسے اجتماعات جن میں مرد و زن اکٹھے ہوں)
۵۔ جاندار چیزوں کے ماڈل بشکل طواف کعبہ شریف یا کوئی اور صورت

بہرصورت ہماری یہی گذارش ہے کہ منکرات سے ضرور اجتناب کیا جائے تھوڑا ہو لیکن صحیح ہو۔ "خذ ما صفا و دع ما کدر" یعنی معقول بات اختیار کریں اور بری بات کو ترک کر دیں۔ اللہ توفیق دے جب ہم لوگ اپنی محفلوں کو منکرات سے خالی رکھیں گے تو امید ہے، اردگرد سے انگلیاں نہیں اٹھ سکیں گی۔

مانعین بدعت حسنہ اور محفل میلاد

یہاں ہم مانعین کی نہایت معتبر کتاب سے جواز محفل میلاد پر شہادت پیش کرتے ہیں تاکہ ہر قسم کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ لکھا ہے۔

"حاشا کہ ہم تو کیا کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ آنحضرت کی ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ کی جوتیوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح و بدعت سیئہ یا حرام کہے وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی علاقہ ہے ان کا ذکر ہمارے

نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول و براز، نشست و برخاست اور بیداری کا تذکرہ ہو۔[1]

"پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہو تو حاشا کہ ہم یوں کہیں کہ ذکر ولادت شریفہ ناجائز اور بدعت ہے۔"[2]

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہمارے علماء مولود شریف میں بھی بہت تنازع کرتے ہیں، تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ جب صورت جواز کی موجود ہے پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں' اور ہمارے واسطے اتباع حرمین کافی ہے۔"[3]

اب بھی اگر ذریت انکار کرے تو ہم کہہ سکتے ہیں پھر ذریت تو اس کو دھوکہ ہی سمجھتی ہے ورنہ کبھی تو محفل میلاد شریف کا انعقاد کر کے منکرات سے خالی مجلس میلاد کا نمونہ پیش کرتی۔ البتہ ہم اہل سنت و جماعت کا عمل درست اور جائز ثابت ہو گیا کہ مجلس مولود یا محفل میلاد ایک ہی بات ہے یہ لوگ محفل میلاد کی بجائے سیرت کانفرنس منعقد کر لیتے ہیں۔ محفل میلاد شریف تو بعض کے نزدیک اس لئے ناجائز ہے کہ اس ہیئت جدیدہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم سے ثابت نہیں تو بتائیے سیرت کانفرنس کی ہیئت کب ثابت ہے یہ کیونکر سنت ہو گئی۔ اب تو بفضلہ تعالیٰ محفل میلاد شریف کا جواز خوب واضح ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہم تاریخ ولادت اور عمل امت کے بارے میں مختصراً عرض کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں

---

[1] المہند علی المفند مترجم ص ۵۲ [2] البصائر ص ۵۴ [3] امداد المشتاق ص ۵۵-۵۶

تاریخ ولادت اور عمل امت

تواریخ حبیب الٰہ[1] میں ہے "حرمین شریفین اور اکثر بلاد اسلام میں عادت ہے کہ ماہ ربیع الاول میں محفل میلاد شریف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مجتمع کر کے ذکر مولود شریف کرتے ہیں اور کثرت درود کی کرتے ہیں اور بطور دعوت کے کھانا یا شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ سو یہ امر موجب برکات عظیمہ ہے اور سبب ہے ازدیاد محبت کا ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں یہ محفل متبرک مسجد شریف میں ہوتی ہے اور مکہ معظمہ میں مکان ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے کہ میں حاضر ہوا اس مجلس میں جو مکہ معظمہ میں مکان مولد شریف میں تھی بارہویں ربیع الاول کو اور ذکر ولادت شریف اور خوارق عادات وقت ولادت کا پڑھا جاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایکبارگی کچھ انوار اس مجلس سے بلند ہوئے۔ میں نے ان میں تامل کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ انوار تھے ملائکہ کے جو ایسی محافل متبرکہ میں حاضر ہوا کرتے ہیں اور بھی انوار تھے رحمت الٰہی کے۔ انتہیٰ"

امام ابوشامہ جو امام نووی شارح صحیح مسلم کے استاذ الحدیث ہیں، فرماتے ہیں از ترجمہ "ہمارے زمانہ میں جو بہترین نیا کام کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے دن صدقات اور خیرات کرتے ہیں اور اظہار مسرت

---

[1] تواریخ حبیب الٰہ ص ۱۵ مطبوعہ معظم پبلشرز لاہور۔ اس کتاب سے خود مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے نشر الطیب کی تصنیف و تالیف میں استفادہ کیا ہے دیکھئے نشر الطیب مقدمہ مضمون اول۔ نیز القول الجلی اردو صفحہ ۱۹۲-۱۹۳ دیکھئے۔

کے لیے اپنے گھروں اور کوچوں کو آراستہ کرتے ہیں"۔[1]

سند المحدثین حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں:

"ہر دور میں اکابرِ اسلام جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عظمت و احتشام سے مناتے اور اس کی فضیلت و برکت سے فیض یاب ہوتے رہے"۔[2]

مولانا عبد السمیع رامپوری نے شرق و غرب کے ایسے ۲۶ مستند اور جید محدثین و فقہا کے نام لکھے ہیں جنہوں نے محفل مولود شریف کو مستحب و مستحسن فرمایا ہے[3]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے منقول ہے کہ

"بارہ ربیع الاول کو میں نے قدیم دستور کے مطابق (یعنی یہ کوئی نیا کام نہیں) قرآن پاک کی تلاوت کی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نیاز کے طور پر کچھ تقسیم کیا اور موئے شریف کی زیارت کرائی"۔[4]

اور علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

فَلَوْ اَنَّا عَمِلْنَا کُلَّ یَوْمٍ لِاَحْمَدَ مَوْلِدًا قَدْ کَانَ وَاجِبْ

اگر ہم ہر روز حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد مناتے تب بھی واجب تھا۔[5]

حضرت امام قسطلانی شارح بخاری کی مواہب سے منقول ہے:

(ترجمہ) "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مہینہ میں اہلِ اسلام ہمیشہ سے محفلیں

---

[1] سیرۃ الحلبیہ صـ۸۰ جلد اول۔ بحوالہ ضیائے حرم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ۱۹۸۱ء صـ۳۴۲ بحوالہ ضیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم صـ۲۷۔ اسے مولانا اسمٰعیل دہلوی نے بھی رسالہ چہاردہ مسائل میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے مولانا اسماعیل اور تقویت الایمان صـ۱۱۵)

[2] دینِ مصطفےٰ صـ۳۴۷ [3] دیکھیے انوارِ ساطعہ صـ۲۳۸

[4] القول الجلی کی بازیافت صـ۳۰-۵۸ بحوالہ القول الجلی صـ۷۴، القول الجلی اردو صـ۹۹، ۱۸۴

[5] میلاد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم صـ۳۴ (اردو ترجمہ مولد العروس)

منعقد کرتے چلے آئے ہیں، اور خوشی کے ساتھ کھانے پکاتے رہے اور دعوتِ طعام کرتے رہے، اور ان راتوں میں انواع و اقسام کی خیرات کرتے رہے اور سرور ظاہر کرتے چلے آئے ہیں اور نیک کاموں میں ہمیشہ زیادتی کر رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد کریم کی قرأت کا اہتمام خاص کرتے رہے ہیں جس کی برکتوں سے ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل ظاہر ہوتا رہا ہے۔ اور اس کے خواص سے یہ امر مجرب ہے کہ انعقاد محفل میلاد اس سال میں موجب امن و امان ہوتا ہے اور ہر مقصود و مراد پانے کے لیے جلدی آنے والی خوشخبری ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر بہت رحمتیں نازل فرمائے جس نے ماہِ میلاد مبارک کی ہر رات کو عید بنا لیا۔"[1]

حضرت شیخ قطب الدین حنفی سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں :

"۱۲ ربیع الاول کی رات ہر سال باقاعدہ مسجدِ حرام میں اجتماع کا اعلان ہو جاتا تھا۔ تمام علاقوں کے علما، فقہا، گورنر اور چاروں مذاہب (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ) کے قاضی مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام میں اکٹھے ہو جاتے، ادائگی نماز کے بعد سوق اللیل سے گزرتے ہوئے مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (وہ مکان مبارک جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت ہوئی) کی زیارت کے لیے جاتے۔ ان کے ہاتھوں میں کثیر تعداد میں شمعیں، فانوس اور مشعلیں ہوتیں (گویا وہ ایک مشعل بردار منظم جلوس ہوتا)۔ وہاں لوگوں کا اتنا کثیر اجتماع ہو جاتا کہ جگہ نہ ملتی۔ پھر ایک عالمِ دین وہاں خطاب کرتے، تمام مسلمانوں کے لیے دعا ہوتی اور تمام لوگ پھر دوبارہ مسجدِ حرام میں آجاتے۔ الخ"[2]

---

[1] علامہ کاظمی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۷۲ تا ۷۵، اسلامی تقریبات ص۱۰۰، برکات میلاد شریف ص۱۳-۱۱

[2] ضیائے حرم عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ص۲۹

حضرت علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

"تین صدیوں تک محفل میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ضابطہ میں آئی پھر جو اس کا سلسلہ شروع ہوا تو آج تک قائم ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس کے بعد سے برابر تمام ملکوں اور شہروں میں اہلِ اسلام عیدِ میلاد مناتے رہے ہیں۔ اس روز لوگ مختلف صدقہ دیتے ہیں، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے واقعات سناتے ہیں جس کے برکات ان پر ظاہر ہوتے آئے ہیں۔"[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ

"۱۲ ربیع الاول کو ان کے ہاں لوگ جمع ہوتے، درود کا دور رہتا، پھر شاہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل اور بعض احادیث سناتے ——— اس کے بعد ذکرِ ولادت، رضاعت، حلیہ شریف اور آثار وغیرہ کا ذکر ہوتا، پھر جو کچھ سامنے ہوتا کھانا یا مٹھائی، اس پر فاتحہ دے کر حاضرینِ مجلس میں تقسیم کر دی جاتی ——— موئے مبارک کی زیارت بھی کرائی جاتی۔"[2]

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اور ہمیشہ سے ہی مسلمان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ولادت کے مہینہ میں محفلیں (میلاد کی) کرتے ہیں اور کھانے (شیرینی وغیرہ) پکا کر اس مہینہ کی راتوں میں طرح طرح کے تحفہ جات خوب تقسیم کرتے ہیں"[3]

---

[1] جانِ جاناں صہ ۹۲۔ بحوالہ انوارِ قطب مدینہ لاہور ۳۶۵، ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم صہ ۴۸
جا الحق اول صہ ۲۳۶ بحوالہ روح البیان، ضیائے حرم عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر صہ ۳۳۳

[2] الدر المنظم صہ ۸۹ بحوالہ جانِ جاناں صہ ۱۱۵

[3] ما ثبت من السنۃ مترجم صہ ۱۵۵ مطبوعہ پنجاب نیشنل پریس لاہور۔

"تاریخ ولادت کے بارے فرماتے ہیں :-
" لیکن پہلا قول یعنی بارہ ربیع الاول کا زیادہ مشہور و اکثر ہے
اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے۔ ولادت شریف کے مقام کی زیارت
اسی رات کو کرتے ہیں۔ اور میلاد شریف پڑھتے ہیں" [۱]

ربیع کا چاند لایا آمنہ کے چاند کی خوشیاں
لگا ہے ہر کوئی میلاد کی محفل سجانے میں

جلوس میلاد

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہمارے حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کی سب سے بڑی نعمت ہیں اور ذکرِ نعمت ضروری تو جلوسِ میلاد کا مقصد بھی یہی ذکرِ نعمت یعنی ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جلوس میلاد میں آخر ہوتا کیا ہے؟ یہی ذکرِ نعمتِ خدا، نعرہ ہائے تکبیر و رسالت، درود پاک کے نغمات، نعتوں کی بہتات، سیرت کے واقعات، سرکار کے فیوض و برکات، فضائل و کمالات اور خصائل و معجزات پر روح پرور بیانات۔ یہ سب کچھ ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ہے۔ یہی ہمارا ذوق ہے اور یہی ہمارا شوق ہے

---

[۱] مدارج النبوت (اردو) دوم ص ۲۳ اور محدث ابن جوزی نے المیلاد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور الوفا (اردو) ص ۱۱۸ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

ہمارا مقصدِ حیات ذکرِ شانِ مصطفےٰ ہماری منزلِ مراد آستانِ مصطفےٰ
ہمارا ذوقِ گفتگو فقط بیانِ مصطفےٰ زبان پہ ہے درودِ پاک لب پہ ہے سلام ہیں
غلام ہیں غلام ہیں رسول کے غلام ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

غور فرمائیے ذکرِ نعمتِ خدا پر مشتمل اس جلوس میں کونسی ایسی بات ہے جس سے یہ تقریب ناجائز ہو جائے۔ حلت و حرمت اور اباحت سے متعلق پیش کردہ قواعد و ضوابط کی رو سے یہ جائز و باصواب ہے۔ اگر ہیئت اور طرزِ جلوس پر اعتراض کیا جائے تو یہی اعتراض عام دینی جلسوں پر قائم ہو جائے گا اور کسی بھی اصولِ شریعت کے تحت ان تقریبات کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکے گا اور بوجہ ہیئتِ جدیدہ یہ تقریبات بھی ناجائز ہو جائیں گی۔ اگر دیگر دینی جلسے بہ ہیئتِ جدیدہ کثیر اخراجات کے ساتھ جائز و باصواب ہیں تو محض اس لئے کہ ان میں "تبلیغِ دین" اصل ہے اور وہ ثابت تو تبلیغ زمانہ کے حالات کے مطابق کسی طرز اور ہیئت سے کیجئے جائز ہے۔ اس لئے وہ جلسے اور دیگر دینی پروگرام جائز۔ لہٰذا اسی نہج پر جلوس ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تبلیغ دین کے باعث جلوس بھی روا ہوا۔ اس لئے کہ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تبلیغِ دین کے لئے شریعت نے کوئی طرز اور ہیئت مقرر نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی اس طرزِ جلوس سے انکار کیا ہے[1]۔ پس اس ہیئتِ جلوس کو غلط

---

[1] جناب عامر عثمانی فاضل دیوبند کہتے ہیں کہ
"ایک شخص کو اختیار ہے کہ لوگوں کو حدیث سنانے اونٹ پر بیٹھ کر جائے، یا ریل پہ، یا فرش پہ بیٹھ کر سنائے، یا تخت پہ، کوئی بھی ایسا طریقہ جس میں دین کے کسی حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو جائز ہوگا اور بدعت نہ کہلائے گا۔" (بدعت کیا ہے ص ۲۱)

کہنا اس کا اپنی طرف سے تقرر کرنا ہوگا جو جناب شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام سے ثابت نہیں۔ یعنی تبلیغ دین اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت نے مطلق فرما دیا ہے۔ کسی قسم کی کوئی بھی قید نہیں لگائی لہٰذا کوئی قید ذاتی قید ہوگی۔ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کہتے ہیں "جس امر کو شریعت نے مطلق فرمایا ہے اپنی عقل سے اس میں قید لگانا حرام ہے" [۱]

لہٰذا یہ جلوس بہ ہیئت جدیدہ جائز ہی ہوگا۔

اب اس مطلق امر پر قید کون لگاتا ہے؟ دیکھیں ہم تو تبلیغ دین اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی کرتے ہیں اور مواعظ و تقاریر کے ذریعے بھی۔ محفل و مجلس میں بھی کرتے ہیں اور جلسہ و جلوس میں بھی گویا ہمارے نزدیک کوئی قید ضروری نہیں ہے کہ اس طرح ہوگا تو درست ہوگا اس طرح ہوگا تو ثواب نہیں ہوگا۔ لیکن مانعین نے طرز جلوس کو بیجا طور پر غلط کہہ کر خود قید لگالی اور مطلق کو مقید کر کے اپنے ہی قاعدہ کے مطابق جرم اپنے ذمہ لے لیا۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں "کوئی تخصیص اپنی رائے سے کرنا بدعت ضلالہ ہے" [۲]

دیکھ لیجیے ہم نے تو مطلق کو مطلق ہی جانا ہے لیکن یار لوگوں نے خود ہی مطلق سے انکار کر کے اور جلوس کو ناجائز کہہ کر بدعت ضلالہ کا ارتکاب کر لیا ہے۔ بھئی جب شریعت نے مطلق فرما دیا ہے تو پھر کسی طرز سے بھی ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو درست جان لو صحیح مان لو اسی میں فائدہ ہے۔

---

[۱] فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۲۶ [۲] فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۲۹

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے

جلوس مبارک میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے اور تحدیث نعمت عظمیٰ کا مظاہرہ بھی۔ پھر رب تعالیٰ کی نعمت خاص کا گلی گلی چرچا اور رفعت ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام کیونکر ممنوع ہوگا جبکہ رب تعالیٰ خود فرماتا ہے

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

"اے محبوب ہم نے تمہارا ذکر تمہارے لئے بلند کر دیا"

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
ذکر اونچا ہے ترا بول ہے بالا تیرا

اس پرکشش انتظام و انصرام سے تو شوکت اسلام اجاگر ہو جاتی ہے جس سے بے عمل مسلمانوں کے دلوں میں بھی شرکت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان پڑھ لوگ بھی فضائل و محامد سننے کی خاطر شامل ہو جاتے ہیں اور جب وہ صورت و سیرت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء پر مطلع ہوتے ہیں تو جذبۂ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سنّت مطہرہ پر عمل اور اس کی پابندی پر آمادہ کرتا ہے۔ مقلب القلوب اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے دلوں کو بے عملی سے عمل کامل کی طرف پھیرنے پر قادر ہے۔ یہ تو تھا فسق و فجور میں مبتلا مسلمانوں کے لئے درس عمل یہاں تو غیر مسلموں پر بھی اسلام اور بانیٔ اسلام کی عظمت، عزت، حقانیت اور شوکت واضح ہو جاتی ہے۔ اب بتائیے ان مقاصد کے پیش نظر اس حُسنِ نیّت سے جلوس کیونکر ناجائز ہو گیا؟

سرکار کے ظہور پُر نور کا روز سعید اظہار مسرت اور تحدیث نعمت کا

موقع ہوتا ہے۔ کیونکہ حصول نعمت پر جس قدر ناز کیا جائے کم ہے اور یوں کہنا کہ اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں ہر کسی کے لئے جشن ہونا چاہیے تو ایسی عقل کو ہمارا سلام ہے جو پھول اور کانٹے میں امتیاز نہیں کرتی۔ جو عام اور خاص میں فرق ضروری نہیں جانتی جو محبوب خدا اور مخلوق میں سے شاہکار خدا کو محبوبِ خدا اور شاہکارِ خدا نہیں مانتی۔ خداوند تعالیٰ نے قید رکھی ہے یہ ضروری نہیں جانتی۔ بغضِ رسالت کی حامل یہ عقل اپنے دامن میں نفرت و حسد کے علاوہ کچھ نہیں رکھتی۔ اللہ پناہ دے اور اپنے محبوب کی صحیح محبت عطا فرمائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہم تو سب نعمتوں پر اظہار تشکر کرتے ہیں۔ لیکن سرکار کی تشریف آوری عرش و فرش کے شہریار، حبیب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد چونکہ خود منفرد و بیمثال ہے اس لئے اس پر خوشی بھی منفرد ہونی چاہیے۔ ہم تخصیص اور اس کی وجہ پہلے ثابت کر چکے ہیں۔

مطالبہ

اچھا جی اگر طرز جلوس کی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو پھر ہم اس کو جائز تسلیم کر لیں گے۔

حاضر ہے

ملاحظہ کیجئے! بخاری شریف غزوۃ الفتح

"حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار آراستہ فوج لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے ہیں قدید میں قبائل کو علیحدہ علیحدہ جھنڈے عطا ہوتے ہیں۔ پڑاؤ مر الظہران ہوتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج الگ الگ جگہ (دس یا بارہ ہزار جگہ۔ مدارج النبوت) آگ روشن کرتی ہے۔ اہل مکہ تجسس حال کے لئے جناب ابوسفیان وغیرہ کو بھیجتے ہیں۔ حفاظتی دستہ انھیں پکڑ کر خدمت اقدس میں پہنچا دیتا ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایمان لے آتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع لشکرِ اسلام مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہونے لگتے ہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ابوسفیان کو لشکرِ اسلام کی تنگ گذرگاہ پر لیجا کر کھڑا کر دو تاکہ افواج الٰہی یعنی مسلمانوں کی قوت کا نظارہ کر سکے (اور رعب و ہیبتِ اسلام اسکے دل میں جاگزیں ہو) اور حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر ایسی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مختلف قبائل دستوں کی صورت میں اپنے اپنے علیحدہ علیحدہ جھنڈوں کے ساتھ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گذرتے ہیں[1] اور خوب خوب عظمتِ اسلام و شوکت بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

دیکھیں اور غور فرمائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی شوکت بلند کرنے کیلئے علیحدہ علیحدہ جھنڈوں کے ساتھ دستوں کی شکل میں ہر قبیلے کو علیحدہ گزرنے کو فرمایا تاکہ ابوسفیان اور دیگر اہل مکہ کے سامنے اسلام اور بانیٔ اسلام کی جلالت شان ظاہر ہو۔

یہاں سے طرز جلوس بھی ثابت ہو گئی اور مقصد جلوس بھی ورنہ ابوسفیان کے سامنے سے یوں اہتمام سے منظم طور پر گذرنے کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اہل سنت وجماعت کا عمل درست ثابت ہو گیا۔

---

[1] بخاری شریف غزوۃ الفتح، مدارج النبوت، تواریخ حبیب الٰہ (مختصراً)۔

دوسرا مطالبہ

یہ تو درست ہے کہ اس محولہ بالا اہتمام و انصرام سے حضورِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد شوکت اسلام ہی تھا اور واقعی یہ ایک جلوس کی ہی شکل تھی لیکن ہم تو چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی واضح دلیل پیش کی جائے جس سے خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی جلوس کا اہتمام ثابت ہو جائے۔

یہ بھی حاضر ہے

بغور دیکھئے! ہم ہجرت کے موقع پر مدینہ منورہ میں رسولِ خدا حبیب کبریا شہنشاہِ دوسرا کے ورودِ مسعود کا ذکر کرتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ نشر الطیب وغیرہ میں ہے کہ

"مدینے کے لوگ بخیال تشریف آوری آپکے ہر روز واسطے استقبال کے صبح کی راہ پر آتے اور قریب دوپہر کے پھر جاتے بروز داخل (مدینہ میں) ہونے آپ کے بھی حسب عادت واسطے استقبال کے آئے تھے اور بسبب ہو جانے دیر کے پھر چلے تھے کہ یکبارگی ایک یہودی نے ایک ٹیلے پر سے آپ کی سواری دیکھی اور چلا کے پھرنے والوں سے کہا:۔

یَا مَعَاشِرَ الْعَرَبِ هٰذَا جَدُّكُمْ (اے گروہ عرب یہ مطلب تمہارا ہے)

وہ لوگ پھرے اور آپ کے ساتھ ہو کے مدینہ میں داخل ہوئے کمال خوشی اہل مدینہ کو حاصل ہوئی۔ لڑکیاں انصار کی گاتی

ے بخاری شریف پ ۱۵ ہجرت مدینہ [illegible] یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مذکور ہے۔

تھیں۔ شعر (دو عدد)

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا[1] مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

"طلوع کیا بدر نے ہم پر ثنیات الوداع سے، واجب ہوا شکر ہم پر جبتک دعا کرے اللہ سے کوئی دعا کرنے والا۔"[1]

"پھر آپ نے اندر شہر مدینہ کے تشریف رکھنے کا ارادہ کیا لوگ شہر کے کمال متمنی اس بات کے تھے اور ہر ایک کی آرزو تھی کہ آپ ہمارے محلہ میں تشریف رکھیں جب آپ سوار ہوئے ہر قبیلے کے لوگ ساتھ ہوئے اور وہی درخواست برزبان تھی آپ نے فرمایا اونٹنی میری مامور ہے جہاں یہ بیٹھ جاوے گی وہیں میں مقیم ہوں گا۔"[2]

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور میں مکہ مکرمہ سے چل کر مدینہ طیبہ پہنچے تو لوگ آپ کے استقبال کے لیے نکلے کچھ پیدل اور کچھ اونٹوں پر سوار تھے، اور خدام وصبیان (بچے) راستوں میں دوڑ رہے تھے اور پکار رہے تھے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَ مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم)

"اللہ اکبر رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء تشریف لائے محمد (خدا و خلق کے نزدیک قابلِ حمد و ثنا، صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے۔"[3]

---

[1] امام جوزی کی 'الوفا'۔ اردو، ص۳۰۲ اور امام سیوطی علیہ الرحمۃ کی 'الخصائص الکبریٰ' اردو، میں واقعہ ہجرت کے تحت بھی یہ اشعار مرقوم ہیں (ج ۱، ص۳۶۵)

[2] تواریخ حبیب الٰہ ص۱۰ مطبوعہ لاہور۔ نشر الطیب ص۱۱۰ مطبوعہ تاج کمپنی۔ ہجرتِ مدینہ ص۱۱۰، علامہ شبلی نعمانی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد [3] تواریخ حبیب الٰہ ص۴۲۔ نشر الطیب ص۱۱۱

[4] 'الوفا'۔ اردو ص۲۹۸

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوشِ مسرت سے پیش قدمی کے لیے دوڑے۔ آپ کے ننھیالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے۔ قبا سے مدینہ تک دورویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں"[1]

کیوں جناب اسے جلوس ہی کہا جاتا ہے؟ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہیں ہر قبیلہ کے لوگ جلوس میں ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عزت و تکریم اور جاہ و وقار کے ساتھ مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا کسی خاص موقع پر اکٹھے ہو کر بازاروں وغیرہ سے گذرنا ہی جلوس کہلاتا ہے۔ اب فرمائیے! سرکار کے جلوس میں کون لوگ ہیں۔ یہ کن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں آمد پر جلوس کی شکل اختیار کی ہے؟

یہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں۔ جلوس بنانے والے صحابہ اور اس سے منع نہ فرمانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جس امر خاص کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہیں اور انکار نہ فرمائیں اسے حدیث تقریری[2] کہتے ہیں تو گویا جلوس مصطفےٰ صلی اللہ

---

[1] ہجرتِ مدینہ ص۱۱ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

[2] فیوض الباری میں ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے کسی نے کوئی کام کیا، یا حضور علیہ السلام نے کسی کام پر اطلاع پائی اور آپ نے انکار نہ فرما کر اس کی توثیق فرما دی اور اس پر سکوت فرمایا۔"
(فیوض الباری پ۱ مقدمہ ص۳۵)

مخالفین کے سکالر ڈاکٹر خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر لکھتے ہیں کہ ــــ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علیہ وسلم کی اصل خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو گئی

غور طلب

بعض الجھے ہوئے اور پریشان لوگ جو یہ کہتے ہیں چھوٹے بڑے کی قید نہیں۔ ہر کسی کے لئے جشن ہونا چاہیے تو بتائیے کیا مکہ شریف سے ہجرت کرنے والوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مدینہ طیبہ تشریف لاتے رہے یا نہیں۔ ضرور تشریف لاتے رہے۔ تو کیا یہ استقبال وغیرہ کے اہتمام اور جلوس کی مذکورہ صورتیں اور اُن کی آمد پر اہل مدینہ کی طرف سے اس قدر خوشیوں کے غلغلے ہوتے رہے یا کہ یہ اہتمام استقبال و جلوس صرف حضور صلی اللہ[1] علیہ وسلم ہی کے لئے کیا گیا؟ ذرا تصور فرمائیں کہ وہ کیسا خوبصورت اور خوش کن منظر ہوگا بلکہ موجودہ زبان میں جشن کا سماں کہیں تو خوب مناسب رہے گا۔

اب دیکھیے اخیار الامت اہل مدینہ نے چھوٹے بڑے کی قید کو ملحوظ خاطر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی احادیث کے ساتھ ساتھ آپ کی تقریری احادیث بھی علم حدیث کا سرمایہ سمجھی گئیں۔ آپ زبانِ مبارک سے تائید فرمادیں، یہ تو ایک طرف رہا، آپکی نظر مبارک پڑجائے اور آپ خاموش رہیں تو اسے بھی آپ کی منظوری سمجھا جائے گا۔"
(آثار الحدیث جلد اوّل ص۲۷، دار المعارف لاہور)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"اگر کسی قول یا فعل پر حضور علیہ السلام خاموشی اختیار فرمائیں اور اس کے کرنے والے کو نہ تو منع فرمائیں، اور نہ اس کے کرنے پر حوصلہ افزائی فرمائیں تو حضور علیہ السلام کی یہ خاموشی اس فعل کے جواز کی دلیل ہے۔"
(کتاب الشفاء جلد دوم اردو ص۲۹، مکتبہ نبویہ لاہور)

[1] دیکھیے بخاری شریف پ۱۵۔ حدیث براء ابن عازب رضی اللہ عنہ: "میں نے اہل مدینہ کو اتنی خوشی مناتے کبھی نہیں دیکھا جتنی خوشی انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ہوئی۔" نواب صدیق حسن بھوپالی بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کو حضرت کی تشریف آوری سے نہایت درجے کی خوشی حاصل ہوئی۔" (الشمامۃ العنبریہ ص۳۷)

رکھا ہے یا نہیں۔ عقیدہ محض دکھاوے کا تو نہیں ہونا چاہیے بلکہ صحیح ہونا چاہیے اور عمل بھی عمل صحابہ رضی اللہ عنہ کے مطابق ہونا چاہیے عمل صحابہ رضی اللہ عنہم اور تائید رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے واضح طور پہ بیان کر دی ہے۔ امید ہے اپنے عقائد ضرور درست کر لئے جائینگے اور یوں مخالفت صحابہ سے بچنے کی صورت بھی بن جائیگی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب بھی نصیب ہو گا اور جب یہ ادب حاصل ہو گا تو محبت پیدا ہو گی ؏

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

اور جب محبت ہو گی تو سرکار کی ہر ادا آپ کی ہر نسبت اور ہر سنت سے محبت ہو گی۔ اور یہ اتباع کاملہ[1] کا سبب بن جائے گی جو "فاتبعونی" کا مصداق بنا کر "یحببکم اللہ" کے شرف سے مشرف کر دے گی اور پھر علامہ اقبال جواب شکوہ میں رب العرش کی طرف سے فرماتے ہیں۔

؎ کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال و جلوس

یہاں ہم انوکھا اور منفرد ثبوت پیش کر رہے ہیں جو امام بخاری کے مقلدین (عمل امام بخاری کو حجت تسلیم کرنے والوں) کے لئے ہمارے استدلال پہ زبردست دلیل ہے۔

---

[1] مخالفین ہی سے مولانا محمد منظور نعمانی رقم طراز ہیں کہ:

"اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لیے ان کی اطاعت لازم ہے بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے" (معارف الحدیث حصہ دوم صفحہ ۲۰۱ مکتبہ رشیدیہ ساہیوال)

"سنہ ۲۵۰ھ میں امام بخاری نے نیشاپور آنے کا پروگرام بنایا اس خبر کو سنتے ہی اہالیان نیشاپور میں فرحت و مسرت کی لہر دوڑ گئی اس زمانہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی نیشاپور کی علمی ریاست کے والی تھے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی نے شہر کے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال کی تلقین کی چنانچہ لوگوں کے ایک انبوہ کثیر نے محمد بن یحییٰ کی قیادت میں شہر سے تین مرحلہ آگے جا کر امام بخاری کا استقبال کیا اور انتہائی تزک و احتشام سے امام بخاری کو شہر میں لے کر آئے[۱]۔ امام مسلم بن حجاج کہتے ہیں، میں نے اس سے پہلے اتنا عظیم الشان استقبال نہ کسی عالم کا دیکھا تھا نہ کسی حاکم کا[۲]۔

پھر امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب تحصیل علوم، بلادِ اسلامی کی رحلت و سیاحت اور مشائخ سے اکتساب فیض سے فارغ ہو کر اپنے وطن مالوف بخارا شریف میں جو آپ کی جائے پیدائش بھی ہے، واپس تشریف لائے تو اہل بخارا نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم اور آپ کا بڑا ادب و احترام کیا۔ بخارا شریف سے تین میل باہر جا کر آپ کا استقبال کیا اور اس تین میل کے پورے راستے میں آپ کے اعزاز و اکرام میں

---

[۱] حضرت سیدنا مجدد الف ثانی اور ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ علیہما الرحمۃ کا عمل بھی ملاحظہ ہو: "تیسری مرتبہ جب آپ (حضرت مجدد الف ثانی) حضرت (خواجہ باقی باللہ علیہما الرحمۃ) کی خدمت میں پہنچے، اور حضرت نے آپ کی آمد کی خبر سنی، تو پا پیادہ آپ کے استقبال کے لیے قلعۂ فیروزی سے، جو حضرت کا مسکن مبارک تھا، کابلی دروازہ تک پہنچے۔ اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو ہمراہ لے گئے ــــــ غرض کہ اس تیسری مرتبہ حضرت خواجہ نے آپ کا احترام و اکرام حد سے زیادہ کیا۔" (حضرات القدس: دوم، اردو ص ۳۴)

[۲] تذکرۃ المحدثین ص ۱۹۰ مطبوعہ لاہور۔ فیوض الباری پ ۱، ص ۳۲۔ اور تقی الدین ندوی مظاہری کی کتاب "محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے" کے صفحہ ۱۴۳ پر بھی ایسی ہی عبارت موجود ہے۔

قبے اور خیمے نصب کئے اور آپ پر درہم و دینار اور زر و جواہر نچھاور کئے گئے" [1]

غور فرمائیں امام بخاری کے لئے جلوس، ان کے علو مرتبت کے اظہار کے لئے اُن کا استقبال اور درہم و دینار کا نچھاور کیا جانا ثابت ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اگر جلوس کو بُرا سمجھتے تو واپس لوٹ جاتے۔ برضا و رغبت جلوس میں نہ چلتے بلکہ راستے میں خیمے لگانے والوں اور دینار نچھاور کرنے والوں کو اسراف کا مرتکب قرار دے کر توبہ کی تلقین کر دیتے۔ جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔ گویا آپ کے نزدیک جلوس بدعت نہیں تھا۔ اگر بدعت ہوتا تو آپ منع فرما دیتے۔ پتہ چلا کہ آجکل جو لوگ اس کو ناجائز اور حرام کہہ رہے ہیں وہ محض تعصب کا شکار ہیں۔

امام بخاری سمیت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر بھی اعتماد نہیں کرتے اور انھیں الجھن بھی یہی ہے ؎

فکر بے نور ترا، جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات

ضروری بات

اور یہ کہنا کہ کیا جلوس کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر ایسا حکم ہوتا تو پھر یا فرض ہوتا یا واجب۔ ہم تو نہ فرض جانیں اور نہ واجب۔ ہم

---

[1] اشعۃ اللمعات اردو جلد اول صفحہ ۳۵، فیوض الباری پ ۱ صفحہ ۳۲ اور تذکرۃ المحدثین میں بھی کچھ ایسے ہی درج ہے: بلکہ سلطان سنجر کے دربارِ شاہی سے اٹھ کر امام صاحب (امام غزالی) شہر (طوس) میں آئے، تمام شہر استقبال کو نکلا اور لوگوں نے جشن عام کرکے امام صاحب پر زر و جواہر نثار کیے" (الغزالی صفحہ ۳۵)

تو مستحب سمجھ کر ثواب کی خاطر تحدیث نعمت کے لئے یہ عمل کرتے ہیں اور اس پر شریعت میں کوئی پابندی نہیں۔

پھر حیرت ہے جو لوگ ووٹوں کے حصول کے لئے جلوس نکال لیتے ہیں اپنے اکابر کے جلوس نکالتے ہیں ان میں سے ہی دور حاضر میں انتخابی مہم کے دوران ایک جماعت معترضین (جماعت اسلامی) نے بمقام لاہور یوم شوکت اسلام کا جلوس نکالا۔ وہی لوگ جلوس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناجائز اور بدعت کہدیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ یہ جلوس محض عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور شوکت اسلام کا مظہر ہوتا ہے۔ بتائیے دور حاضر میں بمقام لاہور "یوم شوکت اسلام" کا جلوس کس نص شرعی سے "سنت" تھا۔ اگر بدعت (سیئہ) ہی تھا تو اس کا ارتکاب کیوں کیا گیا۔ منتظمین جلوس ہذا کس سزا کے مستحق ہیں کیونکہ انکے یہاں تو ہر نئی چیز یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ کیسی دور حاضر کی شریعت ہے کہ حصول اقتدار کیلئے جلوس جائز ہوں۔ ان کے اکابر کے استقبالیہ جلوس جائز ہوں۔ تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹۷۷ء کے سیاسی و غیر سیاسی جلوس جائز ہوں اور یوم شوکت اسلام کا ان کی طرف سے نکالا ہوا جلوس جائز ہو۔ حالانکہ اگر یہ اچھا تھا تو اس کا ترک ضرور ناراضگی رب تعالیٰ کا باعث ہے۔ اس کا ترک ظاہر کرتا ہے کہ یہ جلوس محض حصول اقتدار کے لئے تھا۔ شوکت اسلام کا نام دے دیا گیا ورنہ کیا اب شوکت اسلام کے اظہار کی ضرورت نہیں رہی؟

ہاں تو دیکھئے کہ ان کے نکالے ہوئے سب جلوس جائز لیکن اگر ہم حضور سرکار دو عالم کی خوشی میں جلوس نکالیں اور اسلام اور

ے تحدیث[illegible]

بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار کریں تو ناجائز۔[1] (العیاذ باللہ)

جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت و ناجائز کہنے والی شریعت نے خود اپنی درسگاہ دیوبند کا صد سالہ جشن منایا، اسمیں اندرا گاندھی علیہا ما علیہا جیسی سفاکہ و مشرکہ کو مہمان خصوصی بنایا اور اپنے اسٹیج پر بٹھایا جو اس کی محبت و عقیدت اور تعظیم و تکریم کا منہ بولتا ثبوت ہے[2] کیا کتاب و سنت سے اس قبیح حرکت کا جواز پیش کیا جا سکتا ہے؟ یہ استفسار اس لئے کیا گیا ہے کہ اس خانہ ساز شریعت میں کتاب و سنت پر بظاہر بڑا زور دیا جاتا ہے ورنہ سب جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟

ع کھل گیا ہے جھوٹ ان کا اٹھ گیا ہے اعتبار

---

[1] (یہ لوگ) ربوہ میں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے اور جلوس نکالتے ہیں (رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۵ء صفحہ اول۔

[2] اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (الحدیث)۔ (ریاض الصالحین بحوالہ بخاری و مسلم)
بھارت کی آنجہانی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے تقریبات کا افتتاح کیا (روزنامہ نوائے وقت، مشرق، مورخہ ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء بحوالہ دیوبندی حقائق ص ۲۰۱)
اور بانیٔ دیوبند کے نواسے اور دیوبند کے بزرگ مہتمم قاری محمد طیب صاحب نے اندرا دیوی کو عزت مآب وزیر اعظم ہندوستان کہہ کر خیر مقدم کیا اور اسے بڑی بڑی ہستیوں میں شمار کیا۔ (دیوبندی حقائق ص ۲۰۱)

ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب ایسے نیک کام کو ناجائز کہنے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ خود کتاب و سنت نے اسے پسند فرمایا ہے۔ مُردوں کے لئے استغفار و ایصالِ ثواب سے منع کرنے والوں کا نقطۂ نظر یوں ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ یا تو خداوند تعالیٰ اس ایصالِ ثواب کو پسند نہیں کرتا اور یہ محض بیکار عمل ہے۔

۲۔ یا کوئی بھی ایصالِ ثواب کا اہل نہیں اور کسی فوت شدہ

---

[۱] شارح بخاری فقیہہ و محقق حضرت سید محمود احمد رضوی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

"ایصالِ ثواب جائز و مستحب ہے۔" (دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۹۵)

شرح عقائد سے نقل کرتے ہیں (ترجمہ)

"زندوں کی دعائیں مردے کے لیے اور صدقہ و خیرات کا نفع مُردوں کو پہنچتا ہے اور اس مسئلہ (میں) معتزلہ کا اختلاف ہے۔" (اسلامی تقریبات ص۸۷)

پھر فرماتے ہیں:

"جو لوگ ایصالِ ثواب کے منکر ہیں وہ معتزلی ہیں" (اسلامی تقریبات ص۸۷)

اسی طرح ہدایہ شریف سے منقول ہے:

(ترجمہ) "بیشک انسان اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے خواہ نماز کا ہو یا روزہ کا ہو یا صدقہ و خیرات وغیرہ کا ہو۔ یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔" اور شرح ہدایہ میں علامہ بدرالدین عینی سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ (ثواب العبادات ص۱۱، ۱۲)

کے بھی حق میں استغفار اور ایصال ثواب درست نہیں۔

۲- یا پھر یار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کا اپنا عمل غیر مقبول ہے ایصال کیونکر کیا جائے۔

جبکہ کتاب و سنت کی روشنی میں محولہ بالا نقطۂ نظر باطل محض ہے اور ایصال ثواب نیک، جائز اور ثواب کا کام ہے۔ ہم استفادہ کے لئے کتاب و سنت اور سلف صالحین وغیرہ کی تصریحات پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئں قرآن پاک کی آیات طیبات۔

۱- وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ[1]

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے[2]

۲- وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[3] اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں[4] (فرشتے)

۳- اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ[5] دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے[6]۔

۴- وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ[7] اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا[8]۔

---

[1] پارہ ۲۸ - الحشر ۱۰ [2] کنز الایمان - اسی آیت کے تحت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: "اور اس امر پر بہت سے علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ بے شک دعا میت کو نفع دیتی ہے"۔ (ثواب العبادات ص ۲، بحوالہ شرح الصدور ص ۱۲۷)

[3] پ ۲۴ المومن ۷ [4] کنز الایمان

[5] پ ۲ البقرہ ۱۸۶ [6] "

[7] پ ۲۴ المومن ۶۰ [8] "

دیکھیں ایمان والے لوگ اپنے پہلے بھائیوں کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں بلکہ رب تعالیٰ کے مقرب فرشتے مومنین کے حق میں مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوتا تو اہل ایمان اور مقرب فرشتے یہ کام نہ کرتے اور نہ ہی قرآن اسے اچھی بات قرار دیتا۔ اگر کوئی بھی اس کا مستحق نہ ہوتا تو بھی کسی کے لئے محولہ بالا دعائے مغفرت ثابت نہ ہوتی اور رب تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ دعا کرتے رہو میں قبول کرنے والا ہوں۔

۵۔ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ[1]

اور جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہیں۔[2]

حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ اپنے تفسیری حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔

"کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں صدقہ لائیں تو حضور ان کیلئے خیر و برکت و مغفرت کی دعا فرمائیں۔ یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ مسئلہ یہی فاتحہ کی اصل ہے کہ صدقہ کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ لہٰذا فاتحہ کو بدعت و ناروا بتانا قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔"

اب ملاحظہ کیجئے احادیث مبارکہ :۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نیک بندے کے جنت میں درجے بلند فرماتا ہے تو وہ بندہ عرض کرتا ہے الٰہی مجھے بلندی درجہ کہاں سے

---

[1] پ ۱۱ التوبہ ۹۹

[2] کنز الایمان

ملی رب فرماتا ہے تیرے بچے کی تیرے لئے دعائے مغفرت سے[1]

۲۔ میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہی ہوتی ہے کہ ماں باپ بھائی یا دوست کی دعائے خیر کے پہنچنے کی منتظر رہتی ہے پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں سے پیاری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے۔ اور یقیناً زندہ کا مُردوں کے لئے تحفہ ان کے لئے دعائے مغفرت ہے[2]

معلوم ہوا نیک کے حق میں دعائے مغفرت کرنے سے اس کے درجے بلند ہوتے ہیں اور گنہگار کے لئے دعائے بخشش سے اُسے عذاب وغیرہ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ حدیث شریف کے مطابق یہ کام بہت اچھا ہے اسی لئے اس کا نام ہدیہ اور تحفہ ہے۔

چنانچہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی۔ میری والدہ "ام سعد" وفات پا گئی ہیں تو کون صدقہ افضل ہے (جو ماں کے لئے کروں) فرمایا پانی تو حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور کہا یہ (کنواں) سعد کی ماں کے لئے ہے" وَقَالَ ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ[3]

---

[1] مشکوٰۃ باب الاستغفار [2] مشکوٰۃ باب الاستغفار، شرح الصدور از امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۷ میں حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو مندرج فرمایا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انسان مرنے کے بعد جو کچھ چھوڑ کر مرتا ہے ان میں سے بہترین چیزیں تین ہیں: اول نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرے، دوم صدقہ جاریہ کہ اس کا اجر اسے پہنچتا رہے اور سوم وہ علم جس پر لوگ اس کے بعد عمل کریں۔ (ابن ماجہ مترجم جلد اول ص ۱)

[3] مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ، شرح الصدور، مدارج النبوت دوم اردو ص ۳۱۹ علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری)

اس حدیث مبارک سے مندرجہ ذیل امور خوب وضاحت سے ثابت ہو رہے ہیں :۔

۱۔ میت کو نیک اعمال خصوصاً مالی صدقہ کا ثواب بخشنا سنت ہے۔

۲۔ اگر ضرورت ہو تو پانی کی خیرات افضل ہے اور آجکل سبیلِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایسی سبیلیں اسی طریق سے ہیں۔

۳۔ ثواب بخشتے وقت ایصال ثواب کے الفاظ زبان سے ادا کرنا سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے مثلاً "ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ"۔

۴۔ کسی چیز پر میت کا نام آجانے سے وہ چیز حرام نہیں ہو گی اور ایسی چیز کی حرمت کا فتویٰ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے لہٰذا یہ کہنا کہ "غیر اللہ کا نام آجانے سے چیز حرام ہو جاتی ہے" قول باطل ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ کے الفاظ میں غیر اللہ کا نام "ام سعد" موجود ہے۔ یہ صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت اور تصدیقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غالب۔

۵۔ خیرات کرنے سے قبل ہی ایصال ثواب کرنا جائز ہوا جیسے یہاں کنوئیں کا پانی بعد میں پیا جاتا تھا۔

پس زندہ کی نیکی مردہ کے بہت کام آتی ہے۔ درجے بلند ہوتے ہیں اور مشکل ہو تو آسان ہو جاتی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شرح الصدور از امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔ بلکہ بعض اوقات تو مردہ کی نیکی زندہ کے کام بھی آجاتی ہے۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے دو یتیم بچوں کی دیوار درست کرنے کا سبب ان کے باپ کا نیک ہونا قرار دیا۔ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ (پ ۱۶ - الکہف ۸۲)

اب میت دفن کرنے کے بعد قبر پر قرآن خوانی[1] کے بارہ میں روایات ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ

---

[1] حضرت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن میں ہو تو میت کے ورثا اس کی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے
مشکوٰۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اَتَاهُ مَلَكَانِ - اور وہ لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں، تب منکر نکیر فرشتے سوالات کیلئے آتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوالِ قبر نہیں ہوتا
پھر شامی جلد اوّل باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال نہیں ہوتا ـــــ
ان میں ایک جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات مرنے والا ہے۔
معلوم ہوا، جو جمعہ کو مرے اس سے سوالِ قبر نہیں ہوتے، تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے ہی آدمی وہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا اور جب جمعہ آگیا سوالِ قبر کا وقت نکل چکا، اب قیامت تک نہیں ہوگا۔ گویا یہ عذاب الٰہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرما دے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا کیا کرے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرے جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور قاری کو بھی۔
کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول بعد الدفن میں ہے:

قَالَ الشَّافِعِيُّ يُسْتَحَبُّ اَنْ يَّقْرَءُوْا عِنْدَهٗ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا فَاِنْ خَتَمُوا الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ كَانَ حَسَنًا۔	"امام شافعی نے فرمایا" قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے اور اگر پورا قرآن ختم کریں تو بھی اچھا ہے۔ (جاء الحق۔ اوّل ص ۲۹۲)

"جب کوئی مر جائے تو اسے روک نہ رکھو اس کی قبر تک جلدی پہنچاؤ۔ اس کے سر کے پاس سورہ بقرہ کا شروع اور پیروں کے پاس بقرہ کا آخری رکوع پڑھو"[۱]

امام سیوطی نے نقل فرمایا کہ جب انصار کا کوئی مر جاتا تو وہ اس کی قبر پر آتے جاتے اور قرآن پڑھتے"[۲]

سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔ فرماتے ہیں کہ "گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص اور اس کے علاوہ قرآنِ پاک پڑھے اور صاحب قبر کو اس کا ثواب پہنچائے"[۳]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی مولانا حسین برکی کے جواب میں فرماتے ہیں۔

" اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ کلام اللہ کا ختم کرنا اور نفل نماز پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب والدین کو یا استاد کو یا بھائیوں کو بخش دینا بہتر ہے یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے۔ جان لینا چاہیے کہ ثواب بخش دینا بہتر ہے کہ اس میں دوسروں کا بھی نفع ہے اور اپنا بھی فائدہ ہے اور نہ بخشنے میں صرف اپنا ہی فائدہ ہے اور یہ بھی ہے کہ شاید دوسرے کی طفیل اس کے عمل کو قبول کر لیں"[۴]

زبدۃ المقامات میں آپ کا اپنا عمل یوں منقول ہے کہ

"زیارتِ قبور کے معاملہ میں آپ (یعنی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ) اکثر اس میں قرآن پاک پڑھتے تھے کہ صاحبین (امام یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم) کے مذہب کے مطابق جائز ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے"[۵]

---

[۱] شرح الصدور ص۱۰۷ بحوالہ طبرانی و بیہقی، مشکوٰۃ باب دفن المیت۔ [۲] شرح الصدور ص۲۹۳

[۳] غنیۃ الطالبین۔ اردو ص۱۸۷ فرید بکسٹال لاہور۔ [۴] دفتر دوم حصہ ہشتم مکتوب نمبر ۲۰

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے بھی ان بزرگوں کو تلاوتِ قرآن کا ثواب بخشنے کا ذکر فرمایا ہے۔ (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ مترجم ص۱۱۹)

[۵] زبدۃ المقامات اردو ص۲۷۹

تعزیت کے متعلق مرزا علی کو لکھا:

"آپ کی ولی نعمت مرحومہ کا وجود اس زمانے میں بس غنیمت تھا۔ اب تم پر لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا و صدقہ کے ذریعے ہر آن (انکی) مدد کرتے رہو۔"[۱]

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"یاروں اور دوستوں کو کہہ دیں کہ ستر ہزار مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مرحومی خواجہ محمد صادق کی روحانیت کیلئے اور ستر ہزار بار ان کی ہمشیرہ مرحومہ ام کلثوم کی روحانیت کے لیے پڑھیں اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب دوسرے کی روح کو بخشیں۔ دوستوں سے فاتحہ اور دعا کے لیے التماس ہے۔"[۲]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ القوی ایصال ثواب کے جواز کی تائید میں فرماتے ہیں کہ یہ ایک مسلم امر ہے کہ زندوں کی دعاؤں اور صدقہ سے مردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر احادیث اور آثار پائے جاتے ہیں۔ "نماز جنازہ اسی قبیل سے ہے" یا فرمایا نماز جنازہ اسی قسم کی دعا ہے[۳]

مولانا قاسم نانوتوی کہتے ہیں کہ

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کلمہ پڑھنے کا ثواب اپنے مرید کی ماں کو ایصال کیا کہ اس ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے الخ[۴]

اور ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے حضرت محی الدین ابن عربی سے بھی منقول ہے[۵]

---

[۱] مکتوبات دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۸۹
[۲] مکتوبات شریف بحوالہ ثواب العبادات صہ ۱۹
[۳] تکمیل الایمان
[۴] تحذیر الناس صہ ۲۰
[۵] تصحیح العقائد صہ ۱۲۹

مولانا اسماعیل دہلوی کہتے ہیں (ترجمہ)

تجنیس میں ہے اگر نماز پڑھی روزہ رکھا یا کچھ دیا یا قربات (نیک کاموں) میں سے کوئی کام کیا تاکہ اس کا ثواب میت کو پہنچے، جائز ہے اور ثواب پہنچے گا۔ ایصالِ ثواب میں نیت اور عمل کا اعتبار کیا جائیگا۔[1]

ایک مقام پر کہتے ہیں:

(ترجمہ) "کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مُردوں کو طعام اور فاتحہ خوانی کے ساتھ نفع پہنچانا خوب نہیں ہے، کیونکہ یہ بات بہتر اور افضل ہے"۔[2]

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی" لاہور میں سلاطین کی قبروں پر گئے اور مساکین کی قبروں پر بھی فاتحہ پڑھی ایصال ثواب کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچکر دیر تک مراقب رہے"۔[3]

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ[4]

"نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں کھانا سامنے[5] رکھ کر آیات قرآن پاک تلاوت کرنے یا دعائے خیر و

---

[1] مولانا اسمٰعیل اور تقویۃ الایمان صہ ۱۱۲ [2] صراط مستقیم صہ ۶۴ بحوالہ ثواب العبادات صہ ۲۵

[3] عالم برزخ از قاری طیب [4] فیصلہ ہفت مسئلہ

[5] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایام عاشورہ میں آئمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے ایک سے زیادہ بار یہ اشارات ملے کہ ان (بزرگوں) کی فاتحہ کے لیے کچھ اہتمام کرنا چاہیئے۔ اس لیے ایک دن کچھ شیرینی منگالی گئی اور قرآن کریم کا ختم کرکے فاتحہ پڑھی گئی تو ان حضرات کی طرف سے خوشی کی کیفیت نظر آئی"۔

(انفاس العارفین اردو صہ ۱۸۶)، (القول الجلی کی بازیافت صہ ۲۹ بحوالہ القول الجلی)

پھر یہی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے معتقدین کے لیے (منکرین اور مخالفین کے لیے نہیں) حاجت روی کے لیے ایک طریقہ تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تین سو ساٹھ بار الم نشرح پڑھے پھر تین سو ساٹھ دفعہ

(بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر)

برکت کرنے کے ثبوت کے لئے مشکوٰۃ شریف کی احادیث مبارکہ ملاحظہ

(بقیہ حصہ صفحہ گزشتہ) یہی دعا مذکورہ (اصل کتاب میں دیکھیئے) پڑھے۔ پھر دس دفعہ درود شریف پڑھے اور ختم تمام کرے اور تھوڑی شیرینی پر فاتحہ عام خواجگان چشت کے نام سے پڑھے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے عرض کرے۔ انشاء اللہ چند یوم میں فائدہ ہوگا۔" (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ مترجم صـ۱۰۰، اسے علامہ عبدالحامد بدایونی نے بھی تصحیح العقائد صـ۱۲۴ میں نقل فرمایا ہے)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

(ترجمہ) وہ کھانا جس کا ثواب حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں بطور نیاز و ہدیہ پیش کرتے ہیں اور اس کھانے پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھ لیتے ہیں وہ تبرک بن جاتا ہے؛ جس کا کھانا بہت ہی اچھا ہے۔

(فتاویٰ عزیزی صـ۷۱ بحوالہ ماہ طیبہ ۹۲ مو تصحیح العقائد صـ۱۲۴)

سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی فرماتے ہیں:

"چند سال پہلے فقیر کی عادت یہ تھی کہ اگر (ایصال ثواب کے لیے) کھانا پکاتا تھا تو آلِ عبا کی روحانیت مطہرہ کے لیے مخصوص کرتا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ (ایصالِ ثواب میں) حضرت امیر حضرت فاطمہ اور حضرات امامین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ملاتا تھا ———— ایک رات (یہ فقیر) خواب میں دیکھتا ہے کہ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ فقیر آپ کو سلام کرتا ہے، آپ فقیر کی طرف توجہ نہیں کرتے اور چہرہ مبارک فقیر کی جانب کی بجائے دوسری طرف رکھتے ہیں۔ اسی دوران فقیر سے فرمایا:۔ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں۔ جو شخص مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر بھیجے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ توجہ شریف مبذول نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت صدیقہ کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت صدیقہ بلکہ آپ کی باقی ازواج مطہرات کو تمام اہل بیت کے ساتھ شریک کرتا اور تمام اہل بیت سے توسل کرتا ہے۔" (مکتوبات دفتر دوم حصہ اول اردو مکتوب ۳۶)

معلوم ہوا حضرت سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک بندگانِ دین کو ایصالِ ثواب کرنا جسے فاتحہ دلانا کہا جاتا ہے، جائز ہے بدعت نہیں کیونکہ آپ بدعت مٹانے والے اور سنت کو رواج دینے والے ہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی شامل کرنے کا حکم فرمایا اور خود ایصال ثواب کا طریقہ بتایا۔ ۵ مشکوٰۃ باب فی المعجزات

کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آٹا پیش کیا جاتا ہے آپ لعاب دہن ڈالتے ہیں اور دعائے خیر و برکت فرماتے ہیں۔

۲۔ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جب دستر خوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی۔

۳۔ حضرت ام سلیم کے ہاں تھوڑی روٹیوں اور سالن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پڑھا جس کا پڑھنا اللہ نے چاہا

دیگر قرآن پاک مومنین کے لئے شفاء اور رحمت ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ[1]

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے[2]۔

اب قرآن پاک کی تلاوت یا دعائے خیر و برکت سے کھانا کیسے درست نہ رہے گا۔ تلاوت قرآن پاک کیوں نے فائدہ ہو گی جبکہ یہ شفاء اور رحمت ہے۔

البتہ بقیہ آیۃ کریمہ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا کے مطابق یہ ظالموں اور حد سے بڑھنے والوں کے لیے خسارا ہے۔

اور یہ مومنین کے لیے کس قدر شفا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ تاج الدین قلعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے، آپ بھی سنیئے کہ

---

[1] بنی اسرائیل ۸۲ پ ۱۵ [2] کنز الایمان

ایک مرتبہ میں سخت بیمار ہوگیا اور بیماری لمبی ہوگئی۔ ضعف وکمزوری نے ملنے جلنے کے قابل نہ چھوڑا۔ اس حالت میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا گویا کوئی شخص آیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس مرض کی شفا کے لیے ایک مرغی پکائی جائے اور اس پر تمام قرآن پڑھا جائے اور یہ بیمار اسے کھائے تو شفا پائے گا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ خواب کے حکم کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ آئندہ رات جب میں سویا تو گویا امام محمد بخاری ہمارے گھر تشریف لائے ہیں، اپنے دستِ مبارک سے ایک دیگ رکھی اور اس کے نیچے آگ جلائی اور صبح سے شام تک اس میں مرغی پکائی، میرے سامنے لا رکھی اور فرمایا ہم نے اس مطبوخ پر تمام قرآن پڑھا ہے اسے کھالو۔ میں نے اسے کھایا تو تندرست ہوگیا اور مجھ میں بیماری کا اثر نہ تھا۔ میں صحیح وتندرست اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے ازالۂ مرض سے زیادہ اس بات کی خوشی ہوئی کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر اس درجہ لطف وعنایت فرمائی۔"[1]

تقرر یوم

اب تقرر یوم کے بارہ میں احادیث ملاحظہ کرلیں

۱۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدل اور سوار دونوں طرح ہر ہفتہ کو مسجد قبا تشریف لے جایا کرتے تھے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ خود بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔[2]

---

[1] انفاس العارفین۔اردو صفحہ ۲۹۵-۲۹۴ نوری بکڈپو لاہور۔ [2] بخاری شریف پ ۵ باب مَنْ اتیٰ مسجد قبا کُلّ سبتٍ۔ حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہفتہ کے دن وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ کسی دن کو نیک کام کے لیے مقرر کرلینا جائز ہے بدعت نہیں۔ (فیوض الباری پ ۵ ص ۲۵) دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں

(بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر)

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ و نصیحت کے لئے کچھ دن مقرر کئے ہوئے تھے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں [۱]

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں میں وعظ کرتے ان میں سے ایک شخص نے کہا ابو عبد الرحمٰن میری خواہش ہے کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ کیا کریں۔ فرمایا روزانہ وعظ میں یہ امر مانع ہے کہیں تم اکتا نہ جاؤ اور میں نے تو تمہاری نصیحت کے لئے اسی طرح مقرر کیا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وعظ کے لئے وقت مقرر کیا ہوا تھا کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں [۲]

معلوم ہو گیا کسی نیک کام کے لئے دن کا تقرر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے لوگوں کی جس

(بقیہ صفحہ گذشتہ)
"اس میں کیا برائی ہے کہ اگر ہر روز ذکر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نہیں کر سکتے تو ہر ہفتے یا ہر ماہ میں التزام اس کا کر لیں"۔ (الشمامۃ العنبریہ ص ۹)

[۱] بخاری شریف پ ۱ کتاب العلم۔ [۲] بخاری شریف پ ۱ کتاب العلم، مشکوٰۃ کتاب العلم۔

علامہ عبد السمیع رامپوری فرماتے ہیں: "یہ حدیث اصل عظیم ہے ارباب تفقہ فی الدین کے لیے اگر کوئی دن کسی امر خیر کے لیے بباعث بعض مصلحت معین کیا جائے تو جائز ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث سے تعین ایام کی سند پکڑی ہے"۔ (انوار ساطعہ ص ۹۳)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے منقول ہے فرماتے ہیں: "عرس کے لیے دن اس لیے معین کیا جاتا ہے کہ وہ دن یادگار ہوتا ہے کہ اس دن انہوں نے دنیا سے دار ثواب کی طرف انتقال فرمایا ہے ورنہ جس دن بھی یہ عمل کیا جائیگا باعث فلاح اور سبب نجات ہوگا"۔

(فتاویٰ عزیزی ص ۵۹ بحوالہ ماہ طیبہ جنوری ۹۳ء)

سہولت کیخاطر جس طرح وقت مقرر کیا ہوا تھا اسی سہولت کے لئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دن کا مقرر کرنا ضروری جانا تاکہ لوگ اکٹھا ہوتے رہنے سے اکتا نہ جائیں۔

یہاں تو تعین یوم بھی سنت ثابت ہو رہا ہے۔ اور لوگوں کی سہولت کی خاطر تعین یوم کو ضروری جاننا بھی۔ پس ایسا تعین یوم سنت ہے اسے بدعت کہنا کم فہمی، تعصب، زیادتی، سنت کی مخالفت اور رفع سنت کے باعث خود بدعت ضلالت ہے۔

اب اگر کوئی یوں کہدے کہ "تقرر کرنا تیسرے دن کا خود بدعت ہے اس کی کچھ اصل شرع میں نہیں"[1] اور اُسے مندرجہ بالا احادیث پاک میں تقرر یوم کی اصل نظر نہ آئے تو ہمارا قصور کیا ہے۔ پھر یہی صاحب بوقتِ مصیبت ختم بخاری کے جواز کے لئے اگر ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہونے کی اصل شرع میں دیکھ لیں تو کیا یہ ایک لطیفہ نہیں؟

ہم نے مانا کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے لیکن اس ذکر خیر کے لئے ختم بخاری کو کیوں خاص کیا گیا ہے۔ خود ہی تو فرماتے ہیں کہ:-

"کوئی تخصیص اپنی رائے سے کرنا بدعت ضلالہ ہے"[2]

اب فرمائیے یہ تخصیص اپنی طرف سے ہے یا خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۶ [2] فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۹ یوں رائے ونڈی تبلیغی جماعت کا سہ روزہ اور چلہ یعنی سارا نظام ہی بدعت ہو گیا ضیا

ختم قرآن پاک بھی ذکر خیر ہے ۔ وظیفۂ درود شریف بھی ذکر خیر ہے ۔ کلمہ طیبہ کا
پڑھنا بھی ذکر خیر ہے اور بخاری شریف کا ختم بھی ذکر خیر ہے ۔ ان تمام اذکار خیر میں سے
" ختم بخاری شریف " کی تخصیص معنی خیز ہے ۔ عجیب منطق ہے جو
عمل خود اپنائیں اس کی اصل شرع سے ثابت ہو جائے اور وہ
بھی خود کو پیش آمدہ مشکل و مصیبت سے نجات کے لئے لیکن مُردوں
کے لئے ایصال ثواب کی خاطر تقرر یوم بے اصل اور ناجائز ہی رہے ۔
تو یہ ۔ حالانکہ تقرر یوم کی اصل تو کجا خود تقرر یوم سنت
ثابت ہو چکا ہے ۔

اگر تقرر یوم کے عدم جواز کو مقید کیا جائے تو یہ قید کسی دلیل
شرعی سے ہی ثابت ہونی چاہیے کیونکہ
" کوئی تخصیص اپنی رائے سے کرنا بدعت ضلالہ ہے "[1]
اور الحمد للہ آج تک تقرر سوئم وغیرہ پر دلیل شرعی سے
ممانعت[2] ثابت نہیں ہو سکی ۔ جب ممانعت نہیں تو ناجائز کیوں ؟

فتاویٰ رشیدیہ کا دلچسپ فتویٰ

سوال .

جو حدیثوں میں وارد ہے کہ میت کے واسطے پچھتر ہزار مرتبہ
کلمہ طیبہ پڑھا جاوے وہ جنتی ہے پس اگر دو سہ روز پڑھتے

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۹ [2] مفتی جنگ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ایک سوال کے جواب میں
فرماتے ہیں : سوال : شرعی نقطۂ نظر سے قبر پر کتبہ لگانا درست ہے یا نہیں ؟
جواب : چونکہ قرآن و سنت میں اس سے منع نہیں کیا گیا، اس لیے جائز ہے ۔ (جمعہ میگزین جنگ راولپنڈی ۲۳ مارچ ۱۹۸۹ء)

ہیں تو دوجا اور تیسرے دن تیجا۔ علیٰ ہذا چوتھا وغیرہ اور اسی کو (آپ) علماء بدعت کہتے ہیں۔ تو اب کس طور سے میت کو ثواب پہنچایا جائے اور میت کے مکان پر یا میت کے قریب کی مسجد میں بیٹھ کر قرآن مجید یا کلمہ طیبہ کسی دن مقررہ پر پڑھیں یا نہیں۔

جواب

جس وقت میت کے مکان پر جمع ہوتے ہیں اس کی تجہیز و تکفین کے واسطے وہاں جو لوگ کاروبار میں مشغول ہیں وہ اپنے کام میں (مشغول) رہیں اور باقی کلمہ پڑھتے جاویں جسقدر ہو جاوے اور باقی کو اپنے گھر پڑھ دیویں۔ کوئی حاجت اجتماع کی بھی نہیں حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا یا جمع ہو کر پڑھنا تو ذکر نہیں ہوا۔ پڑھنا فرمایا ہے جسطرح ہو کر دیویں[1]

اس فتویٰ سے چند باتیں معلوم ہوئیں

۱۔ جس میت کو پچہتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ثواب پہنچایا جائے حدیث پاک کے مطابق وہ میت جنتی ہے۔

۲۔ حدیث پاک میں اس قدر کلمہ طیبہ پڑھنا فرمایا ہے بصورت جلسہ یا علیحدہ علیحدہ پڑھنا ذکر نہیں ہوا۔

۳۔ جس طرح ہو کر دیویں کہ اس میں میت کا فائدہ ہے۔

۴۔ مولانا گنگوہی صاحب کا بیان کہ "پڑھنا فرمایا ہے" سے

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۲

ہیں تو دوجا اور تیسرے دن تیجا۔ علیٰ ہذا چوتھا وغیرہ اور اسی کو (آپ) علماء بدعت کہتے ہیں۔ تو اب کس طور سے میت کو ثواب پہنچایا جائے اور میت کے مکان پر یا میت کے قریب کی مسجد میں بیٹھ کر قرآن مجید یا کلمہ طیبہ کسی دن مقررہ پر پڑھیں یا نہیں۔

جواب

جس وقت میت کے مکان پر جمع ہوتے ہیں اس کی تجہیز و تکفین کے واسطے وہاں جو لوگ کاروبار میں مشغول ہیں وہ اپنے کام میں (مشغول) رہیں اور باقی کلمہ پڑھتے جاویں جسقدر ہو جاوے اور باقی کو اپنے گھر پڑھ دیویں۔ کوئی حاجت اجتماع کی بھی نہیں حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا یا جمع ہو کر پڑھنا تو ذکر نہیں ہوا۔ پڑھنا فرمایا ہے جسطرح ہو کر دیویں[1]

اس فتویٰ سے چند باتیں معلوم ہوئیں

۱۔ جس میت کو پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ثواب پہنچایا جائے حدیث پاک کے مطابق وہ میت جنتی ہے۔

۲۔ حدیث پاک میں اس قدر کلمہ طیبہ پڑھنا فرمایا ہے بصورت جلسہ یا علیحدہ علیحدہ پڑھنا ذکر نہیں ہوا۔

۳۔ جس طرح ہو کر دیویں کہ اس میں میت کا فائدہ ہے۔

۴۔ مولانا گنگوہی صاحب کا بیان کہ "پڑھنا فرمایا ہے" سے

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۴

پتہ چلتا ہے کہ جو طریقہ گنگوہی صاحب نے بتایا ہے وہ ان کی اپنی رائے ہے حدیث کا مضمون نہیں۔
۵۔ حدیث پاک میں صرف پڑھنا فرمایا ہے پس علیحدہ علیحدہ پڑھا جائے یا بصورت جلسہ دونوں طرح درست ہے۔ اپنی رائے سے ایک کو درست کہنا اور دوسری کو ناجائز، مطلق کو مقید کرنا ہے۔ اگر حدیث پاک کوئی ایک صورت خاص کر دیتی تو علاوہ ازیں فائدہ نہ ہوتا بلکہ کسی دوسری صورت کا اختیار کرنا گناہ بھی قرار پاتا اور یوں کہنا درست نہ رہتا کہ "جس طرح ہو کر دیویں"۔
لہٰذا اب دونوں صورتیں جائز ہیں اور ہر صورت میں میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ دیگر جب حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے میت کے مفاد میں "کلمہ طیبہ کا پڑھا جانا" مطلق رکھا ہے تو کسی اور کو کیا اختیار ہے کہ اسے مقید کر دے اور میت کے نقصان کے ساتھ ساتھ منشائے حدیث کی مخالفت بھی کر دے۔ یاد رہے کہ منشائے حدیث کی مخالفت کے بدعت ضلالہ ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں پس مطلق کو مقید کرنا درست نہیں۔ خود صاحب فتاویٰ رشیدیہ کہتے ہیں کہ:
"جس امر کو شریعت نے مطلق فرمایا ہے اپنی عقل سے اس میں قید لگانا حرام ہے"۔[1]
۶۔ حدیث شریف کی رو سے صاحب فتاویٰ رشیدیہ جناب

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۵۱

گنگوہی صاحب سے تعین سوم وغیرہ کا رد نہیں ہو سکا۔ اس لئے
وہ لفظوں میں یوں ڈگری دے دی کہ "جس طرح ہو کر دیویں" گویا سوم کا
انکار حق نہیں، ضد اور تعصب ہے۔ [1]

حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تیجہ (سوم) کے منع کرنے والے
اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل شرعی نہیں رکھتے، اور ان کا اپنا قول شرع میں معتبر
نہیں۔ ذکر، تلاوت اور صدقہ امور خیر ہیں، اور یہی تیجہ میں ہوتا ہے اور یہی اس
کی حقیقت ہے؛ اور اموات کو نیکیوں کا ثواب پہنچانا اور اس سے ان کا نفع
پانا دلائل شرعیہ سے ثابت ہے ——— تیسرے دن کا تعین محض آسانی
کے لیے ہے کہ وہ تعزیت کا سب سے پچھلا (آخری) دن ہے جس کے بعد بغیر حاجت
لوگوں کو تعزیت مکروہ ہو جائے گی۔ اس دن سب لوگ تعزیت کے لیے پہنچ
جاتے ہیں اور بآسانی بغیر دعوت و طلب کے اجتماع ہو جاتا ہے۔ ایسا تعین شریعت
میں ممنوع نہیں۔ [2]

---

[1] حضرت علامہ عبد الحامد بدایونی قادری ملا علی قاری سے ایک حدیث شریف نقل فرماتے ہیں۔ ترجمہ
"حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ (ابن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کا تیسرا دن
تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور کے پاس خشک کھجور اور دودھ لائے جس میں جو کی روٹی
تھی۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سورۂ
فاتحہ و سورۂ اخلاص تین بار پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر منہ پر پھیرے اور حکم دیا کہ
تقسیم کرو۔" تصحیح العقیدہ

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کا سوم ہوا۔ حضرت
شاہ عبد العزیز سے منقول ہے "آپ بھی وہاں تشریف لے گئے"۔ ترجمہ "تیسرے دن ... کا مجمع
اتنا تھا جو حساب سے باہر ہے۔ اکیاسی ختم کلام اللہ تو شمار میں آئے۔ اور ... زیادہ
ہوئے ہوں گے اور کلمہ طیبہ کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔" ملفوظات شاہ عبد العزیز ...
[illegible]

[2] [illegible]

دیگر جب منکرین سوئم کے امام گنگوہی صاحب نے کہہ دیا ہے کہ جس طرح ہو کر دیویں تو ادارہ اسلامیات لاہور اور اس کے ماہر القادری وغیرہ کے لئے کم از کم اپنے امام کی مخالفت تو مناسب نہیں۔ جب امام جائز کہہ چکا ہے تو ان کا یہ کہنا کہ "تیجا دسواں اور چالیسواں بھی بدعت ہے"[1] کیا معنی رکھتا ہے اور اس میں کیا وزن ہے؟ انہیں اگر شریعت مطہرہ کی مخالفت کی پرواہ نہیں، نہ سہی، اپنے امام کے مذہب سے کیوں رُوگردانی کرتے ہیں؟

دیگر جب تیجا، دسواں اور چالیسواں وغیرہ درست ہیں تو گیارہویں شریف بھی درست ہوئی۔

ہم اہل سنت وجماعت کا عمل دونوں صورتوں پر ہے۔ ہم ایصال ثواب کے لئے بصورت جلسہ زیادہ سے زیادہ اکٹھے ہو کر (مقررہ دنوں میں) اور علیحدہ علیحدہ بھی جیسے موقع ملے اس کار خیر میں حصہ لے لیا کرتے ہیں۔ کسی ایک صورت کو ضروری قرار دے کر دوسری شکل کا انکار ہم سنیوں کا شیوہ نہیں۔ ہم تو ہر صورت سے فائدہ اٹھاتے اور فائدہ پہنچاتے ہیں۔

تعینِ یوم کا فائدہ

احادیث سے معلوم ہوا کہ تقرر یوم سہولت کے لئے ہوتا ہے۔ تاکہ مصروف کار لوگ آسانی سے وقت نکال کر نیک کام میں شمولیت کر سکیں۔ اسی لئے اہم ترین تقریبات کے لئے تعین یوم کے ساتھ ساتھ

---

[1] بدعت کیا ہے صفحہ ۶۴

اوقات انعقاد بھی مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً
۱۔ عام دینی جلسوں یا دیگر پروگراموں کی تواریخ معہ ایام و اوقات مقرر کر کے مشتہر کر دی جاتی ہیں۔
۲۔ "نماز جنازہ" کے لئے دن "آج یا صبح" اور وقت مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکروں پر اعلان کے ذریعے مقرر کر دیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ دیگر باتوں کو چھوڑیئے یہ فرمایئے کہ نماز جنازہ کے لئے وقت مقرر کرنا فرض ہے یا فرض سمجھ کر یہ تقرر کیا جاتا ہے؟ نہیں ایسی بات نہیں یہ تقرر تو شرکت کرنے والے لوگوں کی سہولت کے لئے ہوتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ نماز جنازہ میں شامل ہو سکیں اور میت کو فائدہ ہو۔

جب اس تقرر سے نماز جنازہ "فرض علی الکفایہ" درست رہتی ہے تو ایصال ثواب کے لئے تقرر سوئم کیوں ناجائز ہو گیا۔ خود نماز جنازہ بھی تو ایصال ثواب ہی کے قبیل سے ہے۔ اگر "تقرر" ایسا ہی ناجائز امر ہے تو یہ تقرر ہر کہیں ناجائز ہونا چاہیے۔ جب نماز جنازہ کے لئے تقرر درست ہے تو عام ایصال ثواب کے لئے بھی تقرر درست ہی ہو گا۔ دیگر ہمیشگی اختیار کرنا اور بات ہے اور فرض و واجب سمجھنا اور بات۔ تقرر سوئم میں ہمیشگی اعلان کے تکلف سے بچاتی ہے۔ فرض و واجب ہرگز نہیں۔

لہ مولانا اشرف علی تھانوی اپنے لیے قاعدہ گھڑتے ہیں:۔ "مناجات مقبول میں جو منزلیں ہیں۔ یہ روزانہ کی سہولت کے لیے ہے۔ ایسی تعین میں بدعت کی کیا بات ہے جس پہ کھٹک ہو۔ یہ تو سہولت کے لیے ایسا کیا گیا ہے"۔ (الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص۱۹۲)
(تو کیا مخالفین ایسی سہولت ہمارے لیے جائز نہیں سمجھتے۔ ضیاء)

لیکن اَب کیا کیا جائے گنگوہی صاحب کے تعصب اور بُغض کا۔ وُہ کہتے ہیں کہ
"مجلس مولود و ایصالِ ثواب اور عرس بزرگانِ دین کے بارہ میں اہم لوگوں کو عادت
عوام سے محقق ہو گیا ہے کہ یہ لوگ ضروری اور سنّت جانتے ہیں لہٰذا ہم بدعت کہتے ہیں"۔[1]
یعنی گنگوہی صاحب وغیرہ عوام کی عادت سے ان امور کے التزام کو
سنّت پر محمول کر کے بدعت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ پتہ چلا علمائے حق اہلِ سنت و
جماعت سے کسی کا کوئی ایسا قول گنگوہی صاحب بہادر کو نہیں مل سکا۔ ورنہ عوام
کی عادت کی آڑ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہاں عوام کی عادت (یعنی ہمیشہ کرنا) سے محقق
نہ ہوتا تو وہ اسے بدعت نہ کہتے۔ حالانکہ نماز میں نوافل عوام متواتر اور التزام
کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ گنگوہی صاحب نے ان نوافل وغیرہ
کو بھی بدعت کہا ہے یا نہیں۔ البتہ میلاد شریف اور ایصالِ ثواب وغیرہ سے ان
کا دِلی بُغض ضرور ظاہر ہو گیا ہے۔

ہم نے "صلوٰۃ و سلام قبل اذان" کے عنوان کے تحت بخاری شریف اور
حجتہ اللہ البالغہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وُہ ہے جس
کا کرنے والا اسے ہمیشہ کرتا رہے۔ عوام تو اللہ کی رضا کے لیے کسی اَمرِ خیر کو متواتر
اور ہمیشگی کے ساتھ کرتے ہیں۔ لیکن گنگوہی صاحب کو خوفِ خدا نہیں۔ اللہ تعالیٰ
کے پسندیدہ عمل کو عادت عوام کا نام دے کر بدعت کہتے ہیں۔ (استغفر اللہ)
یعنی جو بات اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے، وُہ
گنگوہی صاحب کو پسند نہیں۔

اور سُنیئے! پروفیسر محمد سرور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل
فرماتے ہیں کہ
"اگر کسی مستحب کو سنتِ مؤکدہ کی طرح لازم کر لیں یا اچھے کاموں میں سے

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۱

کسی ایک کی صورت اور ہیئت کا التزام کرلیں اور اسے دانتوں سے خوب مضبوط پکڑیں۔ اس قسم (کی عادت) کو بدعت حسنہ کہتے ہیں جیسے کہ وظائف و اوراد کی ایجاد ہے۔ اس قسم کے امور پر ثواب مترتب ہوتا ہے"۔ لے

دیکھیے اگر کسی امر مستحب اور اچھے کام کو التزام کے ساتھ انجام دیں اور شدت کے ساتھ کریں تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ امر باعث ثواب ہوتا ہے۔ لیکن گنگوہی صاحب کی کیا بات ہے اور انھیں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات کی کیا پروا ہے! وہ تو خاص احادیث مبارکہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ اور ذریت ہے کہ بے خوف ہو کر پیروی میں مصروف ہے۔

اور آگے چلیے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا عمل ملاحظہ کیجیے۔ وہ بھی مستحب امور پر اصرار فرماتے ہیں۔

دیکھیے حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ

"بندہ ایک روز کسی وقت آپ (حضرت مجدد) کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے مولانا صالح ختلانی کو حکم دیا کہ چند لونگیں تھیلی سے نکال لائیں۔ انھوں نے چھ لونگیں پیش کیں۔ آپ (یعنی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ) غصہ میں آگئے اور فرمانے لگے کہ ہمارے اس صوفی نے اتنا بھی نہیں سنا ہے کہ اَللّٰہُ وِتْرٌ وَّیُحِبُّ الْوِتْرَ (اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے) وتر (طاق) کی رعایت مستحبات میں سے ہے۔ مستحب کو لوگ کیا جانیں۔ مستحب اللہ کا پسند کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پسند کیے ہوئے ایک عمل کے بدلے اگر دنیا و آخرت کو دے دے تو کچھ بھی نہ دیا۔

اور فرمایا کہ ہم استحباب کی رعایت اس حد تک پیش نظر رکھتے ہیں کہ چہرہ دھوتے وقت قصد کرتا ہوں کہ پانی پہلے دائیں رخسار پر پڑے کہ تیامن (دائیں

لے ارمغان شاہ ولی اللہ ص ۲۸۶ ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

طرف سے شروع کرنا) بھی مستحبات میں سے ہے۔[۵]

ماضی قریب کے جید عالم دین اور ہر دلعزیز خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، گنگوہی وغیرہ مخالفین کے کسی ایسے ہی شبہ کے رد میں فرماتے ہیں:

"اگر کوئی کسی کار خیر یا مستحب کام کو ہمیشہ کرے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس کو فرض یا واجب جانتا ہے کیونکہ پابندی وجوب کی علامت نہیں جیسا کہ اگر کوئی چاشت اور تہجد کو ہمیشہ پڑھے تو کیا یہ کہنا جائز ہو گا کہ یہ شخص چاشت اور تہجد کو فرض یا واجب جانتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ اس پر ایک بہتان اور اس کی نیت پر ایک ناروا حملہ ہے۔

یاد رکھیے عمل میں تو ہمیشگی اور پابندی ہی مطلوب و محبوب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ

اللہ کے نزدیک وہ عمل محبوب ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔[۲]"

---

[۱] زبدۃ المقامات اردو۔ صـ ۲۷۵

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ نے نقل فرمایا کہ درمختار میں ہے (ترجمہ): "خطبہ میں چاروں خلفائے کرام (خلفائے راشدین) اور دونوں عم کریم سید الانام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمانا مستحب ہے۔ اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے تو ایک خطیب پر اپنے مکتوبات میں اس لیے کہ اس نے ایک خطبہ میں خلفائے کرام کا ذکر نہ کیا تھا، سخت نکیر فرمائی، اور اسے خبیث تک لکھا۔"
(اقامۃ القیامۃ صـ ۱۰)

[۲] برکات میلاد شریف صـ ۳۰

عرس

قرآن مجید میں ارشاد ہے :-

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ[1] اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔[2]

"یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ چل"[3] دیگر صراط مستقیم انعام یافتہ لوگوں کی راہ ہے اور صالحین اسی انعام یافتہ گروہ میں سے ہیں تو ہمیں ان کی راہ چلنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ جس پر چلنے کے لئے اس کی واقفیت ضروری ہے۔ محافل عرس سے یہ مقصد بخوبی حاصل ہو جاتا ہے۔

کسی ولی اللہ کے یوم وصال کے موقع پر اس کی قبر کے آس پاس یا کسی اور جگہ اجتماع کی صورت میں اس کے حالات کا تذکرہ اور اس کی سیرت کی اتباع کی ترغیب میں وعظ و تبلیغ اور ایصال ثواب وغیرہ کے اہتمام کا نام عرس ہے۔

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں بندۂ مومن جب قبر کے امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں "نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ" "تو اب دلہن کی طرح سو جا"[4] ——— اور وہ "مثل عروس خواب ناز میں استراحت کرتا ہے"۔[5]

مرآۃ شرح مشکوۃ میں ہے :

---

[1] پ ۲۱ لقمٰن ۱۵ [2] کنز الایمان

[3] تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی۔ [4] مشکوۃ باب اثبات عذاب قبر

[5] تہذیب العقائد ص۱۲ اردو ترجمہ شرح عقائد نسفی قدیمی کتب خانہ۔ کراچی

"یہ حدیث بزرگوں کے عرس کا ماخذ ہے چونکہ فرشتوں نے اس دن صاحب قبر کو عروس کہا ہے لہٰذا اس دن کا نام روز عرس ہے"[1]

جاء الحق میں مفتی صاحب نے فرمایا:

"عرس کے لغوی معنی ہیں شادی، اسی لیے دولہا اور دلہن کو عروس کہتے ہیں۔ بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لیے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں:

نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّتِیْ لَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ۔

تو اس دلہن کی طرح سوجا جس کو سوائے اس کے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔

تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا اس لیے وہ دن روز عرس کہلایا یا اس لیے کہ وہ جمال مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلعت کے دولھا ہیں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے۔ اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے، لہٰذا یہ دن عرس کہلایا"[2]

مخالفین کے مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں:

"فی الحقیقت حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مبارک ایسی ہی ہے جس سے قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ مردہ سے جب فرشتے پوچھتے ہیں، مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ، مومن جواب میں کہتا ہے' یہ ہمارے نبی علیہ السلام ہیں" الخ[3]

ع   مرقد کی پہلی شب ہے دولھا کی دید کی شب

---

[1] مراۃ شرح مشکوٰۃ   [2] جاء الحق اول ص ۳۲۳ نعیمی کتب خانہ گجرات

[3] اشرف المواعظ ص ۲۶ - سعید کمپنی، کراچی

مخالفین عرس کے پیر و مرشد جناب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی بھی اپنی تحقیق میں اثبات عرس پر اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں " لفظ عرس ماخوذ اس حدیث سے ہے" نمو کنومۃ العروس" یعنی بندۂ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر، کیونکہ موت مقبولانِ الٰہی کے حق میں وصالِ محبوبِ حقیقی ہے۔ اس سے بڑھ کر کون عروسی ہو گی[1]

آپ نے ملفوظات میں فرمایا:

"عرس کہ رائج ہے اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔ اگر کوئی اس دن کو خیال رکھے اور اس میں عرس کرے تو کون سا گناہ لازم ہوا" [2]

پھر فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرمایا:

"مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلہ کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں۔ باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحبِ قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جاوے۔ یہ مصلحت ہے تعین یوم میں رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا اس میں اسرار مخفیہ ہیں۔ انکا اظہار ضروری نہیں —— پس اصل عرس کا اس قدر ہے اور اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ بعض علماء نے بعض (دیگر) حدیثوں سے اس کا استنباط کیا ہے" [3]

اس بحث میں کتاب "انوار لاثانی" کا استدلال بھی بہت عمدہ ہے ضرور دیکھیے۔

مطالبہ

یہ تو معلوم ہو گیا کہ مومن کامل کا یوم وصال اس کے لئے

---

[1] فیصلہ ہفت مسئلہ، کلیات امدادیہ ص ۸۲

[2] امداد المشتاق ص ۸۸ ملفوظ ۱۷۱ [3] کلیات امدادیہ ص ۸۲

روزِ عرس ہے کیونکہ اسے عروس کہدیا گیا ہے لیکن کیا یہ مزارات کے پاس وعظ و نصیحت کے نام پر مجلس قائم کرنا جائز ہے وضاحت کیجیے

وضاحت

اس محفل کے جواز و اثبات کے لئے امام بخاری علیہ الرحمۃ الباری نے اپنی صحیح میں ایک جگہ یہ باب قائم فرمایا ہے۔

"بَابُ مَوْعِظَةِ الْمُحَدِّثِ عِنْدَ الْقَبْرِ وَ قُعُوْدُ اَصْحَابِهٖ حَوْلَهٗ"[1]

"باب قبر کے پاس محدث کا وعظ و نصیحت کرنا اور لوگوں کا اس کے ارد گرد بیٹھنا"۔

اور اس باب کے ماتحت حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بقیع غرقد میں کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے یعنی فَقَعَدَ وَ قَعَدْنَا حَوْلَهٗ کے الفاظ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ و نصیحت فرمانا بیان کیا گیا ہے بس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ایسی مجلس جائز ہے جس میں لوگوں کے فائدہ کے لئے وعظ و نصیحت ہو۔[2] اگرچہ یہ مجلس عرس کہیں بھی منعقد ہو سکتی ہے لیکن زیارتِ قبر ہر کہیں سے نہیں ہوتی یہ قبر کے قریب سے ہی ہوتی ہے تو یوں زیارتِ قبر بھی حاصل ہو جاتی ہے بلکہ "فقعد و قعدنا حولہ" کے مطابق تو قبر کے پاس محفل وعظ و نصیحت سنت بھی ہے۔

---

[1] بخاری شریف پ۵ صہ ۱۸۲ مطبوعہ کراچی

[2] صاحبِ فیوض الباری نے علامہ عینی اور دیگر شارحین علیہم الرحمۃ سے وعظ و نصیحت کی غرض سے بزرگانِ دین کے مزارات پر محفل عرس کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (دیکھیئے فیوض الباری پ۵ صہ ۱۳۸)

سوال

اچھا جی نفس عرس کے بارے میں تو کوئی الجھن نہیں رہی اب بتائیے کہ یہ حدیث پاک ہے۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِ الرَّسُوْلِ وَ مَسْجِدِ الْاَقْصٰی[1]

یعنی تین مسجدوں "مسجد حرام" مسجد نبوی اور مسجد اقصٰی کے علاوہ کسی اور طرف کجاوے نہ باندھے جائیں۔

اس میں "سفر عرس" پر جو ممانعت واقع ہو رہی ہے یہ کیونکر دور ہوگی اور اس کا حل کیا ہوگا ؟

جواب

اس حدیث پاک میں مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف اسی مقررہ ثواب کی نیت سے "جو ثواب ان تین مساجد کیساتھ مخصوص ہے" سفر کرنے کی ممانعت ہے اور سفر برائے طلب علم، برائے جہاد، برائے زیارت، برائے تجارت اور بغرض شمولیت عرس ممنوع نہیں

---

[1] بخاری شریف ۱۵۹ جلد اوّل باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ و مدینۃ ، ترمذی ابواب الصلوٰۃ ۔ مناظر اسلام علامہ محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو امام قسطلانی کے حوالے سے منسوخ لکھا ہے (مقیاس حنفیت ۵۵۲ مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۶ء)

مخالفین کی معتبر کتاب المہند علی المفند، اردو۔ مسمی بہ عقائد علمائے دیوبند صہ ۲ پر لکھا ہے:

"یہ کہنا کہ مدینہ منورہ کی جانب سفر کرنے والے کو صرف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کرنی چاہیئے اور اس قول پہ حدیث کو لانا کہ کجاوے نہ کسے جاویں مگر تین مسجدوں کی جانب، سو یہ قول مردود ہے، اس لیے کہ حدیث کہیں بھی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ صاحب فہم اگر غور کرے تو یہی حدیث بدلالۃ النص جواز پر دلالت کر رہی ہے"۔

اور اس سے پہلے لکھا ہے کہ سفر کے وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کی نیت کرے"

ہے۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث پاک کا مقصود یہی ہے۔ اسی لیے آپ اسے "باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ ومدینۃ یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت" کے تحت ان مساجد میں نماز کی فضیلت میں بیان کر رہے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے معتمد اور تبلیغی نصاب کے مصنف مولانا محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں: "اس میں شک نہیں کہ ان مساجد کے علاوہ بہت سے سفر بالاتفاق جائز بلکہ بعض واجب ہیں، جیسا کہ حج کی نیت سے سفر، جہاد کے لیے سفر، طلب علم کے لیے سفر، ہجرت کا سفر، تجارت کے لئے سفر اس لیے یہ تو بہر حال کہنا ہوگا کہ اس حدیث پاک سے مطلقاً سفر کی ان (تین) مساجد کے علاوہ ممانعت مقصود نہیں"۔[1]

اگر ان مسجدوں کے علاوہ کسی اور طرف سفر مطلقاً ممنوع ہوتا تو طالب علم کبھی علم حاصل نہ کر پاتا اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اسقدر ذخیرہ حدیث نہ ہوتا۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سفر برائے طلب علم کی عظمت متعین فرماتے ہیں کہ "مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ[2] جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ یہاں سفر برائے طلب علم کو اللہ کی راہ یعنی "سبیل اللہ" قرار دیا گیا ہے اور پھر فرمایا: ۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ[3] ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے۔

علاوہ ازیں ہادیٔ اعظم نبیٔ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص علم کی تلاش میں سفر اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ

---

[1] فضائل حج صد۱۰۲ دار الاشاعت کراچی [2] مشکوٰۃ کتاب العلم، ترمذی ابواب العلم
[3] مسند امام اعظم رضی اللہ عنہ، مشکوٰۃ کتاب العلم، کشف المحجوب ص۹۹ ترجمہ ابو الحسنات قادری، اسلامک بک فاؤنڈیشن - لاہور۔

آسان کر دیتا ہے۔"[1]

دیگر اردو ڈائجسٹ والوں نے مئی ۱۹۸۹ء میں رحمۃ للعالمین نمبر شائع کیا۔ اس کی جلد دوم میں "اربعین جامی" کی چالیس[2] منتخب احادیث مع منظوم فارسی ترجمہ از مولانا جامی اور منظوم اردو ترجمہ از مولانا ظفر علی خان بھی شائع کیا۔ اس میں سے حدیث نمبر ۳۴ ملاحظہ ہو:

"اَلْعِلْمُ لَا یَحِلُّ عَنْہُ صَدٌّ" (ترجمہ) علم سے روکنا حلال نہیں ہے۔[2]

جب طلب علم کے لئے سفر درست ہے تو عرس میں علمائے کرام جو علم کے موتی بکھیرتے ہیں ان کے حصول سے ممانعت کی صورت[3] کیا ہوگی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق محدثین کرام جب وعظ و نصیحت کے لئے مجلس قائم کرینگے تو اردگرد بیٹھ کر سننے والے عوام کہاں سے آئیں گے ظاہر ہے عوام کے یوں پہنچنے سے سفر واقع ہو جائے گا۔ پس تسلیم کرنا ہوگا کہ عرس کے لئے سفر ممنوع نہیں ہے۔ ورنہ محدثین کی اس مجلس کے قیام اور سامعین کی موجودگی کی کوئی واضح صورت بنتی نظر نہیں آتی۔

پھر رائیونڈیوں (تبلیغی جماعت) کا سالانہ سفر رائے ونڈ تو ضرور ممنوع قرار پا جائے گا۔ کیونکہ مذکورہ تین مسجدوں میں سے ایک بھی وہاں واقع نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی (بدعت حسنہ کے مخالف) کے

---

[1] جامع ترمذی جلد دوم مترجم صفحہ ۲۸۸ باب فضل طلب العلم [2] اردو ڈائجسٹ رحمۃ للعالمین نمبر جلد دوم (مئی ۱۹۸۹ء)

[3] موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ

"لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے بیٹے! علماء کی خدمت میں بیٹھا کرنا اور ان سے اپنے گھٹنے ملا دینا کیونکہ حکمت کے نور سے اللہ تعالیٰ دلوں کو زندہ فرماتا ہے جیسے مردہ زمین کو آسمان کی بارش سے زندہ کرتا ہے" (موطا امام مالک مترجم علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری)

نزدیک خصوصی بسوں اور ریل گاڑیوں کے ذریعے لوگوں کو ہانک ہانک کر رائیونڈ لے جانا اور اس کے سالانہ اجتماع اور اس میں شرکت کو ضروری جاننا بدعت ہونے کے باوجود درست ہے تو سفرِ عرس اور اس میں شرکت کے لیے اہتمام کیوں ناجائز ہے!

جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ القوی نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے جس میں ان تین مساجد کے علاوہ ایک چوتھی مسجد کا بھی ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو:۔

"مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسَاجِدَ الْاَرْبَعَۃَ غُفِرَلَہٗ ذُنُوْبَہٗ (جس نے نماز پڑھی چار مسجدوں میں بخش دیے جائینگے گناہ اسکے) چار مسجدوں سے مراد مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور مسجد قبا ہے"[1]

شیخ محدث نے اسی جگہ دوسرا ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلمبند فرمایا:

وَلَوْکَانَ بافق مِنَ الْاُفَاقِ نَضْرِبْنَا اِلَیْہِ اکباد الابل۔

اگر یہ (مسجد قبا) دنیا کے کسی گوشے میں ہوتی تو ہم اس کے لیے اونٹوں کے جگر کو مارتے[2]

ایک حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا: "مسجدِ قبا میں دو رکعت بیت المقدس کی دوبار زیارت سے زیادہ محبوب ہے"[3]

ایک اور حدیث پاک میں ارشاد فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ فِیْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ کَعُمْرَۃٍ۔ مسجد قبا میں نماز (کا ثواب) عمرہ کے برابر ہے[4]

---

[1] جذب القلوب [2] ایضاً

[3] مدارج النبوت دوم۔ اردو، ص۱۱۲۔ مدینہ پبلشنگ، کراچی

[4] ترمذی ابواب الصلوٰۃ مترجم علامہ محمد صدیق ہزاروی

ابنِ ماجہ۔ اوّل ص۲۰۶ مترجم علامہ اختر شاہجہانپوری۔

اب بتائیے عمرہ کے ثواب اور بخشش کے حصول کے لئے مسجد قبا کی طرف سفر واقع ہو گا یا نہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد قبا کے لئے پیدل اور سوار دونوں طرح سفر ثابت[1] ہے۔ یہی نہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک باب بنام "باب الرحلة فی المسئلة النازلة[2] قائم فرمایا ہے۔ یعنی جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اس کے جواب کے حصول کے لئے سفر کرنا" اور حدیث ماتحت میں حضرت عقبہ کا سواری پر سوار ہو کر مسئلہ پوچھنے کے لئے سفر بھی بیان کیا ہے۔

اور مولانا عبدالحق دیوبندی (اکوڑہ خٹک) بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) جو دس سال حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں رہے نے ایک حدیث کی خاطر اونٹنی خریدی اور دوسرے صحابی (رضی اللہ عنہ) کے پاس چالیس دن کا سفر کرکے پہنچے، اور ایک حدیث "اللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ" سن کر واپس ہوئے[3]

تو واضح ہو گیا کہ پہلی حدیث شریف میں تین مساجد صرف مقررہ ثواب کے لیے خاص کی گئی ہیں، ان کے علاوہ سفر ممنوع نہیں ہوا۔

اور تبلیغی جماعت کو نصاب دینے والے مولانا زکریا صاحب نقل فرماتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو میری زیارت کو آئے اور اس کے سوا اور نیت اس کی نہ ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ اس کی سفارش کروں"[4]

پھر اسی زیارت کے بارہ میں اپنی مفصل تحقیق میں یہی صاحب لکھتے ہیں کہ

---

[1] بخاری شریف پ۵ باب من اتی امسجد قبا کل سبت (باب ہر ہفتہ مسجد قبا میں آنا) بلکہ مولانا محمد زکریا صاحب نے امام نووی علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قبا کی حاضری کا استحباب بہت مؤکد ہے۔ (فضائل حج صہ ۱۲۴)

[2] بخاری کتاب العلم (جلد اول) [3] دعوات حق۔ اول صہ ۶۱ [4] فضائل حج صہ ۹۶

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو کعب احبار جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے مسلمان ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام لانے کی بڑی خوشی ہوئی اور ان سے فرمائش کی کہ میرے ساتھ مدینہ چلیں تاکہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر مبارک پر حاضری ہو۔ انہوں نے قبول کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل کی"[1]

دیکھیے یہ سفر مسجد نبوی شریف کی نیت سے نہیں، روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے کیا گیا۔ اور خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خود اس سفر کے محرک و معاون ہیں؛ اور آپ "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" کے مطابق نیکی کے معاون ہیں، برائی کے نہیں۔ گویا اسلام میں ان تین مساجد کے علاوہ سفر ممنوع و ناجائز اور گناہ نہیں ہے۔ اب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک دیکھیے اور فرمائیے ما انا علیہ واصحابی کے مصداق کون لوگ ہیں، زیارت مقدسہ اور اس کے لیے سفر سے روکنے والے، یا اہل سنت وجماعت؟

امام سیوطی نے نقل فرمایا "بیہقی نے واقدی سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی قبور کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے۔۔۔ اور یہی معمول حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا"[2]

ضیاء القرآن شریف میں جناب پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری نے بحوالہ قرطبی یہی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "اولیائے کرام کے اعراس اور مزارات پر حاضری کی یہ روشن دلیل ہے" ملخصاً[3]

---

[1] فضائل حج ص۱۰۲۔ شاہ ابو الحسن زید فاروقی نے مولانا اسماعیل اور تقویت الایمان ص۴۲ میں اسے نقل کیا؛ اور ایسا ہی القول الجلی کی بازیافت ص۴۴ میں مرقوم ہے۔

[2] شرح الصدور، اردو ص۱۹۳ اور ایسا ہی تفسیر کبیر سے مولانا سعید احمد نقشبندی نے "مسلک امام ربانی ص۲۷۶" میں نقل فرمایا ہے۔

[3] ضیاء القرآن۔ پ۱۳ (الرعد۔ ۲۴)

بحوالہ مقدمہ شامی شریف حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: "(ترجمہ) میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں۔ جب مجھ کو کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر رب سے دعا کرتا ہوں تو فوراً پوری ہوجاتی ہے۔ مذہب کے اتنے بڑے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کو وسیلہ دعا بنا کر سفر کرکے وہاں آتے ہیں اور ان کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں"۔ [1]

مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی اور مولانا زکریا صاحب تبلیغی نصاب والوں کی زبانی سنیئے، وہ نقل کرتے ہیں کہ

"حضرت شیخ سید احمد رفاعی رضی اللہ عنہ ۵۵۵ھ میں زیارت بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے تو سرکارِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدس کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوئے۔ گنبدِ خضریٰ کے قریب پہنچ کر باآواز بلند کہا، السلام علیک یاجدی (اے میرے ناناجان آپ پر سلام ہو) فوراً روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے ندا آئی، وعلیک السلام یاولدی (اے میرے بیٹے تم پر بھی سلام ہو)۔ اِس ندا مبارک کو سن کر آپ پر وجد طاری ہوگیا۔ آپ کے علاوہ جتنے لوگ وہاں موجود تھے، سب نے آواز کو سُنا۔ تھوڑی دیر کے بعد بحالتِ گریہ آپ نے دو شعر پڑھے۔ (ترجمہ)

۱۔ جدائی (دوری) کی حالت میں تو اپنی روح کو روضہ مطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا تھا، تاکہ میری طرف سے آپ کی آستانہ بوسی کا شرف حاصل کرے۔

---

[1] رحمتِ خدا بوسیلہ اولیاء ص۲۶، از مفتی احمد یار خان۔ اِسی طرح کی ایک روایت الخیرات الحسان مترجم اردو ص ۲۳۰، اور ہاں تاریخ بغداد امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ص ۲۸۳ میں بھی مرقوم ہے۔

۲۔ اور جبکہ یہ دولت مجھے اصالۃً حاصل ہے تو آپ اپنا مبارک ہاتھ دیجیے کہ میں اسے بوسہ دے کر عزت حاصل کروں۔

اسی وقت قبرِ مطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے دستِ مبارک نکلا، اور آپ نے اس کو بوسہ دیا۔ اس وقت روضۂ مقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً نوے ہزار عاشقانِ جمال کا اجتماع تھا جن میں سیدنا محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہٗ بھی تھے۔ ملخصاً[1]

اب غور فرمایئے، ان نوّے ۹۰ ہزار عاشقانِ جمال میں سے اکثریت دُور دراز کے سفر کر کے آئی ہوگی۔ پھر سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ احمد رفاعی (ظفر عثمانی نے انہیں "غوثِ مقدم" لکھا ہے۔ بنیان المشید ص۲۵) کس شان کے بزرگ ہیں۔ اور ناجائز سفروں پر روانہ ہونے والے بزرگ نہیں ہوا کرتے اور ان حضرات کی بزرگی میں تو شک نہیں۔ پھر کیا ناجائز امور کے مرتکبین کو بھی ایسے انعامات سے نوازا جاتا ہے؟ نہیں کبھی نہیں۔ گویا یہ سفر جائز ہے، اور تین مساجد کے علاوہ متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ ہاں ان مقبول بزرگوں کے مخالفین ان سے الگ راہ پر چلتے رہیں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کو مقبول بندوں کی اتباع مطلوب ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ (لقمٰن ۱۵)

اور تو بھی اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

اور سُنیے! امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں، مستحب ہے کہ مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی زیارت کرے۔[2]

---

[1] البنیان المشید ترجمہ البرہان المؤید ص۲۱ مکتبہ تھانوی۔ کراچی، فضائلِ حج ص۱۳۱-۱۳۰

[2] فضائلِ حج ص۱۱۲

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زیارت کے لیے آنے والے کو شفاعت کا یقین دلایا۔ خود شہدائے اُحد کو بار بار نوازا اور خلفائے راشدین میں سے سیدنا صدیقِ اکبر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم بھی شہدائے اُحد کی سال بہ سال زیارت فرماتے رہے۔ بالخصوص سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ طویل سفر اختیار کر کے بیت المقدس سے جناب کعب احبار کو اپنے ہمراہ زیارت روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ طیبہ لائے۔

حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی اور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہما بلکہ ہزاروں عاشقانِ جمال کا تذکرہ پڑھا اور زیارت و سفرِ زیارت اختیار کرنے کے باعث انہیں جو انعام ملا وہ بھی آپ نے نوٹ فرمایا۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ بھی حاجتیں لے کر روضہ امام اعظم رضی اللہ عنہ پر حاضر ہوتے رہے۔ اب بھی اگر کوئی ضدی سفرِ زیارت یا عرس میں شرکت کے لیے سفرِ عرس کو ناجائز کہتا رہے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

اب ہم حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا عمل پیش کرتے ہیں۔ امید ہے مخالفین اپنی زبانیں ضرور سنبھال لیں گے۔

"حضرات القدس میں لکھا ہے کہ آپ (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) پہلی دفعہ مدینۃ الاولیاء لاہور میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تشریف لائے تھے اور کچھ عرصہ یہاں مقیم رہے۔ دوسری دفعہ آپ یہاں کے اولیائے عظام کے مزارات پر حاضری دینے کے لیے تشریف لائے تاکہ فیوض و برکات حاصل کیے جائیں"۔[1]

لیکن کیا کیا جائے منکرینِ زیارت اور مخالفینِ بزرگانِ اسلام کسی کا احترام

---

[1] نورِ اسلام مجدد الف ثانی نمبر جلد اوّل ص ۴۳

نہیں کرتے۔ کسی کے عمل کو اسلام کے مطابق نہیں سمجھتے۔ ان کی جرأت ملاحظہ ہو:

ادارۂ اسلامیات لاہور اور ان کے نامور محقق مولانا شیخ احمد صاحب کہتے ہیں کہ "زیارت کے واسطے کسی استھان یا مکان متبرک کو سفر کر کے جانا درست نہیں ہے ـــــــ جو لوگ ان تمام تنبیہات کے باوجود زیارت قبر کے نام سے عبادت قبر کرتے ہیں وہ دیدہ و دانستہ خدا کی لعنت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔[1]

"قبر پرستی کو زیارت شرعی کا نام دے دیا گیا ہے حالانکہ وہ زیارت قبر نہیں عبادت قبر ہے۔"[2]

استغفر اللہ! استغفر اللہ!!

یہ کیسا اسلام ہے جس کی اشاعت کے لیے ادارۂ اسلامیات لاہور کام کر رہا ہے۔ اس کے نزدیک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا نام اسلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبور کی زیارت فرماتے ہیں۔ یہ ادارہ اُسے "عبادت قبر" قرار دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کے لیے حاضر ہونے والوں کو بوسہ کے لیے دست مبارک عطا فرما کر ان کی عزت افزائی فرماتے ہیں یعنی انھیں انعام سے نوازتے ہیں، اور لاہور کا یہ ادارہ ان لوگوں کو مستحق لعنت سمجھتا ہے۔ استغفر اللہ!

یہ ادارہ سنت کی مخالفت کے باعث بدعت سیئہ کا مرتکب بھی ہو رہا ہے، اور ادارۂ اسلامیات کے روپ میں اسلام کے خلاف لٹریچر بھی شائع کر رہا ہے۔

اس ادارہ اور اس کے مقاصد سے قطع نظر آپ ہماری معروضات پر پھر غور فرمائیں، حقیقت ان شاء اللہ واضح ہو جائے گی۔

بلکہ خود قرآن پاک میں ان مسجدوں (کی طرف) کے علاوہ سفر کا حکم موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں آیات طیبات۔

---

[1] بدعت کیا ہے ص ۱۵۳ [2] ایضاً ص ۱۷۶

۱۔ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ[1]
تو زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔[2]

۲۔ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ ط[3] تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا اگلوں کا۔[4]

الحمد للہ ان مسجدوں کے علاوہ بھی سفر[5] کا جواز ثابت ہو گیا جو مانعین کے لئے درس عبرت ہے۔

سوال

کیا ہمارے مسلمہ بزرگوں میں سے بھی کسی نے یہ محفل قائم کی ہے یا اس میں شرکت کے لئے سفر وغیرہ کیا ہے؟

جواب

بخوف طوالت مختصراً عرض کرتے ہیں۔
حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ القوی فرماتے ہیں
"میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے بموجب آپ (غوث اعظم رضی اللہ عنہ) کا عرس مبارک ربیع الآخر کی نویں تاریخ کو ہونا چاہیے۔ جس پر ہم نے اپنے پیر و مرشد عارف کامل شیخ عبد الوہاب قادری متقی قدس سرہ کو پایا ہے۔ شیخ قدس سرہ آپ کے عرس کے دن کے لئے یہی تاریخ یاد رکھتے تھے۔ بے شک ہمارے

---

[1] پارہ ۴ آل عمران، ۱۳۷ [2] کنز الایمان [3] الروم ۴۲ پ ۲۱ [4] کنز الایمان [5] تحریر غیر مقلدین
علامہ وحید الزمان رقمطراز ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے طور کی زیارت کے لیے سفر کیا اور سلف و خلف کے بہت سے علماء نے انبیاء و صلحاء کی قبروں کی زیارت کے سفر کو جائز قرار دیا ہے (ہدیۃ المہدی ص ۲۲)

ملک میں (عرس غوث اعظم رضی اللہ عنہ کیلئے) آجکل گیارہویں تاریخ مشہور ہے۔[1]"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں :

"ماہ رمضان المبارک میں بڑے بڑے عرس ہیں۔ دسویں تاریخ کو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا عرس مبارک، آٹھویں تاریخ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عرس مبارک، ۲۱ تاریخ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا عرس مقدس، اور اسی تاریخ کو خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس پاک ہوتا ہے۔[2]"

منقول ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس کرتے تھے۔ مولوی عبدالحکیم ملتانی نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ تم نے عرس کو فرض سمجھ لیا ہے، سال بہ سال کرتے ہو۔* اس کا درج ذیل جواب شاہ صاحب نے دیا جو زبدۃ النصائح صد۲۰ پر مرقوم ہے، آپ فرماتے ہیں (ترجمہ)

" یہ طعن جس پر کیا جارہا ہے اس کے حالات سے بے خبری اور جہالت کی بنا پر ہے۔ اس لیے کہ سوائے فرائض مقررہ شرعیہ کے کوئی شخص کسی شئے کو فرض نہیں جانتا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ زیارت قبور اور قبور صالحین سے برکت حاصل کرنا، قرآن مجید کی تلاوت، دعائے خیر، تقسیم طعام و شیرینی، باتفاق علمائے کرام مستحسن اور خوب ہے۔

اور روز عرس کے متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دن انکے دار عمل سے

ص تعین یوم کا ثبوت   [1] ماثبت من السنۃ مترجم صد۳۱۹

[2] ملفوظات عزیزی صد۵۰ بحوالہ ماہ طیبہ فروری ۱۹۹۳ء

* اس طرح گنگوہی نے بھی کہا کہ ہم لوگوں کو عادت عوام سے محقق ہو گیا ہے کہ یہ لوگ مجلس مولود اور عرس وغیرہ کو ضروری اور سنت جانتے ہیں لہذا ہم بدعت کہتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ صد۱۳۰)

دارِ ثواب کی طرف انتقال کی یاد تازہ کرتا ہے۔"[۱]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"مشائخ کے عرس کی حفاظت کی جاتی ہے اور ان کی قبور کی زیارت پر مداومت (ہمیشگی) اور ان کی فاتحہ پڑھنے کا اور ان کے واسطے صدقہ دینے کا التزام کیا جاتا ہے"[۲]

فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:

"جس وقت میں نے شہدائے بدر رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور میں ان کے مزاروں کے گرد کھڑا ہوا تو ان کے مزاروں سے یکبارگی میری طرف نور چمکا"[۳]

شاہ صاحب خود عرس میں شریک بھی ہوا کرتے تھے۔ القول الجلی میں لکھا ہے (ترجمہ) شاہ ولی اللہ صاحب شاہ عبدالرحیم صاحب کے عرس کی مجلس میں ان کے مزار پُر اسرار پر بیٹھے ہوئے تھے"[۴]

حضرت مخدوم جمال الدین قدس سرہ کے عرس کے دن آں جناب موضع پھلادہ[۵] آپ کی قبر شریف کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے"[۶]

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کہتے ہیں:۔

"مشرب فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح کو ایصال ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا

---

[۱] مسلک امام ربانی ص۲۷۶-۲۷۵ از مولانا سعید احمد نقشبندی علیہ الرحمۃ، دینِ مصطفےٰ ص۲۷۵، اعلاء کلمۃ اللہ ص۶۶ از پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ۔

[۲] قطرات ترجمہ ہمعات ص۴۳، ادارۂ اسلامیات، لاہور

[۳] فیوض الحرمین مترجم ص۹۷ [۴] القول الجلی کی بازیافت ص۳۱ بحوالہ القول الجلی ص۳۶

[۵] القول الجلی کی بازیافت ص۸۸ بحوالہ القول الجلی ص۳۸

ہے اور اس کا ثواب بخشدیا جاتا ہے۔[1]

فرمایا "ایک دفعہ میں عبدالقدوس کے عرس میں انبیٹھ آیا ختم عرس کے دن"[2]

اور مولانا اسمٰعیل دہلوی کہتے ہیں:

(ترجمہ) پس ہر وہ عبادت جو مسلمان ادا کرے اور اس کا ثواب کسی گزرے ہوئے کی روح کو پہنچائے اور اس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے تو یہ بہت ہی بہتر اور خوب ہے اور رسوم میں فاتحہ پڑھنے، عرس کرنے، مردوں کی نذر نیاز کرنے کی رسموں کی خوبی میں شک وشبہ نہیں ہے۔"[3]

اب سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک پیش کیا جاتا ہے اس لئے کہ ان کے نام سے عام طور پر دھوکا دیا جاتا ہے۔ اس لئے بھی کہ ان کے عمل کے حق ہونے سے انکار مشکل ہے اور اس لئے بھی کہ شاید انہی پر اعتماد کر لیا جائے ہیں کامیابی کی امید ہے۔ شیخ فرید کے نام فرماتے ہیں:-

"در ایام عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہٗ بحضرت دہلی رسید .... در معرض قبول افتد یعنی حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے عرس کے دنوں میں فقیر دہلی آیا ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت میں بھی پہنچے الخ[4]

حضرات القدس میں ہے "آپ (مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ) ہر سال حضرت

---

[1] فیصلہ ہفت مسئلہ صـ۹ لفظ "ہر سال" قابلِ غور ہے۔ [2] امداد المشتاق صـ۱۲۹

[3] صراطِ مستقیم صـ۵۵ بحوالہ ثواب العبادات صـ۲۵

[4] ایامِ عرس سے عبرت حاصل ہو سکتی ہے ــــــ انفاس العارفین، اردو، صـ۸۳ پہلے عرس میں شاہ عبدالرحیم (والد شاہ ولی اللہ) کی موجودگی کا تذکرہ موجود ہے اور صـ۴۳ کے مطابق حضرت خواجہ خود حضرت خواجہ باقی باللہ (پیر و مرشد حضرت مجدد الف ثانی) رحمۃ اللہ علیہم کا عرس کیا کرتے تھے۔

[5] دفتر اول مکتوب ۲۳۳

خواجہ کے عرس کے زمانے میں دھلی تشریف لے جاتے تھے الاماشاء اللہ[1]
غور فرمائیں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک عرس بھی درست اور طویل طویل سفر کے بعد دھلی عرس میں شمولیت بھی جائز و ثابت ہے۔ "ایام عرس" اور "ہر سال" کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تواریخ عرس متواتر و مشہور تھیں۔

یوں ہی ایک دفعہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی اجمیر شریف میں قطب الاقطاب حضرت معین الدین چشتی قدس سرہ کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے ـــــــ خادمین کی طرف سے مزار شریف کی چادر بطور تبرک عنایت ہوئی تو آپ نے پورے ادب و تعظیم کے ساتھ قبول فرمائی، اور اپنے کفن مبارک کے لیے رکھوالی۔ ملخصاً[2]

آپ نے اکابر اسلاف کا عمل مبارک ملاحظہ فرمالیا ہے! امید ہے اب تو آپ ضرور ہماری تائید کردیں گے۔

دلچسپ واقعہ

عرس اور سفر عرس کی ممانعت پر زور دینے والے علماء کی جماعت سیمینار میں شرکت کے لئے طویل سفر اختیار کر کے خود ہندوستان روانہ ہوگئی۔ عرس ایسی مقدس تقریب میں شمولیت کی بجائے خالص انگریزی لعنت کی پیداوار سیمینار میں شرکت کے لئے سفر معنی خیز ہے ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ راولپنڈی ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء۔

"لاہور (پ پ ا) کالعدم جمعیت علمائے اسلام کے سیکرٹری جنرل مولانا فضل الرحمن کی سربراہی میں چار سو پاکستانی علماء کی

---

[1] حضرات القدس اردو حصہ دوم ص ۱۴۲ [2] ایضاً ص ۱۱۴

ایک جماعت دیوبند روانہ ہوگئی جہاں وہ شیخ الہند مولینا
محمود الحسن دیوبندی کی یاد میں منعقد ہونے والے سیمینار میں
شرکت کریگی۔ پاکستان ریلوے نے اس سلسلے میں بھارت
جانے والی ٹرین میں خصوصی بوگیوں کا اہتمام کیا تھا۔ علماء
پندرہ روز تک بھارت میں قیام کریں گے۔" الخ [1]

فرمائیے سیمینار کی حیثیت کیا ہے۔ کس کا سیمینار، کتاب وسنت میں
اس کی سند؟ یہ کن کی سنت ہے اور یہ چار سو علماء کا اتنا بڑا سفر
کہ "خصوصی بوگیوں کا اہتمام" ہوا۔ مذکورہ تین مساجد میں سے ایک
بھی وہاں واقع ہے جس کی نیت سے سفر کیا گیا؟ عرس تو ثواب کی
غرض سے ہوتا ہے۔ یہ سیمینار اور اس میں شمولیت کس غرض پر مبنی ہے

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

اور سنیئے جناب مجیب الرحمٰن شامی روزنامہ جنگ میں اپنے کالم "جلسۂ علم"
میں بعنوان "ذرا فیصل مسجد تک" میں لکھتے ہیں:

"شہدائے بہاولپور کا یہ (یعنی ۱۷ر اگست سنہ ۱۹۹۲ء کا دن) چوتھا یوم شہادت تھا
مولانا عبد القادر آزاد (دیوبندی) ہر سال (لاہور سے) یہاں آتے اور دعا کے
لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔" (روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۲۱ر اگست ۱۹۹۲ء)

جناب رشید دہلوی اپنے کالم "خیریت مطلوب ہے" میں رقمطراز ہیں کہ
"چودہ اگست ۹۲ء یوم آزادی کے موقعہ پر جماعت اسلامی نے مزار قائد اعظم
رحمۃ اللہ علیہ کراچی پر ایک موثر ریلی منعقد کی جس میں قاضی حسین احمد صاحب امیر
جماعت اسلامی نے تقریر کی۔ اس طرح قاضی صاحب جماعت اسلامی کے

---

[1] روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۰ ستمبر ۱۹۸۵ء صہ ۱۲۔

پہلے ایسے امیر قرار پائے جنہوں نے مزارِ قائد پر حاضری دی اور یوم آزادی کے موقع پر حضرت قائداعظم کو خراجِ تحسین پیش کیا"۔ ——— بہرحال کراچی میں یوم پاکستان پر امیر جماعت اسلامی کا مزار قائد پر حاضر ہونا اور سلامی دینا میرے (رشید دہلوی کے) نزدیک اہم پیش رفت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی (تائب ہو کر) آہستہ آہستہ اپنی (مذہبی وسیاسی) حکمت عملی بدل رہی ہے"۔[1]

مسلک مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ پر ایک نظر

عرس، ایصال ثواب اور مولود خوانی کو ہم اہل سنت و جماعت جائز کہتے ہیں۔ معترضین ان امور کو بدعت سیئہ، ناجائز اور مردود قرار دیتے ہیں لیکن

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ خود ان پر عمل پیرا رہے ہیں۔ تو بتائیے کیا مجدد برحق کی یہی پہچان ہے کہ وہ بدعت سیئہ پر عمل کرتا رہے؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسا تصور مذہبی بے راہ روی کا آئینہ دار ہے اسلئے کہ جو خود خلاف سنت اور ناجائز امور پر عمل پیرا رہے وہ مجدد برحق نہیں ہوتا اور آپ کو تو مجدد الف ثانی تسلیم کیا گیا ہے اس لئے کہ آپ بدعت کو مٹا کر سنت کو رواج دینے والے ہیں۔ اگر آپکے نزدیک یہ امور ناجائز اور حرام ہوتے تو آپ ان پر عمل نہ کرتے آپ کے عمل سے ثابت ہوا کہ یہ تمام امور آپ کے نزدیک نیک اور جائز بلکہ سنت تھے۔

---

[1] روزنامہ جنگ راولپنڈی مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۹۲ء

ہمیں تسلیم ہے کہ سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں بدعت حسنہ کا وجود نہیں۔ کیونکہ وہ بدعت کا اطلاق ہی جب کرتے ہیں جب رفع سنت واقع ہو جائے۔ فرماتے ہیں :۔

"احادیث سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہے"[1]

پتہ چلا ان امور میں رفع سنت واقع نہیں ہوتا ورنہ آپ ان پر عمل نہ کرتے۔ آپ کے عمل سے ان امور کا جائز ہونا ثابت ہوا اور باعث ثواب بھی اور یہ بھی کہ آپ انہیں بدعت جانتے ہی نہیں۔

لیکن دیگر علماء (تقسیم بدعت کے قائلین) اصل سنت اور تبدیلی ہیئت کی بنا پر بدعت حسنہ کہکر جواز و استحسان بیان کرتے ہیں[2] اب بتائیے جواز ظاہر کرنے میں کیا فرق رہا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور دیگر علماء محققین کے درمیان اصطلاحی فرق کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دیگر علماء نے ہیئت بدلنے پر بدعت اور اصل سنت ثابت ہونے پر حسنہ کہا۔ لیکن حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے تبدیلی ہیئت کا اعتبار نہ کرتے ہوئے سنت جانا عمل کیا اور کروایا۔ مفاد ایک ہے بات صرف لفظوں سے نہیں بنتی تعبیر و مراد کو مد نظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے؟

قرآن کریم میں ارشاد ہوا "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ"[3] نماز کے قریب

---

[1] دفتر اول مکتوب نمبر ۱۸۶۔
[2] مانعین و مخالفین کے مفتی محمد شفیع (کراچی) تسلیم کرتے ہیں "جن فقہاء کے کلام میں بعض بدعات کو حسنہ کہا گیا ہے وہ لغوی معنے کے اعتبار سے بدعت ہیں، ورنہ در حقیقت بدعت نہیں" (سنت و بدعت صد ۸)
[3] النساء ۴۳ پ ۵

نہ جاؤ۔ اب محض ان الفاظ کو نہیں دیکھیں گے بلکہ علّت ممنوعہ پر بھی غور کریں گے۔

سیّدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے یہاں جب تک رفع سنّت واقع نہ ہو امر خاص جائز اور سنّت ہی رہتا ہے۔ محض تبدیلی ہیئت سے سنّت نہیں اٹھتی اور نہ ہی بدعت کہا جاسکتا ہے اور سنّت اٹھ گئی تو بدعت کہدیا اور یہی رفع سنّت بدعت میں حُسن کے انکار کی وجہ ہے کہ حُسن تو صرف سنّت میں ہے۔ اسی لئے دیگر علماء نے بھی ایک امر خاص میں حُسن صرف اسی وقت مانا جب اصل سنّت ثابت ہوگئی یعنی دیگر علماء کے نزدیک بھی استحسان کی علامت سنّت ہی ہے ورنہ ان علماء نے بھی سیئہ کہنے سے گریز نہیں کیا اور ضرور رد کر دیا۔ پتہ چلا کہ جس امر کو دیگر علماء بدعت حسنہ کہتے ہیں اسی کو مجدد علیہ الرحمۃ سنّت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور اس کے استحسان کے لئے لفظ بدعت کے اطلاق کو پسند نہیں کرتے نہ یہ کہ استحسان وجواز سے انکار کرتے ہیں وہ مستحسن امر کے لئے لفظ سنّت ہی استعمال کرنا بہتر جانتے ہیں۔[۱]

مطالبہ

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اور دیگر علماء کے درمیان

---

[۱] حضرت شاہ احمد سعید دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ

"بدعت حسنہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک داخل سنّت ہے کیونکہ حضرت امامؒ "کل بدعۃ ضلالۃ" کے مطابق اس پر بدعت کا لفظ نہیں بولتے اور آپ کے اور ان علماء کے درمیان، جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں محض نزاع لفظی ہے"۔

(مقالات سعیدیہ ص۱۲۵ بحوالہ ضیائے حرم عید میلاد النبی نمبر ص۳۲ ۱۴۱۰ھ)

یہ جو اصطلاحی فرق واقع ہوا ہے۔ اس کی کوئی قابل قبول توجیہ پیش کر دی جائے تو پھر ہم اعتراف کرنے میں عار نہیں سمجھیں گے۔

حاضر ہے

محولہ بالا تصریحات سے حق اگرچہ خوب واضح ہو چکا ہے اور اسے قبول کرنے میں عار بھی محسوس نہیں کرنی چاہیے پھر بھی ہم اتمام حجت کے عادی ہیں مطلوبہ توجیہ پیش کرتے ہیں اور فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

بمطابق حدیث پاک "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ" حضرات خلفائے راشدین کا قول و فعل سنت قرار پایا۔ لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے جاری کردہ طریقہ کو "نعمت البدعۃ" سے ملقب فرما دیا۔ اب دیکھئے سیدنا محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا کہ "خلفائے راشدین کا عمل سنت ہے اور جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "نعمت البدعۃ" تو حضرت مجدد الف ثانی نے حدیث پاک کو یوں اختیار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فاروقی رضی اللہ عنہ کو "سنت" فرمایا ہے بدعت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خود مراد لیا ہے لہٰذا یہ "سنت" ہی ہے اور دیگر علماء نے نعمت البدعۃ کے قول کو یوں سنت سمجھا کہ بدعت کو لفظ نعمت سے ملقب کرنا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سنت ہے اور یہ ضروری تو انہوں نے بدعت حسنہ کی اصطلاح اختیار کر کے اسے سنت پہ محمول کر لیا۔ گویا بات ایک ہی ہے جو مختلف اصطلاحات میں بیان ہو رہی ہے۔ خلیفہ راشد کے

قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کو ترجیح دینے میں صورت اگرچہ مختلف رہی لیکن تعبیر و مراد ایک ہی رہی۔

فائدہ

موجودہ اصطلاح میں تقلید شخصی (امام معین کی تقلید) بدعت شمار ہو رہی ہے ہم اسے حسنہ کہتے ہیں اور واجب سمجھتے ہیں خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی بھی فرماتے ہیں کہ :-

"مجتہد کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں بھی جائز اور درست بلکہ واجب ولازم ہے[1]"

جبکہ قرونِ ثلاثہ میں اس کے وجوب کا ذکر تک نہ تھا اور جب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بدعت سے احتراز اور متابعت سنت پر زور دیتے ہیں تو ضروری ہے کہ تقلید ان کے نزدیک سنت ہو۔ اب یہ کیوں سنت ہے اور کس کی سنت ہے۔ مانعینِ بدعت حسنہ بتائینگے۔ ہم نے مجدد الف ثانی اور دیگر علماء علیہم الرحمۃ میں موافقت ثابت کر دی ہے لہٰذا حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے موافقت پیدا کرنے کے لئے مندرجہ بالا امور کو نیک اور جائز ماننا ہوگا ورنہ اختلاف ظاہر ہے جو چھپائے نہیں چھپ سکتا۔

بہرحال اگر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا عمل درست ہے اور یقیناً درست ہے تو یہ امور بھی درست ہوئے اور ایسے ہی ہم اہل سنت و جماعت کا عمل بھی درست ہوا۔ اور جو کام اچھا اور نیک ہے اس کی معاونت کے لئے حکم ربانی ہے

---

[1] دفتر اوّل مکتوب نمبر ۱۰

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی[1]

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایکدوسرے کی مدد کرو[2]

پس سب کو ان امور خیر میں شمولیت و معاونت کرنی چاہیے اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے

صلوٰۃ وسلام قبل اذان

کتاب و سنّت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس کی فضیلت بیان ہوئی اور فوائد کثیرہ ذکر ہوئے۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی "غیر اللہ" کے نام سے موسوم اپنی کتاب " زاد السعید" میں ایسے بہت سے عنوانات پر بے شمار احادیث نقل کی ہیں۔ بہرحال درود شریف کے فضائل و فوائد سے مطلقاً تو کسی کو انکار نہیں ہاں قبل اذان یا بعد اذان صلوٰۃ وسلام میں آجکل نزاع ہے۔ ہم انشاء اللہ اس اجمالی گفتگو میں اس نزاع کو دور کرنے کی کوشش کرینگے۔ ملاحظہ ہو قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[3] بے شک اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانیوالے (نبی) پر اے ایمان والو اُن پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو[4]

---

[1] المائدہ ۲ پ ۶ [2] کنز الایمان [3] الاحزاب ۵۶ پ ۲۲ [4] کنز الایمان۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا اہل سنّت ہونے کی علامت ہے۔

(تبلیغی نصاب۔ فضائل درود شریف ص ۹)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔[۱]

یہاں لفظ "خوب" محل نظر ہے۔[۲] مراد بہت زیادہ اور بار بار بھیجنا ہے۔ گویا صلوٰۃ و سلام بہ بارگاہِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور رب کریم کی سنت ہے کہ

کہ خود خالق بھی ہے شامل اسے سننے سنانے میں

آیۂ کریمہ اور اس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ آئیے، اب چند احادیث بھی ملاحظہ کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

۱۔ اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے[۳]

۲۔ اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے تم جہاں بھی ہو[۴]

۳۔ قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا[۵]

۴۔ بڑا بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے[۶] اور مدارج النبوت میں یوں بھی ہے:- اِنَّ الْبَخِیْلُ کُلَّ الْبَخِیْلِ بے شک یہ تمام بخیلوں میں بدتر بخیل ہے[۷]

آیت کریمہ اور احادیث مندرجہ بالا میں قبل اذان وغیرہ کے وقت کی قید یا استثنا نہیں ہے۔ ہم نے تھانوی صاحب کی زاد السعید

---

[۱] ترجمہ اشرف علی تھانوی [۲] مولانا محمد شفیع اوکاڑوی فرماتے ہیں: "سلموا کے بعد تسلیما مفعول مطلق بیان فرما کر سلام پڑھنے میں تاکید پیدا فرما دی کہ سلام ضرور پڑھنا کیونکہ مفعول مطلق کی اصل غرض تاکید ہے۔" (برکات میلاد شریف ص۱۶)

[۳] مشکوٰۃ باب صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۴] ایضاً ص۸۶ [۵] مدارج النبوت [۶] تبلیغی نصاب فضائل درود شریف تیسری فصل [۷] مدارج النبوت جلد اول ص۲۹۵۔

بھی دیکھی وہ بھی اس شرط سے خالی پائی بلکہ آیت کریمہ بجائے مقید ہونے کے مطلق حکم کے ساتھ عمومیت کی حامل ہے۔

اب بتائیے قرآن و حدیث نے تو درود پاک پڑھنے کو مطلق رکھا[1] کہ جب بھی پڑھ سکو پڑھو۔ وقت کی پابندی بالکل نہیں کہ فلاں وقت پڑھ لیا تو درست ہوگا اور فلاں فلاں وقت میں گناہ۔ اگر ایسا ہوتا تو درود شریف پڑھنے کے اوقات مقرر کر دئیے گئے ہوتے یا ممنوعہ اوقات کی تفصیل بتا دی گئی ہوتی۔ جبکہ ایسا نہیں ہے تو گویا یہ قید کہ قبل اذان یا بعد اذان درود شریف درست نہیں ایک من گھڑت قید ہے اور فتاویٰ رشیدیہ میں ہے :-

"جس امر کو شریعت نے مطلق فرمایا ہے اپنی عقل سے اس میں قید لگانا حرام ہے۔"[2]

غزالیٔ دوراں محدث زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قبل اذان اور بعد اذان صلوٰۃ و سلام ہرگز مذموم نہیں، نہ بدعتِ شرعیہ ہے جسے بدعتِ ضلالت کہا جا سکے، بلکہ امر مستحسن ہے جس کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہے۔ کتاب اللہ میں صلوا وسلموا کا ارشاد ہے جس میں کوئی تخصیص و تقیید نہیں۔" الخ[3]

جب تمام اوقات میں درود و سلام بھیجنا مستحب و مستحسن[4]

---

[1] مخالفین کے مفتی محمد شفیع دیوبندی کراچوی کہتے ہیں:
"جس طرح ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآن کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر، ہر طرح جائز ہے اسی طرح درود شریف بھی ہر طرح جائز ہے۔ (سنت و بدعت ص۵۷)

[2] فتاویٰ رشیدیہ ص۱۴۷ [3] مقالاتِ کاظمی حصہ سوم ص۳۲۲ مکتبہ فریدیہ، ساہیوال

[4] مدارج النبوت، اردو، اوّل ص۵۷ اور جذب القلوب (اردو) میں ص۲۴۴ پر ایسے کثیر اوقات مستحبہ میں "اذان و اقامت کے بعد" کا وقت بھی شمار کیا گیا ہے۔

ہے" تو پھر یہاں کیوں منع کیا جاتا ہے۔ حیرت ہے اس قدر مبارک اور نیک کام سے بھی تعصب ہے (معاذ اللہ)۔

شکوک و شبہات کے ازالہ کے لیئے آئندہ سطور میں چند غور طلب اور مفید سوالات ملاحظہ کیجئے۔ اور اپنی روش کو جانئے پہچانئے اور راہ راست پر پہنچنے کی کوشش کیجئے۔

۱- بتائیے آیتِ کریمہ میں صلوٰۃ وسلام کا حکم مطلق ہے یا وقتِ خاص کے ساتھ مقید ہے؟ اس میں کسی خاص وقت کی ممانعت ہے اور کیا ممنوعہ اوقات میں قبل اذان کا وقت شامل ہے؟ حکم نہی ثابت کرنے کے لئے کس دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور اس ممانعت کا اختیار کس کو ہے اور اس میں کسی ہیئت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ !

---

۵۱ قاری طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں کہ

"کون جرأت کرسکتا ہے کہ اطلاقِ قرآنی کے نیچے آئی ہوئی کسی صورت کو ممنوع ٹھہرا کر قرآن کے اطلاق کو منسوخ کرنے کی جرأت کرے اور اس طرح قرآن کے مطلق کو تقیید سے بدل کر قرآن کی ایک صاف اور صریح دلالت کے مدمقابل آجائے کیونکہ ———— دین کے سلسلے میں کسی مطلق کو مقید بنانے یا مقید کو مطلق کرنے، کسی عام کی تخصیص کر دینے یا خاص کو عام بنا دینے کا حق اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کس کو حاصل ہے؟ کہ اس جرأت کی گنجائش ہو پھر بھی اگر کوئی غیر خدا اور رسول ایسا کرے تو حقیقتاً یہ در پردہ شارع ہونے کا دعویٰ ہے، جو بدترین بدعت بلکہ شرک فی الرسالت ہے۔ اعاذنا اللہ منہ (کلمۂ طیبہ صد ۲۰-۹)

لہٰذا درود شریف کے مطلق کو مقید کرنے والا بھی اپنے انہی قاری صاحب کے اس فتویٰ کی زد میں ہے۔ پھر قاری صاحب نے کلمۂ طیبہ کی ہیئت ترکیبی اور اس کے جواز کی بحث میں جو کچھ کہا ہے ہمارے منکرین کو مدنظر رکھتے ہوئے ملاحظہ فرمائیں تو قبل اذان صلوٰۃ وسلام کا جواز بھی بخوبی معلوم ہو جائیگا۔ موصوف فرماتے ہیں:- "اب اگر حضرات مانعین کلمۂ طیبہ (اسی طرح قبل اذان صلوٰۃ وسلام کے مانعین) بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

۲۔ مسجد میں عبادت کے کام کون کونسے ہیں ؟ ان میں درود پاک شامل ہے یا نہیں اس کا با وضو پڑھنا افضل ہے یا بے وضو اور مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد سے باہر جبکہ مسجد میں نماز بھی قائم نہ ہو

۳۔ ضروری تو یہ ہے کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی سنے یا پکارے وہ درود شریف پڑھے۔ نہ پڑھنے والا بخیل اور رحمت خداوندی سے دوری کا مستحق ہے۔ اب جو نہ پڑھے وہ تو بخیل ہے اور جو رد کرنے والا ہے اس کے لئے کیا وعید ہے ؟ کہیں وہ نہ پڑھنے والے سے بھی بڑا بخیل تو نہیں ؟

۴۔ اذان میں دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے اگر مؤذن قبل اذان یا بعد اذان صلوٰۃ وسلام پڑھے تو مضائقہ کیا ہے۔ کیا یہ بخل سے بچنے کی اچھی ترکیب نہیں ہے ؟

۵۔ قبل اذان صلوٰۃ وسلام سے انکار کس کی سنت ہے اور یہ کیونکر روا ہے ؟

۶۔ اس کا بدعت قرار دے کر نہ پڑھنا کس سے ثابت ہے ؟

۷۔ جب دین مکمل ہے اور اس میں منع نہیں کیا گیا تو اب کیوں اور کس نیت سے منع کیا جاتا ہے ؟ دوسرے کیا حکم ممانعت سے قرآن و

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس ثبوت کے خلاف اس درجہ کا کوئی ثبوت پیش کرتے، کوئی آیت یا کوئی صحیح اور متواتر و مشہور روایت سامنے لاتے جو اطلاق قرآنی کو منسوخ کر کے صراحتاً کلمہ طیبہ (اس طرح قبل اذان صلوٰۃ وسلام) کے ممنوع و ناجائز یا بدعت ہونے پر دلالت کرتی تو بلاشبہ اس پر توجہ کی جانی ضروری ہوتی لیکن اس کے برعکس اگر روایتیں ملتی ہیں تو اس اطلاق قرآنی کی مؤید اور اس اطلاق قرآنی کے نیچے آتے ہوئے ایک ایک حال کے جواز اور ثبوت کی ملتی ہیں جس سے ہمارا پیش کردہ ثبوت اور زیادہ مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے۔"

(کلمہ طیبہ صد ۲۲)

...یث کی مخالفت نہ ہوئی؟

۸۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے صلوٰۃ وسلام پڑھو "صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" مانعین کہتے ہیں نہ پڑھو بتائیں کہ اس مخالفتِ خداوندی سے مقصود کیا ہے؟

۹۔ ہم نے چند قواعد وضوابط پیش کیے ہیں ان کے مطابق کیا حکم ہے؟ ان سوالات پر خصوصی غور فرمانے سے قبل اذان درود شریف کا جواز تسلیم کرنے میں کوئی الجھن نہیں رہے گی اور اس کی ضرورت وافادیت بھی خوب معلوم ہو جائے گی۔ علمائے حق نے اسے جائز جانا اور اس پر عمل کیا۔ ہم بخوفِ طوالت علمائے حق کی تصریحات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مانعین ہی کے معتبر مولیٰنا روزنامہ جنگ کے مفتی ادیب شہیر جناب مولیٰنا عبدالرحمٰن صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور کا فتویٰ نقل کرتے ہیں تاکہ قبل اذان درود شریف کے جواز پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ ملاحظہ کیجیے جنگ میگزین راولپنڈی مورخہ ۱۴ تا ۲۰ جنوری ۱۹۸۳ء اور ہم اہل سنت وجماعت کے معمولات کی صحت کی داد دیجیے اور حق سمجھ کر قبول کر لیجیے۔

سوال

اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام جو آج کل رائج ہو گیا کیا جائز ہے؟

جواب

صلوٰۃ وسلام اس میں کوئی شک نہیں کہ بہترین عبادت ہے اور ہر وقت اس کو پڑھنا باعثِ رحمت وبرکت ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں اس کو اذان کا جزو تو نہیں سمجھ لیں گی۔ اگر اس کو اذان کا جزو سمجھ لیا گیا تو پھر یہ بلاشبہ بدعت ہوگی جس کی مذمت واضح ہے

انصاف کی بات یہ ہے کہ اذان سے پہلے پڑھنے والے پڑھیں اور اذان کی طرح اونچی آواز سے نہ پڑھیں بلکہ آواز قدرے پست ہو اور اذان اور صلوٰۃ وسلام میں فصل ہو اگرچہ آدھے منٹ کا ہی ہو تو پھر انشاء اللہ اس کے بدعت ہونے کا احتمال نہیں ہوگا۔[1]

ملاحظہ کیا آپ نے کہ یہ قبل اذان صلوٰۃ وسلام کا جواز کون کس طرح بیان کر رہا ہے۔ کہتے ہیں:

"ہر وقت اس کو پڑھنا باعثِ رحمت وبرکت ہے۔"

اس "ہر وقت" میں قبل اذان کا جواز شامل ہے کیونکہ سوال میں اسی وقت کا ذکر ہے۔

رہا یہ خدشہ کہ "آئندہ آنے والی نسلیں اس کو اذان کا جزو تو نہیں سمجھ لیں گی" تو یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے۔ نہ آج تک کسی نے ایسا سمجھا ہے اور نہ انشاء اللہ ایسی صورت پیدا ہوگی۔ نوافل متواتر پڑھے جانے کے باوجود آج تک نماز کا جزو نہیں سمجھے گئے اور نہ ہی آئندہ ایسا سمجھا جانے کا مفروضہ قائم ہوا۔ ہمیشگی اور بات ہے فرض وواجب یا ان کا جزو سمجھنا علیحدہ بات۔ صحیح بخاری شریف میں حدیث ہے:

وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَا دَامَ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ[2]

اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس کا کرنے والا اسے ہمیشہ کرتا رہے۔

تو کسی امرِ خیر پر اصرار اور ہمیشگی کو فرض وواجب پر منتج جاننا درست نہیں۔ یہ ہمیشگی تو خداوند تعالیٰ کی پسندیدگی حاصل کرنے

---

[1] جنگ میگزین راولپنڈی مورخہ ۱۴ تا ۲۰ جنوری ۱۹۸۳ء [2] بخاری شریف کتاب الایمان (ریاض الصالحین ج۱ ص۹۳ مترجم)

حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ نے نقل کیا احب الاعمال الی اللہ ادومها وان قل (مترجم ص۸۶) اور ابن ماجہ شریف، باب "المداومة على العمل" میں اس مضمون کی کئی روایتیں موجود ہیں۔

کا ذریعہ ہے۔ ان کے ہاں قبل اذان صلوٰۃ وسلام کا پڑھنا بدعت نہیں اسے اذان کا جزو سمجھنا بدعت ہے اور ان کے لفظ "آئندہ" سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ فی الحال اسے اذان کا جزو نہیں سمجھا جاتا لہٰذا بدعت نہیں۔

آگے مولانا موصوف نے پڑھنے والے کے حق میں ڈگری بھی دے دی کہ "انصاف کی بات یہ ہے کہ اذان سے پہلے پڑھنے والے پڑھیں۔ یعنی یہ عمل ترک نہ کریں اور ان کو روکنا انصاف کی بات نہیں، ہاں "آواز قدرے پست ہو اور اذان اور صلوٰۃ وسلام میں فصل ہو اگرچہ آدھے منٹ ہی کا ہو" تو پھر بدعت نہیں۔

پس قبل اذان صلوٰۃ وسلام جائز اور باصواب ہوا اسے بدعت و ناجائز کہہ کر روکنا ناانصافی ہے۔ اسلام انصاف کی بات چاہتا ہے اس لیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ جب قبل اذان صلوٰۃ وسلام پڑھنا رحمت و برکت کا باعث ہے تو رحمت و برکت کے حصول کے لیے خود بھی پڑھیں یعنی اپنے ہاں بھی جاری کریں کیونکہ رب تعالیٰ کی رحمت و برکت سے بے نیازی بغاوت پر منتج ہو سکتی ہے اور ناراضگی رب تعالیٰ کا باعث بھی۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ○

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں[1]

ہم نے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ نقل کر دیا ہے تاکہ

---

[1] پ ۲۸ الصف آیت نمبر ۲، ۳ ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی

ابہام باقی نہ رہے اور مولینا موصوف[1] اپنے ساتھیوں سمیت خود بھی یہ کام کرنا شروع کر دیں تاکہ نزاع کی ہر صورت کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ امرِ خیر (قبل اذان صلوٰۃ وسلام) بجالانے کی توفیق مرحمت فرمائے، بغاوت سے بچائے اور اپنی خصوصی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔

---

[1] مفتی مرجنگ مولانا عبد الرحمٰن صاحب

عدالتِ قارئین

یہ صفحات کسی طوالت کے متحمل نہیں اسلئے ہم اختصار پر معذرت خواہ ہیں،
پھر بھی حتی المقدور (بفضلہٖ تعالیٰ) اتمامِ حجت کر دیا گیا ہے۔ دعویٰ کا اثبات اور مخالفین و
مانعین کے اشکالات واعتراضات اور شکوک و شبہات کا صریح جائزہ پیش کر دیا
ہے۔ کسی کی دلآزاری مقصود نہیں اور کہیں ایسا ہوا ہو تو معذرت قبول کر لی جائے
کہ ہمیں تو صرف آئینۂ حق دکھلانا مطلوب ہے۔

اب حق و باطل میں امتیاز و انتخاب منصفین قارئینِ کرام کی اپنی ذمہ داری ہے
ہماری استدعا یہ ہے کہ بلا تعصب اور بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے۔ اس کے روشن روشن
نقلی و عقلی دلائل و براہین کو دیانت و امانت کے ہر معیار و زاویہ سے جانچا اور پرکھا جائے۔
پھر جب حق مثل مہرِ نیم روز واضح نظر آ جائے تو ہر قسم کی غفلت و مصلحت بالائے طاق
رکھ کر خدارا اسے ضرور قبول کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی رضا کیلئے یہ بہت ضروری ہے۔ یہی مومن کا مقصدِ حیات اور انسانیت کا کمال ہے
ربِ کریم سے دعا ہے کہ جملہ متلاشیانِ حق کو بادیۂ ضلالت سے نکال کر ہدایت کا شعور
اور ایمان کا نور عطا فرمائے اور امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین کا مصداق
بنا کر اعمالِ صالحہ کی توفیق دے اور شرفِ اجابت و قبولیت سے سرفراز فرما دے۔
پھر سو باتوں کی ایک بات اور سب دعاؤں کی جان کہ اپنے محبوب پاک صدر بزم کائنات
مبدائے حسنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی شفاعت نصیب فرمائے۔ ہم گنہگاروں کے
سہارا ابھی تو یہی ہیں ؎

تجھ سا سیاہ کار کون ان سا شفیع ہے کہاں
پھر وہ تجھی کو بھول جائیں دل یہ ترا گمان ہے

صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

ماخذ کتاب

۱۔ قرآن پاک ۔ اللہ تعالیٰ کی آخری مقدس کتاب

۲۔ ترجمہ کنزالایمان ۔ امام احمد رضا بریلوی
مع خزائن العرفان تفسیر صدرالافاضل سید نعیم الدین

۳۔ ترجمہ محمود الحسن ۔ محمود الحسن دیوبندی

۴۔ تفسیر عثمانی ۔ شبیر احمد عثمانی

۵۔ ترجمہ و تفسیر تھانوی ۔ مولانا اشرف علی تھانوی

۶۔ ترجمہ و تفسیر موسوم بہ تفہیم القرآن ۔ مولانا مودودی

۷۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۸۔ تفسیر جلالین ۔ جلال الدین محلی، جلال الدین سیوطی

۹۔ تفسیر مظہری ۔ ثناء اللہ پانی پتی

۱۰۔ تفسیر نعیمی ۔ مفتی احمد یار خان

۱۱ تفسیر ضیاء القرآن ۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری

۱۲۔ تفسیر معارف القرآن ۔ محمد شفیع کراچوی

۱۳۔ تفسیر بیان السبحان ۔ عبدالدائم (دیوبند)

۱۴۔ صحیح بخاری ۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری

۱۵۔ ترمذی امام ابوعیسیٰ ترمذی

۱۶۔ ابن ماجہ ۔ امام سلیمان بن اشعث

۱۷۔ موطا ۔ امام مالک رضی اللہ عنہ

۱۸۔ مسند امام اعظم ۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ

۱۹۔ مشکوٰۃ ۔ امام ابوعبداللہ محمد

۲۰۔ ریاض الصالحین ۔ امام نووی

۲۱۔ اربعین نووی ۔ "

۲۲۔ فتح الباری ۔ امام ابن حجر عسقلانی

۲۳۔ فیوض الباری ۔ سید محمود احمد رضوی

۲۴۔ اشعۃ اللمعات ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۲۵۔ مرقات ۔ ملا علی قاری

۲۶۔ مراۃ ۔ مفتی احمد یار خان

۲۷۔ در الثمین ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۲۸۔ معارف الحدیث ۔ منظور نعمانی

۲۹۔ درس ترمذی ۔ تقی عثمانی

۳۰۔ آثار الحدیث ۔ ڈاکٹر خالد محمود

۳۱۔ الاتقان فی علوم القرآن ۔ امام جلال الدین سیوطی

۳۲۔ شرح الصدور " "

۳۳۔ الخصائص کبریٰ " "

۳۴۔ الخصائص صغریٰ " "

۳۵۔ حسن المقصد فی عمل المولد " "

۳۶۔ فتوح الغیب ۔ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ

۳۷۔ غنیۃ الطالبین ۔ (منسوب) " "

۳۸۔ کشف المحجوب ۔ داتا گنج بخش

۳۹۔ کتاب الشفاء ۔ قاضی عیاض

٤٠۔ شواہد النبوت۔ مولانا عبدالرحمن جامی

٤١۔ مکتوبات امام ربانی۔ حضرت مجدد الف ثانی

٤٢۔ حضرات القدس۔ بدرالدین سرہندی

٤٣۔ زبدۃ المقامات۔ خواجہ ہاشم کشمی

٤٤۔ احیاء العلوم۔ امام غزالی

٤٥۔ کیمیائے سعادت۔ "

٤٦۔ الفوز الکبیر فی اصول تفسیر۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

٤٧۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ " "

٤٨۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ " "

٤٩۔ فیوض الحرمین۔ " "

٥٠۔ عقد الجید۔ " "

٥١۔ انفاس العارفین۔ " "

٥٢۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء۔ " "

٥٣۔ القول الجمیل۔ " "

٥٤۔ ہمعات۔ " "

٥٥۔ مدارج النبوت۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

٥٦۔ جذب القلوب۔ " "

٥٧۔ اخبار الاخیار۔ " "

٥٨۔ ماثبت من السنۃ۔ " "

٥٩۔ تکمیل الایمان۔ " "

٦٠۔ جواہر البحار۔ امام یوسف نبہانی

٦١۔ ختم نبوت۔ امام احمد رضا بریلوی

٦٢۔ انگوٹھے چومنے (منیر العین)۔ امام احمد رضا بریلوی

٦٣۔ احکام شریعت۔ " "

٦٤۔ ارشادات اعلیحضرت (مطبوعہ ملتان)۔ " "

٦٥۔ اقامۃ القیامۃ " "

٦٦۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت " "

٦٧۔ شان حبیب الرحمن۔ مفتی احمد یار خان

٦٨۔ جاء الحق " "

٦٩۔ علم القرآن " "

٧٠۔ مواعظ نعیمیہ " "

٧١۔ رحمت خدا بوسیلہ اولیاء۔ "

٧٢۔ الوفا۔ علامہ ابن جوزی

٧٣۔ میلاد الرسول ترجمہ مولد العروس "

٧٤۔ بیان المیلاد النبوی "

٧٥۔ میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (میلاد الرسول) علامہ ابن کثیر

٧٦۔ جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سید محمد بن علوی مالکی

٧٧۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام اہلسنت سید احمد سعید کاظمی

٧٨۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ " "

٧٩۔ مقالات کاظمی۔ " "

٨٠۔ کتاب التراویح۔ " "

٨١۔ تصریح المقال۔ " "

٨٢۔ برہان المؤید (بنیان المشید)۔ شیخ احمد کبیر رفاعی

٨٣۔ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری

۸۴۔ سنتِ خیر الانام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پیر محمد کرم شاہ الازہری

۸۵۔ جانِ جاناں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۸۶۔ جشنِ بہاراں ″ ″

۸۷۔ الخیرات الحسان۔ شیخ شہاب الدین حجر ہیتمی

۸۸۔ حیات امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ۔ محمد ابو زہرہ مصری

۸۹۔ سوانح بے بہائے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی

۹۰۔ القول الجلی کی بازیافت۔ ″ محمود احمد برکاتی

۹۱۔ مولانا اسمٰعیل اور تقویۃ الایمان۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی

۹۲۔ تذکرۃ المحدثین۔ علامہ غلام رسول سعیدی

۹۳۔ محدثین عظام اور انکے علمی کارنامے۔ تقی الدین ندوی

۹۴۔ انوار لاثانی۔ پروفیسر محمد حسین آسی

۹۵۔ انوار ساطعہ۔ مولانا عبد السمیع

۹۶۔ تحفہ اثنا عشریہ۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

۹۷۔ مقیاس حنفیت۔ مناظر اسلام محمد عمر اچھروی

۹۸۔ مسلک امام ربانی۔ محمد سعید نقشبندی

۹۹۔ ادلۃ اہل السنت والجماعت۔ سید یوسف رفاعی کویت (اسلامی عقائد)

۱۰۰۔ بہارِ شریعت۔ مولانا امجد علی (صدر شریعت)

۱۰۱۔ قانونِ شریعت۔ احمد شمس الدین رضوی

۱۰۲۔ عجائب الفقہ۔ مفتی جلال الدین امجدی

۱۰۳۔ دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سید محمود احمد رضوی

۱۰۴۔ اسلامی تقریبات۔ ″ ″

۱۰۵۔ تبرکات کی تعظیم۔ صدر الافاضل مراد آبادی

۱۰۶۔ گیارھویں شریف۔ صدر الافاضل مراد آبادی

۱۰۷۔ برکاتِ میلاد شریف۔ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی

۱۰۸۔ ثواب العبادات۔ ″ ″

۱۰۹۔ تواریخ حبیب الٰہ۔ عنایت احمد کاکوروی

۱۱۰۔ فیصلہ ہفت مسئلہ۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

۱۱۱۔ کلیاتِ امدادیہ۔ ″ ″

۱۱۲۔ فتاویٰ مہریہ۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی

۱۱۳۔ اعلاء کلمۃ اللہ۔ ″ ″

۱۱۴۔ ہجرتِ مدینہ۔ علامہ شبلی نعمانی

۱۱۵۔ الغزالی ″ ″

۱۱۶۔ لمعات الاصلیۃ الممتازہ۔ مفتی ہدایت الحق

۱۱۷۔ واعظ۔ ابوالتنویر محمد بشیر

۱۱۸۔ دیوبندی علماء کی حکایات۔ ″

۱۱۹۔ دیوبندی مذہب۔ غلام مہر علی گولڑوی

۱۲۰۔ دیوبندی حقائق۔ ابوداؤد محمد صادق

۱۲۱۔ نشر الطیب۔ اشرف علی تھانوی

۱۲۲۔ زاد السعید ″ ″

۱۲۳۔ امداد المشتاق ″ ″

۱۲۴۔ اشرف المواعظ ″ ″

۱۲۵۔ الافاضات الیومیہ (ملفوظات) ″

۱۲۶۔ الشمامۃ العنبریہ۔ نواب صدیق حسن بھوپالی

۱۲۷۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ سعید احمد اکبر آبادی

۱۲۸۔ آفتاب نبوت۔ قاری طیب دیوبندی

۱۲۹۔ عالم برزخ " "

۱۳۰۔ کلمہ طیبہ " "

۱۳۱۔ تبلیغی نصاب۔ مولانا محمد زکریا

۱۳۲۔ فضائل حج " "

۱۳۳۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ رشید احمد گنگوہی

۱۳۴۔ المہند علی المفند۔ عقائد علمائے دیوبند

۱۳۵۔ تحذیر الناس۔ قاسم نانوتوی

۱۳۶۔ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ محمد شفیع

۱۳۷۔ سنت و بدعت۔ "

۱۳۸۔ ھدایۃ المستفید۔ شرح کتاب التوحید از محمد بن عبد الوہاب نجدی

۱۳۹۔ ملفوظات الیاس۔ بانی تبلیغی جماعت کے ملفوظات

۱۴۰۔ دعوات حق۔ عبد الحق اکوڑہ خٹک

۱۴۱۔ ھدیۃ المھدی۔ علامہ وحید الزمان

۱۴۲۔ روشنی۔ محمد متین ہاشمی

۱۴۳۔ اظہار حقیقت۔ حکیم ہاشمی حیدر آبادی

۱۴۴۔ تقلید کی شرعی حیثیت۔ محمد تقی عثمانی

۱۴۵۔ خلافت و ملوکیت۔ مولانا مودودی

۱۴۶۔ راہ عمل۔ جلیل احسن ندوی

۱۴۷۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت۔ محمد حسین نیلوی سرگودھا

۱۴۸۔ محفل میلاد۔ جابر الجزائری / اشتیاق ندوی

۱۴۹۔ جنگ میگزین۔ جنگ راولپنڈی

۱۵۰۔ بدعت کیا ہے۔ ماہر القادری / عامر عثمانی

۱۵۱۔ منہاج القرآن (ماہنامہ)۔ لاہور

۱۵۲۔ اردو ڈائجسٹ (رحمۃ للعالمین نمبر)۔ لاہور

۱۵۳۔ ضیائے حرم (ماہنامہ)۔ لاہور / بھیرہ

۱۵۴۔ ماہ طیبہ " سیالکوٹ

۱۵۵۔ نور اسلام " شرقپور شریف

۱۵۶۔ رضائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ماہنامہ) گوجرانوالہ

۱۵۷۔ تہذیب العقائد۔ شرح عقائد نسفی

۱۵۸۔ تصحیح العقائد۔ علامہ عبد الحامد بدایونی

۱۵۹۔ ارمغان شاہ ولی اللہ۔ پروفیسر محمد سرور

۱۶۰۔ القول الجلی اردو۔ مسلم کتابوی لاہور

نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وجہِ مکاں بھی باعثِ امکاں بھی آپ ہیں
گل بھی بہار تو بھی گلستاں بھی آپ ہیں

اک میں ہی ان کے لطف و کرم پر نہیں فدا
عالم کی جان، دہر کا ارماں بھی آپ ہیں

مجھ کو رہِ حیات کی مشکل سے کیا غرض
منزل بھی، راہبر بھی، نگہباں بھی آپ ہیں

واللہ ان کی نظرِ عنایت ہے مغفرت
گویا قسیمِ رحمتِ رحماں بھی آپ ہیں

سر وہ ہے جس میں سودا سمایا حضور کا
دل وہ ہے جس کے درد کا درماں بھی آپ ہیں

صدقہ حسن حسین رضی اللہ عنہما کا للہ اک نظر
میری رہِ نجات کا ساماں بھی آپ ہیں

جس نے کیا جہاں کے اندھیروں کو مستنیر
نورِ ازل کا جلوۂ تاباں بھی آپ ہیں

کس نے بشر کو ظلمت و ذلت سے دی نجات
پیغامِ اوج و عظمتِ انساں بھی آپ ہیں

مانا ہے مہر و ماہ و نجوم و شجر و لیل
توحید کی عظیم تر برہاں بھی آپ ہیں

لکھی اگر حقیقتِ بدعت ضیا نے خوب
اس داستانِ فکر کے عنواں بھی آپ ہیں

حسرت ہے آپ نورِ محبت عطا کریں
ہاں ہاں جہانِ نور کے سلطاں بھی آپ ہیں

ہو جا غلام مصطفیٰ قرباں حضور پر
حسنِ یقیں بھی دین بھی، ایماں بھی آپ ہیں

غلام مصطفیٰ امجدی ایم اے
شکر گڑھ

۱۔ ماہنامہ انوارِ لاثانی
دربار شاہ لاثانی علیہ الرحمۃ علی پور سیداں شریف
سے شائع ہوتا ہے۔
جو معاصر دینی رسالوں میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے
جو مسائلِ شریعت و طریقت کو عام فہم اور سادہ زبان میں پیش کرتا ہے
جس کے مصنفین میں نامور محققین شامل ہیں
جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر ملک کے طول و عرض میں تبلیغ و اصلاح کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے
بہترین سفید کاغذ اور گوناگوں خوبیوں کے باوجود زرِ بدل انتہائی مناسب ہے
دعوت ۔ خود پڑھیے اور دوسروں کو پڑھنے کی ترغیب دیجیے
۲۔ بزمِ لاثانی پاکستان
مرکزی دفتر دربار شاہ لاثانی علیہ الرحمۃ علی پور سیداں شریف
جزاکم اللہ فی الدارین
محمد صدیق ضیا رکن مرکزی مجلس شوریٰ بزمِ لاثانی پاکستان

٩٢ - ٧٨٦

اِمام الواصلین، غوثُ العارفین، قطبُ الکاملین، فردُ الافراد، واہبُ مُراد، محبوبِ سُبحانی

شہبازِ لامکانی، اعلیٰحضرت، عظیم البرکت الحاج پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب لاثانی

نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی، قدس سرہٗ الصمدانی

اور

قطبُ الاقطاب، غوث الاغیاث، شہنشاہِ فقر و ولایت، خاتمِ رُشد و کرامت، زبدۃ العارفین

عمدۃ الواصلین، اعلیٰحضرت الحاج پیر سیّد علی حسین شاہ صاحب نقشِ لاثانی قدس سرہٗ النورانی

اور عارف حقانی قیوم زمانی قاسم فیض لاثانی نقشہ النقش لاثانی جامع شریعت و طریقت حضرت

الحاج پیر سید عابد حسین شاہ صاحب قدس سرہ النورانی کا

مرکزی عرسِ مبارک

ہر سال ـ یکم اور دو ۲ اکتوبر کو

بمقام :- دربار شاہِ لاثانی و دربار نقشِ لاثانی علی پور سیداں شریف

منعقد ہوتا ہے

زیر اہتمام: فخر دودمان سادات قاسم فیوض و برکات پیر طریقت

رہبر شریعت اعلیٰحضرت پیر سید محمد مظفر اقبال شاہ

دامت برکاتہم القدسیہ زیب آستانہ عالیہ لاثانی حسینیہ عابدیہ

سرپرست اعلیٰ بزم لاثانی پاکستان

زیرِ سرپرستی ــــــــ مشائخِ کرام چورہ شریف

ایک خصوصیت ـ محدثین، مفسرین، مفتیانِ دین، خطباء، علماء اور شعراء کا عظیم اجتماع عقیدت مند کا ٹھاٹھیں مارتا ہجوم ہوتا ہے

ــــ جوق در جوق شرکت فرما کر ثوابِ دارین حاصل کیجئے ــــ

۷۸۶ – ۹۲

قطبُ الاقطاب، غوثُ الاغیاث، شہنشاہِ فقر و ولایت، خازنِ رُشد و ہدایت

عمدۃ الواصلین، زبدۃ العارفین، اعلیٰ حضرت الحاج پیر سید علی حسین شاہ صاحب

نقشِ لاثانی، قدس سرہ النورانی علی پوری کی یاد میں

عظیمُ الشان

ہر سال ۔ بتاریخ ۲۷ جولائی ✲ بمقام: مرکزِ تجلیات ۔ جامع مسجد، دربار حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ ۔ لاہور

زیرِ صدارت:۔

جامع شریعت و طریقت، عارف معارف حقیقت ۔ مخدوم الاصفیاء، فخر الاولیاء، قاسم فیضِ لاثانی، نقشۂ نقشِ لاثانی، حضور قبلۂ عالم الحاج

پیر سید عابد حسین شاہ صاحب قدس سرہ النورانی کے

خلفِ اکبر اور سجادہ نشین پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت الحاج حضرت پیر سید محمد ظفر اقبال شاہ دامت برکاتہم العالیہ زیبِ آستانہ عالیہ لاثانیہ حسینیہ عابدیہ علی پور شریف و سرپرست اعلیٰ بزم لاثانی پاکستان

ملک کے نامور مشائخِ عظام، مقتدر علمائے کرام، شعراء حضرات اور نعت خوانانِ شیریں لساں کا جم غفیر ہوتا ہے

عوام جوق در جوق تشریف لاتے ہیں اور ایک مثالی پروگرام ہوتا ہے

آپ بھی تشریف لائیں اور مرکزِ تجلیات پر لاثانی فیوض و برکات حاصل کریں

فضائے بدر کو اک آپ بیتی یاد ہے اب تک

یہ وادی نعرۂ توحید سے آباد ہے اب تک

مصنف

حضرت مولانا نجمی مصطفےٰ علی خان نقشبندی جماعتی

خلیفہ اعظم حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری

تقدیم و ترتیب جدید

علامہ مولانا محمد منشا تابش قصوری

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

شیخ ابنِ باز نجدی کی کتاب "عقیدۃ المسلم" کا تعاقب

تالیفِ لطیف

علامہ غلام مصطفیٰ مجددی

(ایم اے)

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

تصنیف

ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری الغزنوی

المشہور بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

دیباچہ

شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور